نور المصابیح

فخر العلماء والمحدثین واقفِ رموزِ شریعت ودین
حضرت مولانا ابوالحسنات سید عبد اللہ شاہ نقشبندی
مجددی قادری محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ

9

• ناشر •

ابوالحسنات اسلامک ریسرچ سنٹر، بازار نور الخان بازار روڈ، حیدرآباد، الہند

www.ziaislamic.com
zia.islamic@yahoo.co.in

نوید مسرت

خدا را در البیت احد خواں

نبی را در عبودیت یکے داں

نحمدہ و نصلی علی النبی الکریم و آلہ و اصحابہ اجمعین

امت مرحومہ کو یہ افتخار حاصل ہے کہ دین مبین کی خدمت میں اپنی بہترین صلاحیت صرف کرتی آ رہی ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جتنی فکری، علمی و عملی دین کی خدمت مسلمانوں نے سرانجام دی اس کی نظیر دیگر مذاہب پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

فن تفسیر، حدیث، فقہ و دیگر علوم کی اشاعت میں یہ امت ہمہ تن مصروف رہی

خدا رحمت کند بریں عاشقان پاک طینت را

ہمارے علماء و مفکرین نے دین کی اشاعت و حفاظت کی ذمہ داری جس خوش اسلوبی سے سرانجام دی اسی کا ثمرہ ہے کہ دین محمدی ﷺ اپنی اصلی کیفیت و حالت پر قائم ہے۔

علم فقہ کی تدوین مسلمانوں کا دین میں تفقہ، حزم و اہتمام کا ثبوت ہے۔ فقہ کے چاروں مسالک کے علماء کرام نے اصول و جزئیات کی تحقیق و تکمیل پر اپنی اپنی عمر عزیز لگا دی۔ اور اپنی بہترین صلاحیتوں سے فن کی کماحقہ، خدمت سرانجام دی۔ فقہ حنفی جو چاروں مسالک میں اولیت و اساس کا درجہ رکھتی ہے اس کے مسائل کی مدافعت، تائید و تشریح میں بے شمار علماء کرام نے بیش بہا خدمات انجام دیں۔ مگر مشیت یزدی یوں رہی کہ کوئی ہزار، بارہ سو سال تک فقہ حنفی جامع و مبسوط انداز میں یکجا جمع نہ ہو سکی۔ تیرہویں صدی ہجری میں ہند کے قطعہ دکن کے ایک عالم و صوفی کے نصیب میں یہ سعادت رکھی گئی کہ وہ فقہ حنفی کو ابوابی لحاظ سے یکجا ضروری توجیہ، نوٹ و تشریح کے ذریعہ مسائل کی تائیدی دلائل فقہ حنفی پر اعتراضا کا مکمل و مُسَکِت جواب، فٹ نوٹ اور حاشیہ میں درج کریں۔ علامہ ممدوحؒ نے اپنی تالیف منیف کا

نام ''زجاجۃ المصابیح'' رکھا اور اس میں یہ اہتمام فرمایا کہ احادیث کی درجہ بندی ''مشکوٰۃ'' کے طرز پر ہو مگر ذیل میں وہ احادیث جمع کی جائیں جو فقہ حنفی کی مؤید ہوں۔ نہ صرف یہ بلکہ فاضل مولفؒ نے احادیث کی تشریح اور فقہ حنفی کے تمام اشکال واعتراض کا مدلل جواب بیسیوں مستند ومتداول مآخذ سے حاشیہ میں تحریر فرمایا۔ اس طرح آپ کی یہ تالیف فقہ حنفی کی ایک مستند دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ اصل تالیف زبان عربی میں ہے تا کہ اقطاع عالم کے مسلمان اس سے مستفید ہوسکیں۔ بلاد ہند میں مسلمانوں میں مقبول وعلمی، دینی زبان اردو رائج ہے۔ اس لئے ضرورت محسوس کی گئی کہ اس علمی خزانے کو اردو داں طبقے تک جو کافی بڑی تعداد میں موجود ہے پہنچایا جائے۔

حضرت علامہؒ کی حین حیات میں ہی اردو ترجمہ کا کام شروع کردیا گیا۔ ابتداء مولانا الحاج منیر الدین صاحب شیخ الادب جامعہ نظامیہ وخطیب مکہ مسجد نے اس کی ابتداء فرمائی۔ مولانا کی عمر کا ابتدائی حصہ مکہ مکرمہ میں گزرا اس لئے آپ عربی ادب کے محاورات پر کافی عبور رکھتے تھے۔ جامعہ متذکرہ میں آپ نے شعبہ حدیث میں بھی خدمت انجام دی تھی۔ کئی برس گزر گئے، توفیق الہی سے حضرت ممدوحؒ کے ایک ارادت مند محمد تاج الدین شوکت صدیقی صاحب کی بار بار توجہ دہانی اور کاوش سے بڑی مسرت کی بات ہے کہ ترجمہ کا کام آگے بڑھنے کی صورت نکلی۔ جامعہ نظامیہ کے شیخ الحدیث مولانا محمد خواجہ شریف صاحب مدظلہ اور دیگر علماء کرام نے ترجمہ کی ذمہ داری سنبھالی۔

ایک ترجمہ کمیٹی تشکیل دی گئی۔

(1) مولانا حافظ محمد عبداللہ قریشی صاحب نائب شیخ الجامعہ، جامعہ نظامیہ

(2) مولانا محمد خواجہ شریف صاحب شیخ الحدیث، جامعہ نظامیہ

(3) ڈاکٹر حافظ سید جہانگیر صاحب نائب شیخ الادب، جامعہ نظامیہ

(4) حافظ سید ضیاء الدین صاحب استاذ جامعہ نظامیہ

اور اس کمیٹی کی معاونت محمد فاروق حسین کامل الحدیث، محمد قاسم صدیقی تسخیر، محمد لطیف

احمد، غلام محمد اشرفی طلباء جامعہ نظامیہ نے نہایت حسن خوبی سے انجام دی۔
اللہ ان کی کاوشوں کو شرف قبولیت بخشے اور دارین میں جزائے خیر واجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

حضرت علامہؒ نے خود بنفس نفیس ابتداء میں ترجمہ کے کام کی نگرانی فرمائی تھی اور اردو ترجمہ کا نام "نورالمصابیح" بھی حضرت کا ہی مجوزہ ہے

اردو ترجمہ کی نویں جلد آج آپ کے ہاتھ میں ہے۔ الحمدللہ اس کے ترجمہ میں مولانا محترم نے اس بات کا بطور خاص اہتمام کیا ہے کہ متن کا سلیس وبامحاورہ ترجمہ کیا جائے اصل کتاب کے حاشیہ کا ترجمہ حاشیہ میں کیا جائے۔ حدیثی، فقہی وفنی اصطلاحات کی تشریح صاحب ترجمہ نے اپنے طور پر جو کی ہے وہ متن اور حاشیہ میں قوسین کے درمیان دیکھی جاسکتی ہے۔ ترجمہ میں اس بات کا بطور خاص خیال رکھا گیا ہے۔

عربی متن کا ترجمہ بامحاورہ ہو اور عربی کے مکمل وصحیح مفہوم کو اردو میں احاطہ کیا جائے۔ اور ایک بات قابل توجہ یہ ہے کہ جہاں حضرت شیخ الحدیث نے ترجمہ کا اتنا اہتمام فرمایا ہے وہیں اس کتاب کے ساتھ عجیب وغریب حالات بھی وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ اردو ترجمہ جلد اول جو حیدرآباد دکن سے شائع ہوا تھا اسی ترجمہ کو پاکستان کے کسی ناشر نے شائع کیا ہے۔ اور جس میں ایک خاص مسلک کے مشہور علماء کے کثیر حوالہ جات نظر آتے ہیں کہ اس کی وجہ سے ترجمہ تو ترجمہ قاری کے ذہن میں اصل تالیف ہی پس منظر میں چلی جاتی ہے۔

ہماری خواہش ہے کہ غیر ضروری اضافہ اور خاص مقصد کے تحت اضافہ کا رجحان علمی دیانت داری کے مغائر نہ کیا جائے۔ دراصل مترجم کا کام اور عین فرض صرف اصل مواد کو دوسری زبان میں اس کی مکمل لطافت وعظمت اور مفہوم کے ساتھ منتقل کرنا ہوتا ہے۔ جو بڑی دینی وعلمی ذمہ داری ہے۔

متذکرہ بالا علماء کرام نے ترجمہ اور اس کی اشاعت میں جو غیر معمولی انہماک سے کام لیا ہے اور ان تمام مخلصین نے جو اس مبارک ومسعود کام میں اپنا حصہ ادا کیا وہ سب کا سب اللہ

اور اس کے رسول پاک کی خوشنودی کی طلب اور مؤلف علامؒ کی عقیدت ومحبت کے سبب ہے۔

جوئے از محبان آں حضرت است

زما ہر نمط لائق مدحت است

رب العالمین کی بارگاہ میں شکر ادا کرتے ہوئے دعا ہے کہ اللہ اس کام کو قبول فرمائے اور اس کو ہم سبھی کے لئے زادآخرت بنائے۔آمین

المرقوم:۔9 ربیع الثانی 1421ھ م

20/7/2000

حسینی علم،حیدرآباد دکن (ہند)

شرح دستخط

<u>ابوالخیرات</u>

(حضرت تقدس مآب ابوالخیرات سید انوار اللہ شاہ نقشبندی،مجددی وقادری مدظلہ العالی)

جانشین محدث دکن علیہ الرحمۃ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرضِ مترجم

الحمدللہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین و علی الہ الطیبین الطاھرین واصحابہ الاکرمین الافضلین و من تبعھم باحسان الی یوم الدین اجمعین.

اما بعد

الحمدللہ فخر العلماء، والمحدثین ابوالحسنات محدث دکن حضرت مولانا سید عبداللہ شاہ نقشبندی مجددی، قادری رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف منیف زجاجۃ المصابیح کی جلد دوم ''کتاب العتق '' سے متن اور حاشیہ کا ترجمہ شروع کیا گیا اور بفضلہٖ تعالیٰ جلد سوم ''باب مالا یدعی علی المحدود '' تک بتمامہ ترجمہ مکمل ہوا اور ان شاءاللہ آئندہ مابقی جلدوں کا ترجمہ بھی کیا جائے گا۔

اس ترجمہ کے لئے ابوالخیرات حضرت مولانا سید انوار اللہ شاہ صاحب نقشبندی مدظلہ ودامت فیوضہ نے حکم فرمایا تھا اور اس کے لئے حسب ذیل علماء پر مشتمل کمیٹی قائم فرمائی۔

1۔ حضرت مولانا محمد عبداللہ قریشی ازہری

خطیب مکہ مسجد وشیخ الادب ونائب شیخ الجامعہ جامعہ نظامعہ

2۔ محمد خواجہ شریف شیخ الحدیث وناظم مرکزِ تحقیقات اسلامیہ جامعہ نظامیہ

3۔ ڈاکٹر مولانا سید جہانگیر صاحب نائب شیخ الادب جامعہ نظامیہ

4۔ مولانا سید ضیاء الدین صاحب استاذ جامعہ نظامیہ

کتاب زجاجۃ المصابیح دراصل مشکوۃ المصابیح کے نہج پر مذہب حنفی کے مستند تمام احادیث اور اس سے متعلقہ حدیثی وفقہی مباحث پر مشتمل جامع کتاب ہے، معانی ومفاہیم کا

بحر زخار ہے۔ حضرت محدث دکن علیہ الرحمہ نے کتاب کے حواشی میں سند و متن کے مباحث، متابعات، شواہد اور بیانِ مذاہب کے ساتھ مذہبِ حنفی کے وجوہ ترجیح، اس کی اصولی بحثیں اور دلائل عقلیہ ونقلیہ حدیث وفقہ کا (60) سے زائد مصادر و مراجع ذکر کئے ہیں۔

اور ایک ایک حاشیہ میں متعدد کتب سے منتخب عبارتیں مسلسل لائی ہیں، ان کی تراکیب اور اس میں ضمائر کے مراجع کا تعین پھر ان تمام کتب کی طرف مراجعت دقت طلب اور وقت طلب کام تھا جو کسی بھی مترجم کے لئے متعدد وجوہ سے نہایت پیچیدہ اور دشوار ہے۔

الحمد للہ اللہ بزرگ و برتر کی توفیق ہر وقت شامل حال رہی۔ پیچیدہ اور معقد مقامات حل ہوتے گئے۔ ترجمہ میں جن امور کو پیش نظر رکھا گیا ہے ان میں سے یہ ہیں۔

1۔ ترجمہ سلیس اور سب کے لئے قابل فہم ہو۔

2۔ اس بات کا بھی خیال رکھا گیا ہے کہ عربی کا کوئی لفظ ترجمہ میں چھوٹنے نہ پائے اور علمی اصطلاحات کا ترجمہ قریب الفہم اور بامحاورہ ہو۔ البتہ جن مقامات میں مصادر کا ذکر شروع میں تھا مثلاً روی النسائی تو ترجمہ میں اس کو بطور مصدر آخر میں ذکر کیا گیا ہے۔

3۔ ایک مقام پر متعدد ضمائر جمع ہو جائیں تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ضمیر کا ترجمہ ''آپ ﷺ'' اور صحابی، تابعی یا کسی دوسروں کی طرف راجع ضمائر کا ترجمہ ''انہوں نے، اس نے'' سے کیا گیا ہے۔

4۔ بعض ایسے عربی الفاظ واصطلاحات جن کا لفظی ترجمہ صحیح مفہوم ظاہر نہ کرسکتا ہو بلکہ غلط فہمی پیدا ہوسکتی ہے۔ مثلاً ''لیس بصحیح'' (یہ حدیث صحیح نہیں ہے) کوئی عام قاری صحیح کو غلط کے مقابل میں نہ سمجھے۔ اسی طرح حدیث ضعیف سے کوئی فی نفسہ حدیث کو ضعیف نہ سمجھ بیٹھے۔ شروطِ صحت ارتداد سے یہ نہ سمجھے کہ ارتداد بھی صحیح ہوسکتا ہے۔ اس لئے ایسے تمام مقامات میں اس کی تعبیر اس طرح کی گئی ہے کہ ''یہ حدیث مرتبہ صحت میں نہیں ہے''۔ ''یہ حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہے'' ''ثبوتِ ارتداد کے یہ شروط ہیں''۔

ایسے تمام مقامات میں اس کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ یہ اپنے پورے صحیح مفہوم کو ظاہر کرنے

کے ساتھ کسی ہونے والی غلط فہمی کو بھی دور کرے۔

اس کے باوجود اگر ترجمہ میں کوئی نقص یا مفہوم میں کہیں کوئی تعقید آ گئی ہے تو مخلصین سے درخواست ہے کہ اس کو مترجم کے قصور پر محمول کریں اور اگر اس کی اطلاع دی جائے تو آئندہ کے لئے تصحیح کر لی جائے گی۔

اس کام میں مولانا سید ضیاء الدین نقشبندی استاد جامعہ، مولوی محمد فارق حسین کامل الحدیث، مولوی محمد قاسم صدیقی، مولوی محمد لطیف احمد، مولوی غلام محمد اشرفی طلبہ کامل حدیث نے شبانہ روز تعاون کیا۔ نیز مولانا سید غوث محی الدین حسینی قصر الحق نے فہرستوں وغیرہ کی ترتیب اور ان کے صاحبزادے مولوی سید عبدالقادر حسینی سلمان نے مختصر وقت میں کمپیوٹر کی کتابت میں غیر معمولی تعاون کیا۔

اللہ تعالی ان طلبہ کو اور ان اصحاب کو جو اس میں کسی بھی قسم سے حصہ لئے ہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کام کو ہم سب کے میزانِ حسنات میں شامل کرے اور ذخیرہ آخرت بنائے۔

آمین

صلی اللہ تعالی وسلم علی خیر خلقه و اله

وصحبه اجمعین والحمدلله رب العالمین.

محمد خواجہ شریف

شیخ الحدیث وناظمِ مرکز تحقیقاتِ اسلامیہ

جامعہ نظامیہ

نورالمصابیح	زجاجۃ المصابیح	مضمون	حدیث نمبر
		کتاب العتق (آزاد کرنے کا بیان)	
		تم اس گھاٹی سے ہو کر نہیں گزرے	آیت
		جو آدمی کسی مسلمان غلام کو آزاد کرے	۱
		جہنم سے فدیہ یعنی چھٹکارے کا ذریعہ	۲
		قاتل کی طرف سے غلام آزاد کرنے بیان	۳
		جنت میں داخلہ کے اعمال	۴
		کونسا غلام آزاد کرنا افضل ہے	
		افضل صدقہ	۶
		مشترک غلام آزاد کرنے کا بیان	
		مشترک غلام، رشتہ دار غلام کو خریدنے اور بیماری میں اپنا غلام آزاد کرنے کا بیان	
		مکاتب بناؤ اگر ان میں بھلائی کو جانو	آیت
		پس تم انہیں مکاتب بناؤ	
		عبدالرحمنؓ جب بالغ ہو جائیں	۷
		ایضا (حاشیہ)	
		جو شخص اپنے غلام کے ایک حصہ جو آزاد کرے	۸
		پھر اس سے محنت کروائی جائے گی	
		غلام کو اپنے انتقال کے قریب آزاد کرنا	۹

	غلام کا اپنے باقی حصے کے لئے محنت کرنا		
۱۰	جو شخص کسی نسبی محرم کا مالک ہوگا		
	ایضا (حاشیہ)		
۱۱	لڑکا اپنے والد کا بدلہ نہیں دے سکتا		
	اس کو خرید کر آزاد کر دے		
۱۲	مدبر غلام فروخت نہیں کیا جا سکتا		
	ایضا (حاشیہ)		
۱۳	جب کسی باندی کو اس کے آقا سے اولاد ہو جائے		
	ایضا (حاشیہ)		
۱۴	ان کے بیٹے نے ان کو آزاد کر دیا		
۱۵	امہات الاولاد		
	ہم کو ان کے بیچنے سے منع فرمادیا		
۱۶	وہ بیچے نہ جائیں		
۱۷	غلام کا مال آزاد کرنے والے کا ہے		
	ایضا (حاشیہ)		
۱۸	جو کوئی آدمی غلام کو خریدے		
	اسے کچھ نہیں ملے گا		
۱۹	میں ام سلمہؓ کا غلام تھا		
	دیات کا بیان		
	لوگوں کا خون بہا دیا جائے		
۱۱۵	چھوٹی انگلی اور انگوٹھا		

۱۱۶	انگلیاں برابر ہیں اور دیانت برابر ہیں		
۱۱۷	ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کو برابر قرار دیا		
۱۱۸	بچہ کی دیت جو مر کر گر پڑا		
	ایضا (حاشیہ)		
۱۱۹	مقتول کے وارثوں کے درمیان میراث		
۱۲۰	ایک نے دوسرے کو خیمہ کی چوب سے مارا		
۱۲۱	جنین کے بارے میں		
۱۲۲	ہذیل کی دو عورتیں لڑ پڑیں		
۱۲۳	اپنی سوکن کو جو حاملہ تھی خیمہ کو چوب سے مارا		
۱۲۴	لکڑی یا پتھر سے پھینک مارنا		
۱۲۵	غرہ پچاس دینار		
۱۲۶	ایضا		
۱۲۷	عاقلہ (پدری رشتہ دار) پر (دیت کی ادائی کے لئے) ایک سال		
۱۲۸	شبہ عمد میں		
	شبہ عمد میں 25 حصہ		
۱۲۹	شبہ عمد کا بدلہ		
۱۳۰	اہل یمن کے پاس ایک فرمان		
	جان کی دیت 100 اونٹ		
	اور جس کے پاس سونا ہے ایک ہزار دینار		
	ناک کی دیت جب مکمل طور پر کاٹی جائے		

	دیتوں کی دیت		
	ہونٹوں کی دیت		
	ایک پیر میں نصف دیت		
	دماغ تک پہنچنے والا زخم		
	دانت میں دیت		
	آنکھ میں دیت		
۱۳۱	ایک آنکھ کی دیت پچاس اونٹ		
۱۳۲	ایسے زخم کے دیت جس میں ہڈی ظاہر ہو جائے		
۱۳۳	چار دیتوں کا فیصلہ		
	ایضا (حاشیہ)		
۱۳۴	قبیلہ......عامر کے دو آدمیوں کی دیت		
	ایضا (حاشیہ)		
۱۳۵	وہ آدمی جس سے عہد ہے		
۱۳۶	معاہد		
۱۳۷	قتل خطاء		
	ایضا (حاشیہ)		
۱۳۸	سونا رکھنے والوں پر دیت		
	ایضا (حاشیہ)		
	چاندی رکھنے والوں پر دیت		
۱۳۹	طبیب ناتجربہ کار		
	معالج دیت کا ضامن		

	ان جرائم کا بیان جن کا تاوان نہیں		
۱۴۰	چوپائے کے زخمی کر دینے کا تاوان نہیں		
	ایضا (حاشیہ)		
	کنویں میں گرنے کا تاوان نہیں		
۱۴۱	ایک نے دوسرے کا ہاتھ کتر دیا		
	دانت کا تاوان		
۱۴۲	تم اس کو اپنا مال لینے نہ دو		
۱۴۳	اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے تو شہید		
۱۴۴	وہ بھی شہید		
	ایضا (حاشیہ)		
۱۴۵	اس کی آنکھ پھوڑ دو تو تم پر گناہ نہیں		
	ایضا (حاشیہ)		
	تسمہ دو انگلیوں کے درمیان رکھ کر کاٹنے سے منع فرمایا		
۱۴۶	دروازے کے سوراخ سے جھانکا		
۱۴۷	جس نے اجازت لینے سے پہلے جھانکا		
۱۴۸	پتھر پھینک کر مارنے سے منع کیا		
۱۴۹	اس کے پاس تیر ہو		
۱۵۰	ہتھیار سے اشارہ نہ کرنا		
۱۵۱	کسی لوہے کی چیز سے اشارہ		
۱۵۲	جس نے ہم پر تلوار اٹھائی		

۱۵۳	جو ہم پر تلوار سونپ لے			
۱۵۴	جہنم کے سات دروازے			
۱۵۵	بے نیام تلوار لینے اور دینے سے منع فرمایا			
۱۵۶	دو انگلیوں کے درمیان تسمہ کاٹنے سے			
	ایضا (حاشیہ)			
۱۵۷	جنہیں دھوپ میں کھڑا کیا گیا تھا			
۱۵۸	قریب ہے تم ایسی قوم دیکھو گے			
۱۵۹	دوزخیوں کی دو قسمیں			
۱۶۰	چہرے پر مارنے سے بچے			
	قسامت کا بیان			
۱۶۱	لاش وادعہ کے قریب تھی			
	قسامہ			
	تم میں سے پچاس آدمی اللہ کی قسم کھائیے			
۱۶۲	قسامت میں مدعیٰ علیہم کی قسمیں			
۱۶۳	صحابہ کا اجماع			
۱۶۴	قسامت میں مدعیٰ علیہ پر قسم			
۱۶۵	ساتھی خون میں لت پت ہوئے			
	مرتدین اور فساد کے لئے کوشاں رہنے والوں کا بیان			
	کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد			
	مرتدین اور فساد میں کوشاں رہنے والوں کا بیان			

آیت	اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ کردے		
آیت	تم اپنے گھروں میں تین دن تک فائدہ اٹھالو		
آیت	جولوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں		
۱۶۶	حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس چند بے دین آئے (مرتد)		
	من بدل دینہ		
۱۶۷	مغربہ۔ اسلام لانے کے بعد کافر ہوگیا		
۱۶۸	جوکوئی آدمی اسلام سے برگشتہ ہوجائے		
۱۶۹	مثلہ کرنے سے منع فرماتے		
۱۷۰	اونٹوں کو ہانک کرلے گئے		
	پیشاب اور دودھ پیئے		
	وہی معاملہ کیا جوانہوں نے چرواہوں کے ساتھ کیا تھا		
۱۷۱	عذاب قبر		
۱۷۲	سرخ رنگ کا پرندہ		
	بچے واپس کردو		
	آگ سے عذاب دینا		
۱۷۳	آگ سے سزا صرف اللہ ہی دیتا ہے		
۱۷۴	ان کو قتل کردو		
	ایضا (حاشیہ)		
۱۷۵	امت میں اختلاف اور تفرقہ		

۱۷۶	خوارج		
۱۷۷	بدترین مقتول		
۱۷۸	امت کے درمیان		
	اس کی گردن مارو		
۱۷۹	مارقہ		
۱۸۰	میرے بعد کافروں کی طرح نہ ہوجائے		
۱۸۱	اپنے دوسرے بھائی پرہتھیار اٹھائے		
۱۸۲	قاتل ومقتول دونوں دوزخ میں		
	حریصا علی قتل صاحبہ		
۱۸۳	جائز نہیں کہ دوسرے مسلمان کوخوف زدہ کرے		
۱۸۴	(لاعلمی کی وجہ سے) راستہ روکا		
	فقطع علیهم		
	من قتل واخذ المال		
۱۸۵	راستہ کوخوفناک بنائے		
	ایضا (حاشیہ)		
	چارسزائیں اختیار		
۱۸۶	سواد کی زمین		
	میں نے زمین خریدی		
۱۸۷	قبیلہ خثعم		
	دونوں کی آگ ایک دوسرے کودکھائی نہ دے		
۱۸۸	غفلت سے قتل کردینے کوروکتا ہے		

	کامل مومن دھوکے سے قتل نہیں کرتے		
۱۸۹	جب غلام شرک کی طرف بھاگے		
	ایضا (حاشیہ)		
۱۹۰	اس کا خون باطل قرار دیا (گستاخ یہودی عورت)		
	ایضا (حاشیہ)		
۱۹۱	جادوگری کی سزا تلوار سے ماردینا		
	ایضا (حاشیہ)		
	مقررہ سزاؤں کا بیان		
	حدود		
آیت	زانیہ اور زانی پس تم ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو		
	ایضا (حاشیہ)		
آیت	جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے اس بستی کے اوپر پتھر برسائے		
آیت	اور جو لوگ تہمت لگاتے ہیں پاکدامن عورتوں پر		
۱۹۲	تم اللہ کے مقررہ کردہ حدود کو رشتہ دار ہو یا اجنبی سب پر جاری کرو		
۱۹۳	حد جاری کرنا...... چالیس راتوں کی بارش سے بہتر		
۱۹۴	جب میری براءت نازل ہوئی		
۱۹۵	تہمت کی حد		
	انہ زنی بامراۃ		

	ایضا (حاشیہ)		
۱۹۶	شراب نوشی کی سزا...... بدر		
۱۹۷	اپاہج و بیمار...... جس میں سو چھڑیاں ہوں اس سے ایک مرتبہ مارو		
۱۹۸	اس پر حد مقرر کر دیجئے		
	کم بخت خیر کے مقام سے پیچھے رہنے والا		
	قد زنا فاقم علیہ الحد		
	ان کو رجم کر دو		
	تم کیوں ان کا راستہ چھوڑ نہیں دیئے		
	یقیناً ایسی توبہ کی		
۱۹۹	تین مرتبہ اعتراف		
	وہ...... کرو جو اپنے اموات کے ساتھ...... کرتے ہو		
۲۰۰	اگر چوتھی مرتبہ اعتراف کرو		
	ان کو لوٹا دیا وہ پھر آئے		
۲۰۱	تجھے کیا معلوم زنا کیا ہے		
۲۰۲	یا اس کو دیکھا ہوگا		
۲۰۳	چار مرتبہ اقرار		
	رجوع کرنے کے لئے تلقین		
	چار مرتبہ...... چار مجلس		
	کیا تجھ کو جنون ہے		
	اس کو کوڑے نہیں لگائے جائیں گے		

		حرب	
		پیچھا نہیں کیا جائے گا	
		کھلی زمین میں لے جائیں گے	
		یارسول اللہ ﷺ مجھے پاک کیجئے	۲۰۴
		کچھ دور گئے	
		ثم جاء	
		اس کا دودھ میں چھڑا دی ہوں	
		ماعز بن مالکؓ یتیم تھے۔ میرے والد کے زیر پرورش تھے	۲۰۵
		ان کے لئے سینہ تک گڑھا کھودا گیا	
		تم کپڑے سے اسے چھپا دیتے تو بہتر تھا	۲۰۶
		ایضا (حاشیہ)	
		وہ غائب ہونے کے بعد پھر لوٹ کر آئے	
		پتھر مارو اور چہرے کو بچاؤ	۲۰۷
		سنگساری کا آغاز گواہ کرے	
		اگر اقرار کے ذریعہ اس کا ثبوت ہوگا	۲۰۸
		حد کے گناہ کا ارتکاب	۲۰۹
		ثم صلی علی	
		آپ ﷺ پر کتاب نازل فرمائی...... اس میں رجم کی آیت بھی ہے	۲۱۰
		شادی شدہ مرد اور عورت	
		ازقامت......... (اعتراف کرلیا)	

۲۱۱	ماعز (رضی اللہ تعالی عنہ) ۔رجم ...... کوڑے کا ذکر نہیں		
۲۱۲	پھر اطلاع ملی کہ وہ شادی شدہ ہیں ...... اس کو رجم کیا گیا		
	کیا رجم سے پہلے کوڑے		
۲۱۳	ادرو الحدود (حدود کو دفع کرو)		
	ایضا (حاشیہ)		
۲۱۴	جو شرک کرے تو محصن نہیں قرار پاتا		
۲۱۵	شریک ٹھہرانے سے محصن نہیں		
۲۱۶	یہودی عورت سے شادی ...... مت کرو		
۲۱۷	حدود، زکوۃ، فی، جمعہ		
	ایضا (حاشیہ)		
۲۱۸	جو بات مجھ تک پہنچے		
	واجب		
۲۱۹	حدود کی چشم پوشی کرو		
	ایضا (حاشیہ)		
۲۲۰	اصحاب مروت کی لغزش		
	ایضا (حاشیہ)		
۲۲۱	عورت سے حد دفع کرو		
	مالم یذدر		
۲۲۲	غلام اگر کسی عورت کو غصب کرلے		
۲۲۳	عورت نے چیخ ماری		
۲۲۴	خمس میں حاصل ہونے والی باندی		

۲۲۵	جس قوم میں زنا کاری پھیل جاتی ہے		
۲۲۶	دونوں کوقتل کردو		
	ایضا (حاشیہ)		
۲۲۷	ان کے اوپر دیوار گرادی گئی		
۲۲۸	ملعون ہے جوقوم لوط کا عمل کرے		
۲۲۹	سب سے زیادہ خوف کی چیز		
۲۳۰	اللہ کی رحمت کی نظر نہیں کرتا		
۲۳۱	اس کے ساتھ جانور کو بھی قتل کردو		
	من اتی بھیمة		
	ایضا (حاشیہ)		
۲۳۲	اس پر حد نہیں		
	چوروں کے ہاتھ کاٹنے کا بیان		
	چوری کرنے والے مرداور عورت		
	کشاف میں ہے		
۲۳۳	ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا مگر دس درہم میں		
	ایضا (حاشیہ)		
۲۳۴	ایک دینار یا دس درہم		
۲۳۵	دس درہم میں ہاتھ کاٹا جاتا		
۲۳۶	قیمت کا اندازہ.........8 درہم		
۲۳۷	ڈھال کی چوری		
۲۳۸	ڈھال کی قیمت دس درہم		

۲۳۹	ایضاً		
۲۴۰	پھل اور کثر میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا		
	ایضا (حاشیہ)		
۲۴۱	پکے ہوئے کھانے		
۲۴۲	لوٹنے اور چھین لینے والا		
	خائن خائنہ		
۲۴۳	جو کھلے بندوں ڈاکہ ڈالے		
۲۴۴	قریب ہو یا دور اللہ کے راہ میں جہاد کرو		
	حدود قائم کرو		
۲۴۵	اس کو اس طرح نہ کردو کہ اس کا کوئی ہاتھ نہ ہو		
	سیدھا ہاتھ کاٹو		
۲۴۶	ہاتھ پیر کٹا ہوا آدمی ...... نے پھر چوری کی تھی		
	اگر یہ روایت درجہ صحت میں ہے		
۲۴۷	میں نہیں سمجھتا کہ اس نے چوری کی		
	ہاتھ کاٹو اور داغ دو		
۲۴۸	ہاتھ............گردن میں لٹکا دیا گیا		
	فواہ فعلقت		
۲۴۹	تم اس کو اگرچہ آدھی قیمت میں ہو فروخت کردو		
	ایضا (حاشیہ)		
۲۵۰	عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا غلام		
	انہوں نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا		

۲۵۱	اس نے میری بیوی کا آئینہ چرایا		
	قطع کی سزا نہیں		
۲۵۲	ہم نہیں سمجھتے تھے کہ............ ایسا حکم فرمائیں گے		
۲۵۳	کفن چور............ ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں		
	ایضا (حاشیہ)		
	حدود میں سفارش کرنے کا بیان		
آیت	ان دونوں کے عمل کی سزا ہے		
	ایضا (حاشیہ)		
۲۵۴	مخزومیہ خاتون کا معاملہ		
	کیا تم اللہ کے حد میں سفارش کرتے ہو		
	عاریتاً ساز وسامان لیتی اور پھر انکار کردیتی		
۲۵۵	حدود میں...... کسی کی سفارش حائل ہو جائے		
۲۵۶	میں نہیں سمجھتا کہ اس نے چوری کی ہے		
	جن صاحب نے چوری کی تھی		
۲۵۷	جب چور پر حد جاری کی جائے		
	ایضا (حاشیہ)		
۲۵۸	حد جاری کرنے کے بعد چوری کا ضمان نہیں		
۲۵۹	جب چور پر حد جاری کی جائے تو اس پر تاوان نہیں		
	شراب کی حد		
۲۶۰	عمر بن خطابؓ نے مشورہ کیا		
	ایضا (حاشیہ)		

۲۶۱	دو ٹہنیوں سے تقریباً چالیس مار مارے		
۲۶۲	دو چپلوں سے چالیس مار		
۲۶۳	ایک آدمی بھتیجے کو لایا جو نشہ میں تھا		
	ایضا (حاشیہ)		
۲۶۴	جو شخص شراب پیئے اس کو کوڑے مارو		
	زجر و توبیخ کرو		
۲۶۵	شراب پی کر مدہوش ہوگیا		
	اس کے بارے میں کسی قسم کا حکم نہیں فرمایا		
۲۶۶	جو آدمی حد یا قصاص میں انتقال کر جائے تو اس کی دیت نہیں		
	ایضا (حاشیہ)		
	ان جرائم کا بیان جن کا تاوان نہیں		
۲۶۷	تم لعنت مت کرو		
۲۶۸	پھر پانچویں مرتبہ آئے		
۲۶۹	میں نہیں جانتا حدود اہل حدود کے لئے کفارہ ہیں یا نہیں		
	ایضا (حاشیہ)		
۲۷۱	اسر نقفار		

(14) کتاب العتق

آزاد کرنے کا بیان

اللہ بزرگ و برتر کا ارشاد ہے۔

فَلا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ٥ وَ مَآ اَدْرٰکَ مَا الْعَقَبَةُ ٥ فَکُّ رَقَبَةٍ ٥ اَوْ اِطْعَامٌ فِی یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ ٥ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ٥ اَوْ مِسْکِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ٥ (90 البلد 16-11)

تم اس گھاٹی سے ہو کر نہیں گزرے اور تم کو کیا معلوم گھاٹی کیا ہے؟ 1ے

کسی گردن کو چھڑانا یا بھوک کے دن رشتہ دار یتیم کو یا خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا۔

جو آدمی کسی مسلمان غلام کو آزاد کرے

1/4431۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی کسی مسلمان غلام کو آزاد کرے گا 2ے تو اللہ تعالی اس کے ہر عضو کے بدلہ اس کے اس عضو کو دوزخ کی آگ سے آزاد کرے گا

1ے (قولہ وما ادراک ما العقبة فک رقبة (تم کو کیا معلوم گھاٹی کیا ہے۔ گردن چھڑانا (غلامی، قید و بند سے آزاد کرنا)۔ شریعت نے اس آیت کریمہ کے ذریعہ غلام کو آزاد کرنے کی ترغیب دی ہے۔ مبسوط)

2ے (قولہ من اعتق رقبۃ مسلمۃ (جو آدمی کسی مسلمان غلام کو آزاد کرے گا) الخ۔ اس حدیث شریف سے یہ ظاہر ہے کہ مسلمان کو آزاد کرنا کافر کو آزاد کرنے سے افضل ہے اور

تو اللہ تعالی اس کے ہر عضو کے بدلہ اس کے اس عضو کو دوزخ کی آگ سے آزاد کرے گا 3 یہاں تک کہ اس کی شرمگاہ کو اس کی شرمگاہ کے بدلے۔ (بخاری، مسلم)

فدیہ جہنم سے چھٹکارے کا ذریعہ ہے

2/4432۔ سیدنا عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو کوئی آدمی مسجد بنائے تاکہ اس میں اللہ کا ذکر ہو تو اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنایا جائے گا اور جو شخص کسی مسلمان (غلام) کو آزاد کرے گا تو اس کے لئے وہ جہنم سے فدیہ یعنی چھٹکارے کا ذریعہ ہے اور کوئی آدمی اللہ کے راستے میں (جدوجہد کرتے ہوئے) بوڑھا ہو جائے گا تو یہ (اس راہ میں بوڑھا ہو جانا) اس کے لئے قیامت کے دن نور ہے۔ (کتاب المصابیح کے مؤلف نے اپنی دوسری تالیف شرح السنۃ میں اس حدیث کی روایت کی ہے)

سارے علماء کا یہی قول ہے یعنی اس میں اختلاف نہیں ہے کہ کافر غلام کو آزاد کرنے والے کو بھی غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا۔ لیکن اس کا ثواب مسلمان غلام کو آزاد کرنے کی طرح نہیں ہے۔ مسلمان ہونے کی قید اس لئے لگائی گئی تاکہ اس کو زیادہ سے زیادہ ثواب ملے۔ (عمدۃ القاری، نیل الاوطار، مرقات)

3 (قولہ اعتق اللہ بکل عضو منہ عضواً منہ من النار حتی فرجہ بفرجہ (اللہ تعالی اس کے ہر عضو کے بدلے اس کے اس عضو کو دوزخ کی آگ سے آزاد کرے گا یہاں تک کہ اس کی شرمگاہ کو اس کی شرمگاہ کے بدلے) ہدایہ میں ہے کہ غلام کو آزاد کرنا مستحب ہے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو کوئی مسلمان کسی مسلمان غلام کو آزاد کرے گا تو اللہ تعالی اس کے ہر حصہ کے بدلے اس کا وہ حصہ دوزخ سے آزاد کرے گا۔ اسی لئے فقہاء نے مستحب قرار دیا ہے کہ مرد، غلام کو آزاد کرے اور عورت، باندی کو، تاکہ اس کے اعضاء کا اس کے اعضاء سے تقابل ہو سکے۔

تم اس کی طرف سے غلام آزاد کرو

3/4433۔ سیدنا غریف بن دیلمیؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس پہنچے اور ان سے عرض کیا کہ آپ ہم کو کوئی حدیث شریف اس طرح بیان فرمائیں کہ اس میں نہ تو کوئی زیادتی ہو نہ کسی قسم کی کمی۔ یہ سن کر وہ غصہ میں آ گئے اور فرمایا کہ تم میں سے کوئی تلاوت کرتا ہے اور مصحف شریف اس کے گھر میں لٹکا ہوا ہوتا ہے اس کے باوجود اس میں کمی و زیادتی کر جاتا ہے۔ ہم نے عرض کیا: ہمارا ارادہ تو صرف ایسی حدیث سننا ہے جس کو آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہو تو انہوں نے فرمایا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے اس ساتھی کے تعلق سے عرض کرنے حاضر ہوئے جس نے .... کر کے دوزخ کو (اپنے آپ پر) واجب کر لیا تھا۔ 4 (یہ سن کر) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم اس کی طرف سے (غلام) آزاد کرو اللہ تعالی اس (غلام) کے ہر عضو کے بدلے اس (قاتل) کا ویسا ہی عضو (دوزخ کی) آگ سے آزاد کر دے گا۔ (ابو داؤد، نسائی)

---

4 (قولہ "اَوْجَبَ" الخ یعنی اس نے قتل عمد کر کے ایسا جرم کیا تھا جس کی وجہ سے دوزخ میں جانے کا مستحق ہو گیا۔ چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے" ومن یقتل مؤمنا متعمداً فجزاؤه جهنم "جو کوئی شخص کسی مسلمان کو عمداً قتل کرے گا تو اس کی جزا جہنم ہے (4 النساء 93) اور یہاں یہ جو حکم لگا دیا گیا ہے (غلام آزاد کرنے کا)، وہ قتل کی جو شرعی حد (قصاص یا دیت) ہے اس کو نافذ کئے جانے کے بعد ہے ورنہ غلام کا آزاد کرنا مقتول کے ولی کے حق کے لئے کیسے کافی ہو سکتا ہے؟ یا پھر اس واقعہ کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ قاتل نے اپنے آپ کو قتل کیا تھا (یعنی خودکشی کر لی تھی)۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حدود ہمارے پاس جنایت کے کفارہ کے لئے کافی نہیں ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو اس کے بعد غلام کو آزاد کرنے کی حاجت نہ رہتی۔ (بذل المجهود شرح سنن ابی داؤد)

ایسا عمل سکھایئے جو مجھ کو جنت میں داخل کرے

4/4434۔ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک اعرابی (دیہاتی) حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے ایک ایسا عمل سکھلایئے جو مجھ کو جنت میں داخل کرے! آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے مختصر کلام میں بہت وسیع سوال کیا ہے (یعنی بڑی بات پوچھی ہے) ایک جان کو یعنی غلام کو آزاد کرو اور گردن کو چھڑاؤ۔ سائل نے عرض کیا ''کیا یہ دونوں باتیں ایک نہیں ہیں؟'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ دونوں ایک نہیں ہیں۔ جان کو آزاد کرنا یہ ہے کہ تم ہی اکیلے اس کو آزاد کرو، اور گردن چھڑانا یہ ہے کہ تم اس کی آزادی کی قیمت ادا کرنے میں مدد کرو۔ اور دودھ سے بھری ہوئی بکری یا اونٹنی (دودھ استعمال کرنے کی غرض سے دو) اور ظالم رشتے دار کا بھی پاس ولحاظ کرو (یعنی تعلقات توڑے بغیر اس کو ظلم سے روکو) اور اگر تم کو اس کی طاقت نہیں ہے تو کسی بھوکے کو کھلاؤ، اور پیاسے کو پلاؤ اور نیکی کا حکم دو، برائی سے روکو۔ اگر تم کو اس کی بھی طاقت نہ ہو تو اپنی زبان کو بھلائی کے سوا کسی بھی دوسری بات سے (بدکلامی، غیبت وغیرہ سے) روکو۔ امام بیہقیؒ (شعب الایمان)

درمختار اور ردالمحتار میں اس کا خلاصہ اس طرح ذکر کیا ہے کہ حدود کا نفاذ ہمارے پاس گناہ سے پاک کرنے والا (یعنی کفارہ) نہیں ہے بلکہ اس کو پاک کرنے والی چیز توبہ ہے لیکن جب اس پر شرعی حد لگائی جائے اور وہ توبہ نہ کرے تو اس پر معصیت کا گناہ باقی رہتا ہے۔ اور جمہور علماء کی رائے میں حدود گناہوں کے لئے کفارہ اور پاک کرنے والے ہیں، اور ہمارے موقف کی واضح دلیل کتاب ''النہر'' میں ہے۔

نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کونسا عمل افضل ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ پر ایمان لانا اور اس کے راستے میں جہاد کرنا۔ پھر میں نے

افضل صدقہ

6/4437۔ سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ افضل صدقہ غلام کو آزاد کرنے کی سفارش کرنا ہے۔ (امام بیہقی۔ شعب الایمان)

کونسا عمل افضل ہے اور کونسا غلام آزاد کرنا افضل ہے

5/4435۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے عرض کیا: کونسا غلام (آزاد کرنا) افضل ہے؟ 5 آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو سب سے زیادہ قیمتی ہو اور اپنے مالک کے پاس سب سے زیادہ عزیز ہو۔ پھر میں نے عرض کیا اگر میں یہ بھی نہ کرسکوں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کسی صنعت کار کی مدد کرو یا کسی بے ہنر کے کام آؤ۔ میں نے پھر عرض کیا اگر میں یہ بھی نہ کرسکوں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا لوگوں کو شر سے دور رکھو اور بلاشبہ یہ ایک ایسا صدقہ ہے جس کو تم اپنے لئے کر رہے ہو۔ (بخاری، مسلم)

---

5 (قولہ فای الرقاب افضل الخ (کون سا غلام آزاد کرنا افضل ہے؟) کتاب مبسوط میں ہے کہ ان احادیث شریفہ سے یہ بات ظاہر ہے کہ غلام کو آزاد کرنا نیکی اور مہربانی کرنے کے قبیل سے ہے اور جو غلام اپنے مالک کے پاس زیادہ عزیز ہو اس کو آزاد کرنا افضل ہے۔ حضور علیہ وآلہ الصلاۃ والسلام کے ارشاد "افضلھا اغلاھا" کی بنا پر امام مالک رحمۃ اللہ کا یہ قول ہے کہ جب کافر غلام، مسلمان غلام سے زیادہ قیمتی ہو تو اس کو آزاد کرنا مسلمان غلام کو آزاد کرنے سے زیادہ افضل ہے مگر یہ بات قابل ترجیح نہیں ہے بلکہ اس میں یہ قید ملحوظ ہے کہ وہ قیمتی غلام مسلمانوں میں سے ہو کیونکہ اس سے ایک مسلمان کو آزادی کا موقعہ فراہم کرنا اور اس کو اپنے مقاصد کے حصول کے لئے فارغ کرنا ہے۔ کافر غلام کو آزاد کرنے کو مستحب قرار دینے کی بظاہر وجہ یہ ہے کہ اس سے مسلمانوں کے لئے جزیہ حاصل کرنا ہے۔ اب رہا یہ کہنا کہ کافر غلام کو آزاد کرنے میں اس کو غور وفکر کا موقعہ فراہم کرنا ہے تاکہ وہ مسلمان ہو جائے تو یہ ایک دور کا احتمال ہے۔ (مرقات)

(1/162)باب اعتاق العبد المشترک و شراء القریب والعتق فی المرض

مشترک غلام کو آزاد کرنے، رشتے دار غلام کو خریدنے اور بیماری میں آزاد کرنے کا بیان

اللہ بزرگ و برتر کا ارشاد ہے فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرا (سورۃ نور، آیت:33)

پس تم انہیں (اپنے غلاموں کو) مکاتب 6 بناؤ اگر ان میں بھلائی کو جانو۔ کسی معاہدہ یا معاوضہ کے تحت غلام یا باندی کو آزادی دینا) مکاتب کہلاتا ہے۔

---

6 (قولہ فکاتبوھم (پس تم ان کو مکاتب بناؤ) ہدایہ میں ہے کہ یہ حکم باتفاق فقہاء واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے اور یہی قول صحیح ہے اگر اس کو اباحت پر محمول کیا جائے گا تو اللہ تعالی کا ارشاد ''ان علمتم فیھم خیرا'' کی شرط کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ مکاتب بنانا اس شرط کے بغیر بھی مباح ہے۔ البتہ اس کو مستحب قرار دینے میں شرط کا تعلق قائم رہے گا۔ ''ان علمتم فیھم خیرا'' میں خیر سے مراد کیا ہے؟ اس کے بارے میں جیسا کہ کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کو اس غلام کے آزاد ہونے کے بعد اس سے ضرر نہ پہنچے۔ اور اگر اس سے ضرر پہنچتا ہو، تو بہتر یہ ہے کہ اس کو مکاتب نہ بنائے۔ اس کے باوجود اگر مالک اس کو مکاتب بنائے گا تو مکاتبت درست ہو جائے گی۔

عبدالرحمٰنؒ جب بالغ ہوجائیں

7/4437۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن یزید رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں: ہمارا ایک غلام تھا جو قادسیہ کی جنگ میں شریک ہوا اور خوب دادِ شجاعت پایا۔ وہ غلام میرے اور میری والدہ اور میرے بھائی اسود کے درمیان مشترک تھا۔ ان دونوں نے اس کو آزاد کرنے کا ارادہ کرلیا میں ان دونوں میں چھوٹا تھا، اسودؓ نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ سے اس کا تذکرہ کیا۔ آپؓ نے فرمایا تم اس کو آزاد کردو اور عبدالرحمٰن جب بالغ ہوجائیں 7 اور اس وقت اگر وہ بھی یہی چاہیں جو تم چاہتے ہو تو اس کو آزاد کردیں ورنہ تم دونوں اس کی قیمت کے ضامن رہو گے (یعنی تم سے وہ اپنا حصہ وصول کریں گے)۔ (امام طحاوی نے قوی سند کے ساتھ اس کی روایت کی ہے)۔

---

7 قولہ: فاذابلغ عبدالرحمن (جب عبدالرحمٰن بالغ ہوجائیں) یعنی جب غلام دو افراد کے درمیان مشترک ہو اور ان میں سے ایک اپنا حصہ آزاد کردے تو حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ کامل غلام آزاد ہوجائے گا، اور آزاد کرنے والا اگر مالدار ہے تو اپنے شریک کے حصہ کی قیمت کا ضامن ہوگا اور اگر وہ تنگدست ہے تو غلام سے محنت کروائیگا، یعنی صاحبین کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے لئے صرف دو صورتیں ہیں: اگر وہ مالدار ہے تو شریک کے حصہ کا ضمان دیگا، اور اگر تنگدست ہے تو شریک کے حصہ کی قیمت کے لئے غلام سے محنت کروائیگا۔ غلام کو آزاد کرنے والا پھر اس غلام کو غلامی میں نہیں لاسکے گا۔ اور ولاء آزاد کرنے والے کو ملے گا (ولاء یعنی آزاد شدہ غلام کا متروکہ حسب قاعدہ آزاد کرنے والے کو ملے گا)۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ آزاد کرنے والا اگر مالدار ہے تو اپنے شریک کا ضامن ہوگا، اور آزادی تقسیم نہیں ہوگی، اور اگر وہ تنگدست ہے تو آزادی تقسیم ہوجائے گی۔

امام شافعیؒ غلام سے محنت کرانے کے قائل نہیں بلکہ ان کے پاس آزادی تقسیم ہو جائے گی۔ وہ فرماتے ہیں کہ دوسرا شریک اس غلام سے ایک دن خدمت لے گا اور دوسرے دن اس کو سارے دن کے لئے چھوڑ دے گا۔ یعنی آزاد کرنے والا اگر مالدار ہے تو اس کے بارے میں امام شافعیؒ کا قول صاحبینؒ کے قول کی طرح ہے۔ اگر آزاد کرنے والا تنگدست ہے تو اس صورت میں امام شافعیؒ کے نزدیک آزاد نہ کرنے والے شریک کا حصہ اس کی ملکیت میں باقی رہیگا، جس کو بیچا اور ہبہ کیا جاسکتا ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب مالک اپنے غلام کے بعض حصہ کو آزاد کردے تو اسی قدر آزاد ہوگا اور اپنے آقا کی بقیہ قیمت کی آدائی کے لئے کوشش کرے گا۔ یعنی جب غلام دو شریکوں کے درمیان ہو اور ان میں سے ایک اپنے حصہ کو آزاد کردے تو وہ اسی قدر آزاد ہوگا۔ اگر وہ مالدار ہے تو اس کے شریک کو اختیار ہے، چاہے تو آزاد کردے یا اپنے حصہ کی قیمت اپنے شریک سے حاصل کرے یا چاہے تو غلام سے محنت کروائے۔ اگر وہ ضامن بنائے تو آزاد کرنے والا غلام سے پیسے لے سکتا ہے۔ اور ولاء آزاد کرنے والے کو ملے گا۔ اور اگر یہ دوسرا شریک آزاد کردے یا غلام سے محنت کرائے تو ولاء دونوں کے درمیان رہے گا۔ اور اگر آزاد کرنے والا تنگدست ہے تو دوسرے شریک کو اختیار ہے چاہے تو آزاد کردے یا پھر غلام سے محنت کروائے۔ ولاء ان دونوں صورتوں میں (یعنی شریک کے آزاد کرنے کی صورت میں اور محنت کروانے کی صورت میں) دونوں کے درمیان رہے گا۔

یہ مسئلہ دو اصولوں پر مبنی ہے۔

(1) آزاد کرنا قابل تقسیم ہے یا نہیں۔

(2) آزاد کرنے والے کا مالدار ہونا، امام اعظمؒ کے پاس کرانے کے لئے مانع نہیں مگر صاحبینؒ کے پاس مانع ہے۔

خلاصہ یہ کہ آزاد کیا جانا سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ہر حالت میں قابل تقسیم ہے اور صاحبینؒ کے پاس کسی حالت میں بھی قابل تقسیم نہیں ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بعض احوال میں قابل تقسیم ہے اور بعض حالات میں قابل تقسیم نہیں۔ اور امام قہستانیؒ کا قول فیصلہ کن ہے جو کتاب مضمرات سے نقل کیا گیا ہے اور علامہ قاسمؒ نے ائمہ تصحیح سے اس قول کے صحیح ہونے کو نقل فرمایا ہے۔

فتح القدیر میں اس قول کے معنی ونقلا تائید موجود ہے، اور اسی مفہوم میں شیخین کی حدیث ہے: (ترجمہ) جو کوئی شخص کسی غلام میں اپنے حصہ کو آزاد کردیگا اور اس کے پاس غلام کی قیمت کے بقدر مال موجود ہے تو اس کی ایک متوازن قیمت قائم کی جائے گی، وہ اپنے شرکاء کو انکا حصہ دے گا اور سارا غلام اس کے حق میں آزاد ہوجائے گا ورنہ جس قدر حصہ وہ آزاد کیا ہے اسی قدر آزاد ہوگا''۔ اس سے صرف بعض حصہ کا آزاد ہونا معلوم ہوا اور یہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے۔ امام نوویؒ کا کہنا ہے کہ احادیث شریفہ سے امام شافعیؒ کے مذہب کی تائید معلوم ہوتی ہے۔ میرا عرض کرنا یہ ہے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ضمان کی حدیث کو اختیار کیا ہے اور استسعاء (غلام سے محنت کرانے) کی حدیث باوجود صحیح ہونے کے چھوڑ دی ہے اور حدیث شریف کی رو سے انصاف کی بات تو وہ ہے جو امام طحاویؒ نے اختیار فرمائی کہ انہوں نے صاحبینؒ کے مذہب کو اختیار کیا ہے اور میں کہتا ہوں کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کا قول باعتبار فقہ قوی ہے کیونکہ شریک کا اپنا حصہ آزاد کرنا ضمان اور استسعاء دونوں کو لازم کرتا ہے اور ان دونوں صورتوں کا احادیث میں ذکر ہے اور امام بخاریؒ نے (اس مسئلہ میں) شروع سے آخر تک امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی موافقت کی ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے دلائل میں سے سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث ہے جس کو امام طحاویؒ نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث میں حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کو ان کے بالغ ہو جانے کی بعد اختیار دیا کہ وہ اس غلام میں جس کو ان کی والدہ اور ان کے بھائی کے حصے کی آزادی مل چکی ہے اپنا حصہ آزاد کردیں یا ضمان وصول کریں۔

امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جب حضرت عبدالرحمن رضی اللہ تعالی عنہ کو اس بات کا اختیار مل گیا کہ وہ مکاتبت کا عوض لئے بغیر آزاد کردیں تو ان کو یہ بھی اختیار ہے کہ غلام کی ماباقی قیمت ادا کر کے مکمل طور پر سارا غلام ان کی طرف سے آزاد کردیں۔ جب آزاد نہ کرنے والے کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے حصہ کو آزاد کردے، اسی طرح پہلے اپنا حصہ آزاد کرنے والا اپنے شریک کے لئے ضامن ہوسکتا ہے تو اس کو ضمان کی ادائیگی اور پھر پورے غلام کی قیمت ہو جانے کے بعد اپنے ضمان کی رقم کو واپس حاصل کرنے کا بھی حق حاصل ہوگا اور غلام سے اس بارے میں خدمت لے کر یا اجرات پر کام کروا کر اپنا اپنا حصہ وصول کرسکتے ہیں۔ منجملہ اور دلائل کے استسعاء (غلام سے محنت کروانے) کی حدیث بھی ہے جس کی تحقیق اسی باب میں اس کے بعد آرہی ہے اور العرف الشذی شرح الترمذی میں ہے کہ ہمارے امام اعظم سیدنا ابوحنیفہ رحمتہ علیہ کے مذہب پر استدلال کے لئے مزید دو حدیثیں ہیں۔ ان میں سے ایک مصنف عبدالرزاقؒ اور دوسری مسند احمدؒ میں ہے اور ان کے رجال ثقات ہیں اور بعض حفاظ حدیث نے ان میں سے ایک کو صحیح قرار دیا ہے۔

(عرف الشذی شرح جامع ترمذی، ہدایہ، درمختار، ردالمحتار، شرح معانی الآثار)

جو شخص اپنے غلام کے ایک حصہ کو آزاد کرے پھر اس سے محنت کروائی جائے گی

8/4438۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنے غلام کے ایک حصہ کو آزاد کرے تو اپنے مال سے پورا آزاد کر دینا اس کے ذمہ ہے۔ پس اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو غلام کی مناسب قیمت مشخص کی جائے گی، پھر اس پر سختی کئے بغیر اس سے محنت کرائی جائے گی 8۔ (تاکہ وہ اپنی باقی قیمت ادا کر دے) (بخاری مسلم)

8 ثم استسعی (پھر اس سے محنت کروائی جائے گی) الخ استسعاء کا مفہوم ہمارے پاس اس کو مزدوری پر لگانا اور ماقبی نصف اس کی اجرت میں سے لینا ہے اور بعض شافعی حضرات نے فرمایا کہ استسعاء سے مراد یہ ہے کہ اس کا آقا ایک دن اس سے خدمت لے اور ایک دن اس کو چھوڑ دے اور وہ اسی حالت پر ہمیشہ رہے گا۔

اس بارے میں میرا کہنا یہ ہے کہ یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد "قوم قيمة عدل" الخ (اس کی متوازن قیمت مشخص کی جائے گی) کے خلاف ہے۔

اور ہمارے لئے یہ حدیث حجت ہے اور اس حدیث سے محنت کروانا ثابت ہوتا ہے اور استسعاء کا ثبوت علامہ ابن حزمؒ کے قول کے مطابق تیس صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم سے ثابت ہے اور انہوں نے جو کچھ روایت کی ہے اس میں ہمارے مذہب کے خلاف کوئی بات نہیں ہے بلکہ اس میں ہمارے اقوال کی دلیل اور تائید ہے کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا "فان كان موسرا قوم عليه ثم يعتق" اگر وہ (اپنا حصہ آزاد کرنے والا) مالدار ہے تو غلام کی قیمت اس کے ذمہ مشخص کی جائے گی پھر وہ آزاد ہو جائے گا۔ اور لفظ "ثم" تراخی کے لئے ہے۔ اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ وہ اس کے بعد اس کے

غلام کو اپنے انتقال کے قریب آزاد کرنا اور غلام کا اپنے ماقی حصے کے لئے محنت کرنا

9/4439۔اور محدث عبدالرزاقؒ نے ایسی سند سے جس کے راوی ثقہ ہیں روایت کی ہے کہ قبیلہ بنی عذرہ کے ایک صاحب نے اپنے غلام کو اپنے انتقال کے قریب آزاد کیا حالانکہ ان

آزاد کرنے سے یا اس سے محنت کروانے سے آزاد ہو جائے گا۔اور ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ اپنے شرکاء کو ان کا حصہ دے دیگا اور اس پر آزادی واقع ہو جائے گی۔اور ''عتق علیہ'' واؤ کے ساتھ ہے جو نہ ترتیب کے منافی ہے اور نہ تراخی کے۔ہم نے اس کو تمام احادیث میں تطبیق کے لئے تراخی پر محمول کیا ہے لیکن استسعاء کی حدیث کا ظاہری مفہوم سے صاحبینؒ کی تائید ہوتی ہے کیونکہ آزاد کرنے والا مالدار ہو تو غلام سے ماباقی حصہ میں محنت نہیں کرائی جائیگی یہاں موسر (مالدار) کے معنی یہ ہیں کہ اس کو دوسرے شریک کے حصہ کی قیمت ادا کرنے پر قدرت ہو۔حدیث شریف کے الفاظ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ''فکان لہ من المال مایبلغ ثمنہ'' اس کے پاس اس کی قیمت کے بقدر مال ہو۔لیکن اس حدیث شریف کی تائید صاحبین کے لئے مفہوم مخالف کا اعتبار کرنے پر موقوف ہے کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ''وان لم یکن لہ مال قوم قیمۃ عدل ثم یستسعی'' اور اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو ایک متوازن قیمت مختص کی جائے گی پھر اس سے محنت کروائی جائے گی۔مفہوم مخالف کا اعتبار کرنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس کے پاس مال ہونے کی صورت میں اس سے محنت نہیں کروائی جائے گی۔اور قارئین جانتے ہیں کہ ہمارے اصحاب ثلاثہ مفہوم مخالف کو تسلیم نہیں کرتے پھر وہ اپنے مقصد کو اس سے کیسے ثابت کر سکتے ہیں۔(مرقات،عرف الشذی،شروحِ کنز،کوکب الدری)

کے پاس اس کے سوا کوئی مال نہیں تھا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ایک تہائی حصہ کو آزاد قرار دے کر غلام کو حکم فرمایا9 کہ وہ اپنی دو تہائی (کی آزادی) کے لئے محنت کرے

جو شخص کسی نسبی محرم کا مالک ہوگا

10/4440۔حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ حضرت سمرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے اور وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی شخص کسی نسبی محرم 10 (نسبی حرمت والا) کا مالک ہوگا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔(ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

---

9 قولہ ''وامرہ ان یسعی فی الثلثین '' (غلام کو حکم فرمایا کہ وہ اپنی دو تہائی (حصہ کی آزادی) کے لئے محنت کرے) اس سے بھی (غلام کا اپنی ماقبی آزادی کے لئے) محنت کرنا ثابت ہے۔اور قرعہ اندازی کی حدیث ہمارے پاس قرعہ کے منسوخ ہونے سے پہلے یعنی اسلام کے ابتدائی زمانہ پر محمول ہے اور جُوے کی ممانعت کے حکم سے جب قرعہ منسوخ ہوگیا تو اس کا حکم بھی منسوخ ہوگیا۔(بذل المجہود)

اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہر ایک کی طرف سے اس کا حصہ آزاد ہوگا اور باقی میں وہ محنت کرے گا۔اور آپ کی دلیل محدث عبدالرزاق رحمتہ اللہ علیہ کی حدیث ہے۔(مرقات)

10 قولہ ''من ملک ذارحم محرم فھو حرٌ'' (جو کوئی کسی نسبی محرم کا مالک ہوگا تو وہ آزاد ہو جائے گا) ''یعنی جب آدمی اپنے کسی نسبی محرم رشتہ دار کا مالک ہو جائے تو ہمارے (حنفیہ) کے نزدیک مالک ہوتے ہی آزادی اس پر واقع ہو جائے گی یعنی اس کے آزاد کئے بغیر خود بخود اس پر آزادی واقع ہو جائے گی۔اور حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس

لڑکا اپنے والد کا بدلہ نہیں دے سکتا اس کو خرید کر آزاد کردے

11/4441 ۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی لڑکا اپنے والد کو بدلہ نہیں دے سکتا سوائے اس کے کہ اگر اس کو غلامی کی حالت میں پائے تو وہ اس کو خرید کر آزاد کردے۔ 11 (مسلم شریف)

ولادتی رشتے یعنی ماں باپ اور اولاد (تمام اصول وفروع) میں ہی آزادی واقع ہوگی۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ولادتی رشتے کے علاوہ بھائی بہنوں میں آزادی واقع ہوگی۔ یہ حدیث شریف احناف کی دلیل ہے۔ حضرت عمر فاروق اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اور بہت سے تابعین رحمہم اللہ سے اسی طرح روایت آئی ہے۔ اور جو رشتہ دار نسبی محرم نہیں ہیں جیسے چچا اور بھائی کی اولاد اور نسبی رشتہ کے سوا جو محرم ہیں جیسے سسرالی اور رضاعی محرمات یہ بھی بالاتفاق آزاد نہیں ہوں گے۔ (شروح کنز)

11 قولہ ' فیعتقہ ' (اس کو خرید کر آزاد کردے) بعض اہل ظاہر نے کہا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بیٹا باپ کا مالک ہو تو باپ آزاد نہیں ہوگا۔ ورنہ خریدنے پر آزادی کو مرتب کرنا درست نہیں ہوگا اور فیعتقہ میں '' فاء '' کو تعقیب کا قرار دیا ہے اور جمہور علماء کے پاس بیٹا مالک ہوتے ہی باپ آزاد ہوجائے گا اور اس کو مزید آزاد کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی اور فیعتقہ کے معنی یہ ہیں کہ اس کو خرید لے۔ اس سے اس کو آزاد کرنا خود بخود متحقق ہوجائے گا یہ نہیں کہ پھر اس کو آزاد کرے۔ خریدی اور آزادی کے درمیان ترتیب حکم کے اعتبار سے ہے یعنی پہلے خریدنے کا حکم ہے پھر اس کے ساتھ آزادی خود بخود ہے اس میں انشاء آزادی کا اعتبار نہیں ہے (یعنی پہلے خریدنا ہوتا ہے اس کے بعد خود آزادی واقع ہوجاتی ہے)۔ اس بناء پر فیعتقہ میں فاء سببیت کا ہے یعنی خریدنے کے بعد '' میں تجھ کو آزاد کرتا ہوں '' کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ نفس خریدی ہی سے آزادی واقع ہوجائے گی۔ (بیٹا باپ کو اپنے خریدنے کے ذریعہ آزاد کردے گا) (مرقات)

مدبر غلام فروخت نہیں کیا جاسکتا

12/4442 ۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مدبر غلام فروخت نہیں کیا جاسکتا 12 اور نہ اس کو ہبہ کیا جاسکتا ہے۔ (دار قطنی) اور اس حدیث شریف سے امام کرخیؒ، امام طحاویؒ، امام رازیؒ اور دیگر مشائخ نے بھی استدلال کیا ہے، اور یہ سب علماء کرام علم حدیث کے ستون ہیں۔

---

12 قولہ المدبر لا یباع (مدبر غلام فروخت نہیں کیا جاسکتا) ہمارے علماء حنفیہ کے پاس مدبر کی دو قسمیں ہیں۔ (1) مدبر مطلق (2) مدبر مقید

پھر مدبر مطلق کی بھی دو قسمیں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ آزادی کو کسی خاص زمانے یا کسی خاص حالت کی قید لگائے بغیر مطلق موت سے متعلق کیا گیا ہو جیسے آقا اپنے غلام سے کہے جب ''میرا انتقال ہو تو تو آزاد ہے'' اور دوسری قسم یہ ہے کہ آزادی کو ایسی موت سے متعلق کیا گیا ہو جس کے لئے کوئی ایسی قید لگائی گئی ہو جو عام طور پر وقوع پذیر ہوتی ہے مثلاً آقا کا یہ کہنا جب کہ وہ اسی (80) سال کی عمر میں ہے ''اگر میں سو سال کی عمر میں انتقال کر جاؤں'' تو یہ صورت بظاہر مقید ہے لیکن معناً مطلق ہے کیونکہ عموماً آدمی اس مدت سے پہلے ہی انتقال کر جاتا ہے'' پس اس کا یہ کہنا ''میں 100 سو سال میں انتقال کر جاؤں'' تو یہ 100 سو سال کی قید کا ذکر کئے بغیر ''میں انتقال کر جاؤں) کہنے کے حکم میں ہے۔ لہذا یہ مدبر مطلق کے حکم میں ہے۔

مدبر مطلق کا حکم: اس کو نہ بیچا جاسکتا ہے اور نہ ہبہ کیا جاسکتا ہے البتہ اس سے خدمت لی جاسکتی ہے اور مزدوری پر لگایا جاسکتا ہے۔ اور مدبرہ باندی سے مباشرت بھی کی جاسکتی ہے اور نکاح بھی کیا جاسکتا ہے۔

اگر آقا اپنے انتقال کے وقت تنگ دست تھا اور اس کے مدبر کے سوا اس کے پاس دوسرا کوئی مال نہ تھا تو ایسی صورت میں اس کے مال کے ایک تہائی حصے سے مدبر آزاد ہوگا اور

باقی دوتہائی کے لئے اس سے محنت کرائی جائے گی اور اگر آقا کے ذمہ ایسا قرض تھا کہ اس کا سارا مال اس کی ادائی میں ختم ہوجاتا ہے تو ایسی صورت میں مدبر اپنی تمام قیمت کی ادائی کے لئے محنت کرے گا۔

مدبر مقید کی صورت مدبر مطلق کی مذکورہ دوصورتوں کے برخلاف ہے یعنی غلام کی آزادی کو اپنی ایسی موت کے ساتھ مقید کیا جائے جو عادتاً یعنی اکثر وقوع پذیر نہیں ہوتی مثلاً آقا غلام کی تدبیر (آزادی) کو اپنے انتقال کی کسی خاص صفت کے ساتھ معلق کرے مثلاً یوں کہے ''اگر میں اس مرض میں انتقال کرجاؤں تو تجھے آزادی ہے'' پھر اگر آقا کا انتقال اسی صورت پر ہوا جس کو اس نے ذکر کیا تھا تو وہ مدبر مطلق کی طرح سے آزاد ہوجائے گا یعنی ایک تہائی حصہ میں آزاد ہوجائے گا۔ ایسی صورت میں چونکہ وہ مدبر مطلق ہوجائے گا اس کو بیچنا جائز نہیں ہوگا۔ اور اگر آقا اس مرض سے اچھا ہوجائے پھر اس کے بعد انتقال کرجائے تو وہ (غلام) آزاد نہیں ہوگا کیونکہ جس شرط پر معلق کیا تھا وہ باقی نہیں رہی بلکہ فوت ہوگئی۔ مدبر کے بیچے جانے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ اور اہل کوفہ کی ایک جماعت کے پاس آقا کو اپنے مدبر غلام کے بیچنے کا حق نہیں ہے۔ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ آقا کے لئے مدبر غلام کو بیچنا اور ہبہ وغیرہ کرنا، جائز ہے۔ ان کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک صحابیؓ نے اپنے غلام کو مدبر کرنے کے بعد آزاد کیا پھر وہ محتاج ہوگئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس غلام کو لے کر فرمایا اس کو مجھ سے کون خریدیگا تو نعیم بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ نے اس کو اتنے اتنے (روپیوں کی مقررہ مقدار) میں خریدلیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ غلام ان کے حوالے کردیا۔

اور یہی قول امام احمد حنبلؒ کا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ سے ایک روایت ہے کہ اگر آقا کے ذمہ قرض ہو تو اس وقت آقا اس کو بیچ سکتا ہے۔ اور ہماری دلیل ابن عمرؓ کی یہ حدیث شریف ہے جس کا کتاب میں اوپر ذکر آیا ہے اور اگر تم یہ کہو کہ حدیث غریب ہے تو اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث مشہور ہے اسی وجہ سے اس حدیث سے امام کرخیؒ، امام طحاویؒ، امام رازیؒ اور ان کے سوا دیگر ائمہ نے استدلال کیا ہے۔

امام ترمذیؒ نے جابر رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث کو روایت کرنے کے بعد فرمایا ہے: اس حدیث پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ اور دوسرے اہل علم کا عمل ہے کہ وہ مدبر کی بیع میں کوئی حرج نہیں سمجھتے اور یہی قول امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ کا ہے۔ اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہؓ کی ایک جماعت نے مدبر کی بیع کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اور یہ قول حضرت سفیان ثوری، امام مالک اور امام اوزاعی رحمہم اللہ کا ہے۔ اور حضرت ابوالولید باجیؒ نے روایت کی ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ نے خیر القرون کی ایک عظیم جماعت کی موجودگی میں جس میں کثرت سے لوگ شریک تھے مدبر کی بیع کو رد کر دیا۔ اور اس طرح اس پر ان سب کا اجماع ہو گیا کہ مدبر کی بیع جائز نہیں۔

اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے جو روایت کی ہے وہ حکایت حال (واقعہ کا بیان) ہے۔ اور فعلی حدیث ہے جو قولی حدیث کے معارض نہیں ہو سکتی کیونکہ اس واقعہ میں اس بات کا احتمال ہے کہ وہ غلام مدبر مقید ہو۔ اس کے علاوہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کا جواب اور کئی طریقوں سے دیا گیا ہے۔

1۔ ایک توجیہ وہ ہے جو ابن بطالؒ نے کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی حجت نہیں ہے کیونکہ اس حدیث شریف میں ہے کہ اس غلام کے آقا پر قرض تھا اور اس غلام کو بیچنا اس قرض کی وجہ سے ہوا ہے۔

2۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہ ایک مخصوص قضیہ ہے اور اس میں تاویل کا احتمال ہے۔ بعض مالکی حضرات نے اسکی یہ تاویل کی ہے کہ آقا کے پاس اس غلام کے سوا کوئی مال نہیں تھا اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آقا کے اس تصرف کو رد فرمادیا۔

3۔ اس میں اس بات کا بھی احتمال ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلام کی منفعت کو فروخت فرمایا ہے یعنی اس کو مزدوری پر لگایا اور اجارہ (یعنی مزدوری پر لگانے) کو اہل یمن کی لغت میں ''بیع'' کہا جاتا ہے کیونکہ اس اجارہ میں منفعت فروخت کی جاتی ہے۔ اس کی تائید ابن حزم کی بیان کردہ اس روایت سے ہوتی ہے کہ ابو جعفر محمد بن علی رضی اللہ عنہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسل روایت کرتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مدبر کی قیمت کو فروخت فرمایا ہے۔

4۔ جس مدبر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فروخت فرمایا اس کے آقا نا تجربہ کار اور بھولے بھالے تھے اسی لئے آپ ﷺ نے بنفس نفیس اس کے فروخت کرنے کی ذمہ داری لی تھی۔ اور جو حضرات مدبر کی بیع کو جائز قرار دیتے ہیں تو ان کے نزدیک بھی اس کے بیچنے کے لئے امیر یا سلطان کی حاجت نہیں ہے۔

5۔ اس میں اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس کی یہ بیع اس وقت میں ہوئی ہو جب کہ ''قرضدار آزاد آدمی'' کو بیچا جاسکتا تھا جیسا کہ روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آزاد کو اس کے قرض کے بدلے میں فروخت فرمادیا، پھر یہ حکم اللہ تعالی کے اس ارشاد منسوخ ہوگیا

وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ (البقرۃ 2 ع 28)

(اور اگر وہ تنگدست ہے تو سہولت آنے تک موقعہ دینا چاہئے)

(عمدۃ القاری، عمدۃ الرعایہ، شرح وقایہ، مرقات، شروح کنز)

جب کسی باندی کواس کے آقا سے اولاد ہوجائے

13/4443۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کسی آدمی کی باندی کواس سے اولاد ہوجائے تو وہ باندی آقا کے بعد (یعنی آقا کے انتقال پر) آزاد ہوجائے گی۔ 13 (دارمی)

ان کے بیٹے نے ان کوآزاد کردیا

14/4444۔ اور ابن ماجہ اور دار قطنی نے انہی سے روایت کی ہے کہ ام ابراہیم کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ذکر ہوا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان کے بیٹے نے ان کوآزاد کردیا۔

امہات الاولادہم نے ان کو بیچنے سے منع فرمایا

15/4445۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانے میں ہم نے امہات الاولاد کو بیچا ہے۔ پھر جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آئے تو ہم کوانہوں نے اس سے منع فرمادیا 14 تو ہم رک گئے۔ (ابوداؤد)

---

13 قولہ:۔ اذاولدت امۃ الرجل: (جب کسی آدمی کی باندی کواس سے اولاد ہوجائے) اس لئے شرح وقایہ اور مرقات میں ہے کہ کسی باندی کوآقا سے اولاد ہو یا اس کے شوہر سے اولاد ہو اور وہ اس کا آقا بن جائے تو وہ ام ولد بن جائے گی اور اس کا حکم مدبر کی طرح ہے مگر فرق یہ ہے کہ وہ صرف آقا کے انتقال کے بعد اس کے مال میں سے آزاد ہوجائے گی اور آقا کے قرضہ کی ادائی کے لئے اس میں گنجائش نہیں رہے گی۔ (اور اکثر صحابہؓ، تابعینؒ اور فقہا کا یہی مذہب ہے)

14 قولہ نہانا عنہ فانتھینا (ہم کواس سے منع فرمایا تو ہم رک گئے) ائمہ اربعہ کا

وہ نہ بیچے جائیں

16/4446۔ دار قطنی نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امھات الاولاد کو بیچنے سے منع فرمایا کہ وہ بیچے نہ جائیں، اور نہ وہ ہبہ کئے جائیں، اور نہ ان میں وراثت جاری ہو۔ آقا جب تک زندہ رہے، ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور جب اس کا انتقال ہو جائے تو ام ولد آزاد ہو جائے گی۔

اتفاق ہے کہ امھات الاولاد (وہ باندیاں جن کو آقا سے اولاد ہو) فروخت نہیں کی جاسکتیں۔ سارے شہروں کے فقہاء کرام سلف وخلف کا یہی مذہب ہے اور ابن قدامہؒ نے اس پر صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اجماع نقل کیا ہے اور اس واقعہ کی صحت کو وہ روایت متاثر نہیں کر سکتی جو سیدنا علی اور سیدنا عبداللہ بن عباس اور سیدنا عبداللہ بن زبیر علیہم الرضوان سے جواز کے متعلق مروی ہے کیونکہ ان حضرات سے عدم جواز کی مخالفت یعنی جواز کے قول سے رجوع کرنا بھی مروی ہے۔ (یعنی ان حضرات کا اپنے سابقہ قول سے رجوع کر کے امھات الاولاد کی بیع کے ناجائز ہونے کو اختیار کرنا ثابت ہے) جیسا کہ شرح السنن میں ابن رسلانؒ نے اس کو نقل کیا ہے اور محدث عبدالرزاقؒ نے صحیح سند کے ساتھ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اپنی اس دوسری رائے سے جمہور صحابہؓ کے قول کی طرف رجوع کرنا نقل کیا ہے (ماخوذ از رحمۃ الامہ، نیل الاوطار)۔ شمنیؒ نے فرمایا ہے کہ اس میں اس بات کا بھی احتمال ہے کہ امھات الاولاد کو بیچنے کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع نہیں ہوئی۔ اور یہ اسی وقت حجت بن سکتا ہے جب کی آپ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی ہو اور آپ ﷺ نے اس کو برقرار رکھا ہو۔

اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ ابتدائی دور کا حکم ہو پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منع فرمادیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے خلافت کی مدت کے مختصر ہونے اور امور مسلمین میں آپ کی مشغولیت کی وجہ سے اس سے واقف نہیں ہو سکے ہوں۔ پھر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جب حضور ﷺ کے اس منع کرنے کا علم ہوا تو آپ نے امھات الاولاد کی بیع کے ممنوع ہونے کا اعلان فرمادیا۔ (مرقات)

غلام کا مال آزاد کرنے والے کا ہے

17/4447۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو آدمی کسی غلام کو آزاد کرے اور اس غلام کا مال ہو تو غلام کا مال اس کے آزاد کرنے والے کا ہے، سوائے اس کے کہ آقا عہد کرے (کہ مال غلام کا ہوگا) 15 (ابوداؤد، ابن ماجہ)

جو کوئی آدمی غلام کو خریدے اسے کچھ نہیں ملے گا

18/4448۔ اور انہی سے (ابن عمر رضی اللہ عنہ سے) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو کوئی آدمی کسی غلام کو خریدے اور اس کے مال کی شرط نہ لگائے تو اس (خریدار) کو (اس کے مال میں سے) کچھ نہیں ملے گا۔ 16 (دارمی)

---

15 قولہ فمال العبد لہ الخ (غلام کا مال اس کے آزاد کرنے والے کا ہے) ہدایہ میں ہے کہ مملوک کی کوئی ملکیت نہیں ہوتی اسی بناء پر ابن ہمامؒ نے فرمایا غلام کا مال اس کے آزاد ہونے کے بعد اس کے آزاد کرنے والے آقا کا ہوگا اور یہی جمہور کا مذہب ہے۔

16 فلا شیء لہ (اسے کچھ نہیں ملے گا) اس قسم کے مسائل دو قاعدوں پر مبنی ہیں۔

1۔ ہر وہ چیز جس پر عرف عام میں مبیع کے نام کا اطلاق ہوتا ہو تو وہ مبیع میں داخل ہوگی اگرچیکہ صراحتًا اس کا ذکر نہ کیا گیا ہو۔

2۔ جو مبیع سے اس طرح متصل ہو کہ انسان اس کو جدا نہ کر سکے تو تبعاً وہ مبیع کے حکم میں داخل ہے، اور جو چیز ایسی ہو کہ انسان اسے کسی وقت جدا کر سکے اور دوامی اتصال نہیں ہے تو وہ مبیع میں تبعاً داخل نہیں سمجھی جائے گی۔ (عنایہ، درمختار)

میں حضرت ام سلمہؓ کا غلام تھا

19/4449 ۔ سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا کا غلام تھا۔ ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا کا ارشاد ہوا کہ میں تم کو آزاد کرتی ہوں اور تم پر یہ شرط لگاتی ہوں کہ تم زندگی بھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرنا تو میں نے عرض کیا آپ اگر یہ شرط نہ بھی لگاتیں تو میں زندگی بھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہیں ہوتا۔ پھر انہوں نے مجھے آزاد کردیا اور شرط کو باقی رکھا 17۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

17 قولہ فَاَعْتَقَتْنِی وَاشْتَرَطَتْ عَلَیَّ (پھر انہوں نے مجھے آزاد کردیا اور شرط باقی رکھی) اس کی تفصیل یہ ہے کہ آقا اپنے غلام کو اس شرط پر آزاد کرے کہ وہ اس کی یا کسی دوسرے شخص کی ایک سال تک خدمت کرے گا اور غلام اس کو قبول کرلے تو اسی وقت وہ آزاد ہوجائے گا۔ اور مقررہ مدت کے لئے اسی وقت سے اس کی خدمت شروع کرے خواہ اس کی مدت ایک سال ہو یا کم زیادہ ہو کیونکہ کسی شرط پر آزاد کیا جائے تو اس کو اسی مجلس میں قبول کرنا شرط ہے۔ مقبول کا یعنی جس شرط کو قبول کیا گیا ہے اس وقت موجود ہونا ضروری نہیں ہے جیسے دوسرے اور معاملات ہیں۔ یہ ہمارا مذہب ہے اور یہ قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔

اور اگر آقا یہ کہے کہ میں نے تجھے آزاد کیا اس بناء پر کہ تو میری ہمیشہ خدمت کرے گا یا مدت کا ذکر کئے بغیر خدمت کو مطلق رکھا اور اس نے قبول کرلیا تو وہ اسی وقت آزاد ہوجائیگا۔ اور غلام کے ذمہ ہے کہ اپنی قیمت آقا کو ادا کرے۔ شیخین (امام اعظمؒ اور امام یوسفؒ) کا اور امام شافعیؒ کا بھی ایک قول یہی ہے۔

اگر خدمت سے پہلے غلام کا یا اس کے مالک کا انتقال ہوجائے تو ایسی صورت میں بھی اس کی قیمت دینا واجب ہوتا ہے اور وہ قیمت اس سے لے کر اس کے مالک کے ورثاء کو دی

مکاتب

20/4450 ۔ حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا مکاتب 18 پر جب تک اس

جائے گی یا غلام کے ترکہ میں سے آقا کو دی جائے گی۔ اور امام محمد اور امام زفر رحمہما اللہ کے پاس، اور ایک قول میں امام شافعی رحمۃ اللہ کے پاس اس کی خدمت کی قیمت واجب ہوگی، اور ہم اسی قول کو اختیار کئے ہیں۔

(حاوی، درمختار، ردالمحتار، فتح القدیر، مرقات)

18 قولہ المکاتب الخ (جس کو مکاتب بنایا گیا ہو) تکملہ میں ہے کہ مکاتبت کے بارے میں کلام کئی وجوہ سے ہوتا ہے:

1۔ اس کے لغوی معنی 2۔ اس کے شرعی معنی 3۔ اس کے ارکان

4۔ اس کے جواز کی شرط 5۔ اس کی دلیل 6۔ اس کا حکم

7۔ اس کی صفت 8۔ اس کی حقیقت 9۔ اس کا سبب

10۔ اس کی حکمتیں

باعتبار لغت لفظِ مکاتب ''کتب'' سے مشتق ہے اور اس کے معنی ملانا اور جمع کرنا ہے۔ لکھنے کا نام ''کتابت'' اس لئے رکھا گیا کہ اس میں حروف کو ایک دوسرے سے ملایا جاتا ہے اور ''مکاتب'' کاتَبَ (باب مفاعلہ) کا اسم مفعول ہے۔

مالک یعنی آقا کو مکاتب کہتے ہیں۔ (تاء کو زیر کے ساتھ) اور شریعت میں یہ ایک مخصوص جمع کا نام ہے۔ (یعنی غلام کو آخر کار حاصل ہونے والی آزادی کو موجودہ حاصل تصرفات کے ساتھ جمع کرنا۔)

اس کے ارکان ایجاب وقبول ہیں اور ان دونوں کوایک دوسرے کے ساتھ مربوط کیا جاتا ہے۔

اس کے جواز کی شرط غلامی کا موجود ہونا اور مسمی کا معین ہونا۔

اس کی دلیل قرآن مجید سے اللہ تعالی کا ارشاد ہے''فکاتبو هم ان علمتم فیهم خیرا ان کو مکاتب بنادو اگر تم ان میں صلاحیت اور بھلائی دیکھو'' (24۔النور۔33)

اور حدیث شریف سے دلیل حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: المکاتب عبد الخ اور آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ''من کاتب عبدا علی مائة اوقیة فاداها الا عشر اوقیه فهو عبد'' (جو کوئی آدمی اپنے غلام کو سو اوقیے (4000 درہم) پر مکاتب کرے اور اس غلام نے اس میں سے دس اوقیہ (400 درہم) کے سوا سب ادا کردیا تو بھی وہ غلام ہی رہے گا)

اس کی صفت یہ ہے کہ آزادی کی ترغیب ہر غلام کے بارے میں ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد۔

اس کا حکم یہ ہے کہ مکاتبت کی وجہ سے غلام کا مجور (ممنوع عن التصرف) ہونا ختم ہوجائے گا اور اس کے لئے آزادی ثابت ہوجائے گی۔ اور مالک کے حق میں یہ حکم ہے کہ وہ بدل کتابت کا حسب قرارداد مطالبہ کرسکتا ہے۔

اور اس کا سبب یہ ہے کہ اس میں مالک کو دنیا میں بدل کتابت (آزاد کرنے کا مالی معاوضہ) ملنے کی اور آخرت میں اس کا ثواب ملنے کی خواہش اور غلام کو دنیا و آخرت میں آزادی اور اس پر مرتب احکام کی رغبت رہتی ہے۔

جب آقا اپنے غلام یا باندی کو مقررہ مال کی شرط پر مکاتب بنادے اور غلام اس کو قبول کرے تو وہ مکاتب ہوجائے گا۔ یہ بات صاحب ہدایہ نے فرمائی ہے۔ اور کتاب رحمۃ الامہ میں ہے علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آقا اپنے ایسے غلام کو جو کما سکتا ہے مکاتب بنادینا مستحب ہے اور مکاتب بنانے کی ترغیب بھی دی گئی ہے۔ بلکہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس

کے بدل کتابت میں ایک درہم بھی باقی رہے تو وہ غلام ہے 19۔ (امام ابوداؤدؒ بسند حسن)

ایک روایت میں ہے کہ مکاتبت واجب ہے جبکہ غلام اپنے آقا سے اپنی یا اپنے سے زیادہ قیمت پر اس کی درخواست کرے اور اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ مالک اپنے غلام کو ایک مقررہ مال میں مکاتب کرے گا اور غلام اس کی ادائی میں کوشش کرکے آقا کو ادا کرے گا۔ لیکن وہ غلام جس کی کوئی کمائی نہیں ہے تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ نے فرمایا کہ ایسے غلام کو مکاتب بنانا مکروہ نہیں ہے۔ اور اس بارے میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں ایک میں مکروہ بتلایا گیا ہے اور دوسری روایت میں مکروہ نہیں ہے لیکن ایسی باندی کو مکاتبہ بنانا جو کما نہیں سکتی بالاتفاق مکروہ ہے۔)

19 قولہ عبد مابقی علیہ من مکاتبۃ درھم (جب تک اس کے بدلِ کتابت میں ایک درہم بھی باقی رہے تو وہ غلام ہے) ہدایہ میں ہے: مکاتب بدل کتابت کی کامل ادائی تک آزاد نہیں ہوگا۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد ہے جو کوئی غلام سو دینار پر مکاتب قرار دیا جائے اور بدلِ کتابت ادا کرے اور اس میں دس دینار باقی ہوں تب بھی وہ غلام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کسی مکاتب پر ایک درہم بھی باقی ہے تو وہ غلام ہے۔

اور اس میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اختلاف ہے اور ہم نے زید رضی اللہ عنہ کے قول کو اختیار کیا ہے کیونکہ اس قول کی مرفوع احادیث سے تائید ہوتی ہے۔ نیل الاوطار میں ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کا قول ہے کہ مکاتب کے حق میں آزاد کا کوئی حکم جاری نہیں ہوتا بلکہ اس پر غلاموں کے احکام ہی جاری ہوں گے تا آنکہ اس کی آزادی مکمل نہ ہو جائے۔ اور حافظ نے فتح الباری میں جمہور علماء سے اسی طرح نقل فرمایا ہے۔ بحر میں حضراتِ عمر، عبداللہ بن عباس، زید بن ثابت، سیدتنا عائشہ، سیدتنا ام سلمہ رضی اللہ عنہم، حسن بصری، سعید بن مسیب، محمد بن شہاب زہری اور سفیان ثوری، تمام اہل بیتِ اطہار، امام ابوحنیفہ، امام شافعی،

امام مالک رحمہم اللہ کا یہی مذہب بیان کیا گیا ہے کہ مکاتب اگرچہ بدل کتابت کا اکثر حصہ ادا کرے، لیکن جب تک وہ پورا حصہ ادا نہیں کرے گا آزاد نہیں ہوگا۔ اور انہی احادیث کو انہوں نے دلیل بنایا ہے اور انہیں احادیث کو ترجیح دی ہے۔ سیدتنا ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے ظاہری مفہوم سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی خاتون کا غلام مکاتب ہو اور اس کے پاس اس کی ادائی کے بقدر مال ہو تو اس کو مکاتب غلام سے پردہ کرنا چاہیے۔

اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کا غلام اس کا محرم ہوتا ہے اور یہی قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے قاضی خان نے فرمایا کہ غلام اپنی آزاد مالکہ کو دیکھنے میں جبکہ دونوں کے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے تو وہ ایک اجنبی آدمی کے درجہ میں ہے۔

سیدتنا ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث شریف سے مراد حد درجہ پردہ کرنا ہے کیونکہ غلام کثرت سے آنے جانے اور مالکہ کی خدمت کرتے رہنے کی وجہ سے جس طرح اجنبی سے پردہ ہوتا ہے اس طرح کا غلام سے پردہ نہیں ہوسکتا کیونکہ غلام کے ساتھ گفتگو کرنا پڑتا ہے اور اس کے ہاتھوں اور چہرہ پر نظر پڑتی رہتی ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ''وما ملکت ایمانھن ''(24 ۔النور۔ 21) کی تفسیر میں صاحب مدارک لکھتے ہیں کہ سعید بن میسب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا سورہ نور تم کو دھوکے میں نہ ڈالے کیونکہ وہ باندیوں کے بارے میں ہے مرد (غلاموں) کے بارے میں نہیں ہے۔ (اس کی تحقیق گزرچکی ہے۔ اور بذل المجہود میں ایسا ہی ہے)

21/4451 ۔ انہی (عمرو بن شعیبؒ) سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو کوئی آدمی اپنے غلام کو سو اوقیے (4000 ہزار درہم) پر مکاتب کرے اور اس غلام نے (اس مقدار چاندی کو) ادا کر دیا مگر دس اوقیے (400 سو درہم) ادا نہیں کئے یا آپ ﷺ نے فرمایا دس دینار کے سوا باقی تمام رقم ادا کر دی، پھر وہ (ادائی رقم سے) عاجز ہو گیا تو وہ غلام ہی رہے گا۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

22/4452 ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی عمرۃ انصاری سے روایت ہے کہ ان کی والدہ نے غلام آزاد کرنے کا ارادہ کیا لیکن صبح تک کے لئے اس کو موخر کیا اور انتقال کر گئیں۔ عبدالرحمٰنؒ نے فرمایا میں نے قاسم بن محمد سے کہا کہ اگر میں ان کی طرف سے (غلام) آزاد کردوں تو کیا ان کو فائدہ ہوگا تو قاسمؒ نے حدیث سنائی کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالی عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری والدہ کا انتقال ہو گیا ہے اگر میں ان کی طرف سے غلام آزاد کروں تو کیا یہ چیز ان کو فائدہ پہنچائے گی **20ے**۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہاں (فائدہ ہوگا)۔ (امام مالک)

20ے قولہ فھل ینفعھا الخ (کیا یہ چیز ان کو فائدہ پہنچائے گی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہاں"۔ اس ارشاد کی وجہ یہ ہے کہ غلام آزاد کرنا صدقات میں سب سے افضل قسم ہے اور صدقہ کی تمام قسموں کا ثواب نیز عباداتِ مالیہ اور بدنیہ کا ثواب بھی میت کو پہنچتا ہے اور اس کی مغفرت اور اس کے درجات کی بلندی کا باعث ہوتا ہے اس کے بارے میں حدیثیں موجود ہیں اور اس پر آثار بھی شاہد ہیں جیسا کہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور اور ان کے علاوہ دوسروں نے اور کتابوں میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اور میت کی طرف سے غلام آزاد کرنے کے بارے میں بہت سی حدیثیں ہیں اور ان میں سب سے اچھی سند سے جو حدیث ہے اس کو امام نسائیؒ نے سیدنا واثلہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم غزوہ تبوک میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

23/4453 ۔ یحییٰ بن سعید سے امام مالک کی ایک روایت میں ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابوبکر کا نیند کی حالت میں انتقال ہوا تو ان کی بہن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کی طرف سے بہت سے غلام آزاد کئے۔ 21ے

حاضر تھے۔ ہم نے عرض کیا کہ ہمارے ایک ساتھی کا انتقال ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم ان کی طرف سے غلام آزاد کرو اللہ تعالیٰ اس کے ہر ایک عضو کے بدلے میت کے ویسے ہی ایک عضو کو دوزخ سے آزاد کرے گا۔ (التعلیق المجد)

21ے قولہ فاعتقت عنه عائشة اخته رقاباً كثيرة (ان کی بہن حضرت عائشہؓ صدیقہ نے ان کی طرف سے بہت سارے غلام آزاد کئے) اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ موطا میں فرماتے ہیں ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں کہ میت کی طرف سے آزاد کئے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے اگر میت نے اس کے لئے وصیت کی تھی تو ولاء اس کا ہوگا اور وصیت نہیں کی تھی تو ولاء آزاد کرنے والے کا ہوگا اور میت کو ثواب ملے گا (انتھی) اور تعلیق مجد میں ہے کہ زندہ اگر میت کی طرف سے آزاد کردے اور میت کو اس کا ثواب پہنچائے تو اس کے ثواب پہنچنے میں کوئی شبہ نہیں اگرچہ کہ انتقال کرنے والے نے اس کے لئے وصیت نہ کی ہو۔

ہاں اگر میت کے ذمہ آزاد کرنا یا کوئی صدقہ کرنا واجب تھا اور اس نے وصیت کی تھی تو وصی کے ذمہ اس کے ترکہ کے ایک تہائی حصے میں سے اس کی وصیت پورا کرنا ضروری ہے اور اس سے میت کا اپنی ذمہ داری سے بری ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔

اور میت اگر وصیت نہ کرے اور وصی اپنی طرف سے اس میت کے ذمہ جو کچھ تھا اس کو ادا کردے اللہ نے چاہا تو ایسی صورت میں بھی میت ذمہ داری سے بری ہوجائے گی۔ یہ اللہ کا فضل واحسان ہے۔ 12

(2/163) باب الأيمان و النذور

قسموں اور منتوں کا بیان

اللہ بزرگ و برتر کا ارشاد ہے لا یؤ اخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم ولکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم ط واللہ غفور حلیم ○

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ تمہاری گرفت نہیں کرتا تمہاری لغو (اور بے معنی) قسموں پر لیکن جو قسمیں تمہارے دلوں کے ارادے سے ہوں ان پر ضرور تمہاری گرفت کرے گا اور اللہ تعالیٰ بہت مغفرت کرنے والا نہایت بردبار ہے۔ (2 سورۃ بقرہ 225)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لا یؤ اخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم ولکن یؤ اخذکم بما عقدتم الایمان ج فکفارۃ اطعام عشرۃ مسکین من اوسط ماتطعمون اھلیکم او کسوتھم او تحریر رقبۃ ط فمن لم یجد فصیام ثلثہ ایام ط ذلک کفارۃ ایمانکم اذا حلفتم ط واحفظوا ایمانکم ط کذلک یبین اللہ لکم آیاتہ لعلکم تشکرون ○

اللہ تعالیٰ تمہاری لغو (اور بے معنی) قسموں پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا البتہ ان (قسموں) پر مؤاخذہ کرے گا جن کے لئے تم نے پکا ارادہ کیا ہو تو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو اوسط درجہ کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل وعیال کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑے پہنانا یا ایک غلام کو آزاد کرنا اور جس کو یہ میسر نہ ہو تو اس کو تین دن کے روزے رکھنا ہے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے۔ جب تم قسم کھالو اور تم اپنی قسموں کی حفاظت کرو اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی آیتیں صاف صاف بیان

فرماتا ہے تا کہ تم (اس کی) شکر گزاری کرو۔ (5۔ المائدہ 79)

نہیں دلوں کے پھیرنے والے کی قسم

24/4454۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قسم کھاتے تو اکثر فرماتے ''لا و مقلب القلوب'' 1 (بخاری)

---

1 (قولہ یحلف لا و مقلب القلوب الخ (قسم کھاتے تو اکثر فرماتے ''لا و مقلب القلوب ''نہیں، دلوں کو پھیرنے والے کی قسم) اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مذہب مختار کی بناء پر اللہ کی اور اس کے ناموں میں سے کسی نام کی، اگرچہ کہ وہ مشترک ہو، اور عرف میں اس کی قسم کھائی جاتی ہو یا نہ ہو، جیسے رحمن ورحیم، حلیم وعلیم، مالک یوم الدین، الطالب الغالب اور الحق، جو الف لام کے ساتھ ہو بغیر الف لام کے نہیں ہے قسم ہو جاتی ہے۔ اور کتاب مجتبیٰ میں ہے اگر اسماءِ مشترکہ سے قسم سے ہٹ کر کسی چیز کی نیت کرے تو دیانۃً قبول کیا جائے گا اور اللہ تعالی کے صفات میں سے کسی ایسی صفت سے قسم کھائے جس کی عام طور پر قسم کھائی جاتی ہے اور اس کی صفت ذاتی ہو یعنی اس کی ضد اس میں نہیں پائی جاتی جیسے اللہ کی عزت، جلال، کبریائی، ملکوت، جبروت، عظمت اور قدرت کی قسم کھائے تو بھی قسم ہو جاتی ہے۔ یا اس کی فعلی صفت کی (یعنی جس کی ضد اس میں پائی جاتی ہے) قسم کھائے جیسے غضب اور رضا کی، تو ایسی صورت میں قسموں کا دار و مدار عرف پر ہے اور ان صفات میں جو قسموں کے لئے معروف ہیں تو ان کی قسم ہوتی ہے۔ اور جو اس کے لئے معروف نہیں ہیں ان کی قسم نہیں ہوتی۔

اور اللہ تعالی کے صفات میں سے ایسی صفت کی قسم نہیں ہوتی جو قسم کے لئے معروف نہیں ہے یعنی عرف میں ان کی قسم نہیں کھائی جاتی جیسے اللہ کی رحمت اس کا علم، اس کی رضا، اس کا غضب، اس کی ناراضگی، اس کا عذاب، اس کی لعنت، اس کی شریعت، اس کا دین، اس کے حدود، اس کی صفت، سبحان اللہ اور اس جیسے دیگر صفات کی قسم نہیں ہوگی۔ یہ حکم صفات کے ساتھ خاص ہے اسماء ذات کے ساتھ نہیں کیونکہ اسماءِ ذات میں عرف کا اعتبار نہیں ہوتا جیسا کہ اس کا بیان گزر چکا ہے۔ (درمختار، ردالمحتار)

25/4455۔ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قسم میں تاکید کرنا چاہتے تو فرماتے ''نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے دستِ قدرت میں ابوالقاسم کی جان ہے۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) (ابوداؤد)

26/4456۔ اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب قسم کا موقعہ آتا تو لا و استغفر اللہ (نہیں، میں اللہ سے مزید عظمت کی سرفرازی مانگتا ہوں 2) فرماتے۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

کتاب رحمۃ الامۃ میں ہے کہ علماء کا اتفاق ہے اس بات پر کہ اسمِ جلالہ سے اور اس کے تمام اسماءِ حسنیٰ سے قسم منعقد ہو جاتی ہے جیسے الرحمٰن، الرحیم، الحی اور اس کے تمام صفات ذاتیہ سے بھی قسم منعقد ہو جاتی ہے۔ جیسے'' اللہ تعالیٰ کی عزت اور اس کے جلال کی قسم'' لیکن امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کے علم کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ آپ اس کو قسم نہیں سمجھتے (انتھیٰ) اور کتاب عنایہ میں ہے۔ یہاں اللہ کے اسم سے مراد وہ لفظ ہے جو ایسی ذات پر دلالت کرتا ہو جو کسی صفت سے متصف ہو۔ جیسے الرحمٰن، الرحیم۔ اور صفت سے مراد وہ مصادر ہیں جو اسماء صفاتیہ کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے متصف کرنے پر حاصل ہوتے ہیں جیسے رحمت، علم، عزت وغیرہ۔

امام زیلعی کی شرح کنز میں اور مواہب الرحمٰن کی شرح ''برہان'' میں ہے کہ علماء عراق نے بیان کیا ہے کہ صفاتِ ذاتیہ کی قسم ہوتی ہے اور صفات فعلیہ کی نہیں۔

علماءِ ماوراء النہر نے بیان کیا ہے کہ قسم میں عرف کا اعتبار ہے۔ جس صفت سے عام طور پر قسم کھائی جاتی ہو خواہ صفتِ ذاتی ہو جیسے قدرت، خواہ صفت فعلی ہو جیسے پیدا کرنا اور رزق دینا، یہ قسم ہوں گے اور عرف میں جن سے قسم کھائی نہیں جاتی خواہ وہ صفت ذاتی ہو یا فعلی اس سے قسم متصور نہیں ہوتی۔ اور یہی صحیح ہے۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں کے ساتھ قسم بلاشبہ قسم ہے اور اس کے صفات کی قسم کھانے میں عرف کا اعتبار ہے اور غیر اللہ کی قسم مطلق قسم نہیں ہے۔ 12

2 (قولہ و استغفر اللہ (اور میں اللہ سے مزید عظمت کی سرفرازی مانگتا ہوں) یہ

27/4457۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بیشک اللہ تعالی 3 تم کو اپنے باپ دادا کی قسم کھانے سے منع فرماتا ہے۔ جو قسم کھانا چاہتا ہے، وہ اللہ کی قسم کھائے یا خاموش رہے۔ (متفق علیہ)

بظاہر قسم نہیں ہے لیکن چونکہ آپ نے کلام کو تاکید کے ساتھ فرمایا ہے اسی لئے یہ قسم کی صورت ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ "واستغفر اللہ" میں واو قسم کا ہو اور مقسم بہ (جس کی قسم کھائی جارہی ہو) محذوف ہو یعنی لا واللہ (نہیں اللہ کی قسم) پھر استغفر اللہ سے کلام کی ابتداء ہو۔ استغفر اللہ سے مراد اگر معاملہ اس کے خلاف ہے تو میں مغفرت چاہتا ہوں یا استغفر اللہ کے بعد "من الحلف" محذوف ہو یعنی "قسم سے میں اللہ کی جناب میں استغفار کرتا ہوں" کیونکہ قسم نہ کھانا ہی افضل ہے سوائے اس کی ضرورت ہو۔ کیونکہ یہ قسم اصل میں عرضہ (نشانہ) ہے اور عرضہ سے منع کیا گیا اسی لئے بعض حضرات قسم کھانے سے رکتے ہیں اگر چیکہ وہ سچے ہوں اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قسم ثابت ہے، وہ صرف ضرورت کے لئے ہے یعنی حکم کو مؤکد کرنے کے لئے یا بیان جواز کی غرض سے ہے اسی لئے کہا گیا ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قسم کا ارادہ فرمایا تو قسم کے بجائے "لا واستغفر اللہ" فرمایا، قسم نہیں کھائی۔ (مرقات ملخصا)

3 (قولہ ان اللہ ینھاکم ان تحلفوا باٰبائکم الخ (اللہ تعالی تم کو اپنے باپ دادا کی قسم کھانے سے منع کرتا ہے) حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ موطا میں فرماتے ہیں ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں کسی آدمی کے لئے اپنے باپ کی قسم کھانا مناسب نہیں جو آدمی قسم کھانا چاہتا ہے وہ اللہ تعالی کی قسم کھائے اور قسم کو پوری کرے یا پھر قسم کھانے سے خاموش رہے اور مرقات میں ہے کہ جس قسم سے منع کیا گیا ہے وہ غیر اللہ کی قسم ہے اور باپ دادا کا خصوصیت سے ذکر اس لئے ہے کہ باپ دادا کی قسم کھانا اولاد کی عادت ہوتی ہے۔

بدایہ میں ہے جو کوئی آدمی غیر اللہ جیسے نبی اور کعبہ وغیرہ کی قسم کھائے گا تو وہ قسم کھانے والا شمار نہیں ہوگا کیونکہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "من کان منکم حالفا فلیحلف باللہ او لیذر" (تم میں سے جو قسم کھائے وہ اللہ کی قسم کھائے یا چھوڑ دے) اسی طرح سے جب قرآن مجید کی قسم کھائے (تو قسم کھانے والا شمار نہیں ہوگا) کیونکہ یہ قسم متعارف نہیں ہے۔ (انتھی)۔

28/4458۔ عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم نہ بتوں کی قسم کھاؤ اور نہ اپنے باپ دادا کی۔4 (مسلم)

29/4459۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نہ تم اپنے باپ دادا کی، نہ ماؤں کی اور نہ بتوں کی قسم کھاؤ اور اللہ کی قسم اسی وقت کھاؤ جب کہ تم سچے ہو۔ (ابوداود، نسائی)

صاحب ہدایہ کے قول سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی قسم غیر اللہ کی قسم کی طرح نہیں ہے بلکہ اس کی نوعیت صفات کی قسم کی ہے کیونکہ اس کی علت قسم کے لئے غیر معروف ہونا بیان کیا گیا ہے اور اگر یہ پہلی قسم سے ہوتی تو اس کی علت مذکورہ ممانعت یا اس کے سوا کوئی اور وجہ ہوتی۔ کیونکہ عرف کا اعتبار صرف صفاتِ مشترکہ میں ہوتا ہے اور دوسروں میں نہیں۔ علامہ کمالؒ نے فرمایا ان دنوں (یعنی موجودہ دور میں) یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ قرآن کی قسم متعارف ہے اس لئے قرآن کی قسم کھانا قسم ہے۔ (درمختار، ردالمحتار)۔ اور نیل الاوطار میں ہے کہ اس باب کی احادیث شریفہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ غیر اللہ کی قسم منعقد نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس سے منع کیا جانا منھی عنہ (جس سے روکا گیا ہے) کے فساد پر دلالت کرتا ہے اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔ بعض حنابلہ نے فرمایا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کھانے سے بھی قسم منعقد ہو جاتی ہے اور کفارہ بھی واجب ہوتا ہے (ردالمحتار میں اسی طرح ہے)

4 قولہ لاتحلفوا بالطواغی الخ (تم نہ بتوں کی قسم کھاؤ اور نہ اپنے باپ دادا کی) عرب اپنی جاہلیت کے زمانہ میں بتوں کی اور اپنے باپ دادا کی قسم کھاتے تھے تو ان کو اس سے منع کیا گیا تاکہ وہ اپنی گفتگو اور محاورات میں متنبہ رہیں کہ کہیں ان کی عادت کے مطابق ان کی زبان اس میں سبقت نہ کر جائے۔ (مرقات)

30/4460۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر کسی آدمی نے غیر اللہ کی قسم کھائی تو اس نے شرک کیا۔ (ترمذی)

31/4461۔ سیدنا بُریدہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی امانت کی قسم کھائے 5 تو وہ ہم میں سے نہیں۔ (ابوداؤد)

---

5 (قولہ من حلف بالامانة الخ (جو کوئی امانت کی قسم کھائے) یہاں امانت کی نسبت اللہ کی طرف نہیں ہے بلکہ مطلق ہے۔ فلیس منا (وہ ہم میں سے نہیں) اس میں کراہت معلوم ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالی کی ذات اور اس کے صفات کی قسم کھانے کی اجازت ہے اور امانت، اللہ تعالی کے صفات میں سے نہیں ہے بلکہ وہ اللہ تعالی کے احکام اور اس کے فرض کردہ امور میں سے ہے اور اس سے (یعنی اللہ کے فرائض واحکام کی قسم سے) منع کیا گیا ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالی کے اسماء اور صفات کے ساتھ برابری معلوم ہوتی ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے وعید بھی مراد ہو کیونکہ اس نے غیر اللہ کی قسم کھائی ہے۔ اور بالاتفاق اس سے کفارہ متعلق نہیں ہوسکتا۔

اور امانة اللہ (امانت کی اللہ تعالی کی طرف نسبت کرکے) کی قسم کھانے میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ قسم نہیں ہے اور اس میں کفارہ لازم نہیں آئے گا۔ اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ قسم ہے اس کو توڑنے سے کفارہ لازم آئے گا۔ اور کتاب البدائع میں ہے کہ ''امانة اللہ'' کہہ کر قسم کھانے میں ہمارے پاس روایات مختلف ہیں۔ ''کتاب الاصل'' میں ہے کہ یہ قسم ہے۔ اور ابن سماعہؒ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہ قسم نہیں ہوگی۔ امام طحاویؒ نے ہمارے اصحاب سے روایت کی ہے کہ یہ قسم نہیں ہے اور امام طحاویؒ کے مذکورہ بیان کی وجہ یہ ہے کہ ''امانة اللہ'' اللہ تعالی

کے فرض کردہ امور ہیں جن کے ذریعہ بندے اللہ تعالی کی عبادت کرتے ہیں۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے ''انا عرضنا الامانة علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنها '' (33 الاحزاب 72) ''بیشک ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا۔'' اس لئے کہ (امانۃ اللہ کی قسم کھانا) اللہ بزرگ و برتر کے نام سے ہٹکر ہے لہذا قسم نہیں کہلائے گی اور کتاب الاصل میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ امانت جس کی نسبت اللہ کی طرف کی جاتی ہے قسم کھاتے وقت تو اس سے اللہ تعالی کی صفت مراد ہوتی ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ ''الامین'' اللہ تعالی کے ناموں میں سے ہے اور یہ امانت سے مشتق ہے۔ خصوصاً قسم کے موقع پر جب مطلق ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے اللہ تعالی کی صفت مراد ہوتی ہے۔ ردالمحتار اور خانیہ میں ہے کہ امانۃ اللہ قسم ہے اور امام طحاویؒ نے ذکر کیا ہے یہ قسم نہیں ہوگی اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت ایسی ہی ہے اور فتح القدیر میں ہے کہ ہمارے پاس اور امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کے پاس یہ قسم ہے اور شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس نیت کا اعتبار ہے کیونکہ امانت کی تفسیر عبادات سے کی گئی ہے۔ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ حرف قسم کے بعد جب امانت کا ذکر ہو تو قسم کا مراد لیا جانا ہی غالب ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ عام عادت کی بناء پر اس کو نیت پر موقوف نہ رکھا جائے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خانیہ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ قابل اعتماد اور صحیح ہے۔

32/4462 ۔ سیدنا ثابت بن ضحاک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جوکوئی آدمی اسلام کے سوا کسی مذہب 6 کی جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھائے گا وہ ویسا ہی ہے

---

6 قولہ من حلف بملة غیر الاسلام الخ (جوکوئی اسلام کے سوا کسی مذہب کی قسم کھائے) اس عبارت میں کلمہ ''غیــر الاسلام'' ملت کی صفت ہے مثلاً وہ کہے کہ اگر وہ ایسا کرے گا تو وہ یہودی یا نصرانی یا اسلام سے بری ہے۔ کیا اس کا کلام شریعت کی اصطلاح میں قسم ہے اور کیا ایسی قسم پوری نہ کرنے سے کفارہ لازم آتا ہے؟ امام نخعیؒ، امام اوزاعیؒ، امام ثوریؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے اصحاب، امام احمدؒ اور اسحاقؒ رحمہم اللہ کے پاس یہ قسم ہے اور اس کو توڑنے سے کفارہ واجب ہوتا ہے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور ابوعبیدؒ نے فرمایا ہے کہ یہ قسم نہیں ہے اور اس میں کفارہ بھی نہیں ہے۔ لیکن اس طرح کہنے والا گنہگار ہے چاہے اس نے سچ کہا ہو یا جھوٹ۔ اور یہ حضرات رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے استدلال کرتے ہیں کہ جوکوئی لات وعزیٰ کی قسم کھائے اس کو لا الہ الا اللہ (کلمہ شہادت پڑھنا چاہئے)۔ اس حدیث شریف میں کفارہ کا ذکر نہیں ہے۔ ہم یہ کہیں گے کہ اس میں کفارہ کا ذکر نہ کرنے سے کفارہ واجب ہونے کی نفی لازم نہیں آتی۔ ہماری دلیل مذکورہ حدیث ہے۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالی نے ظہار کرنے والوں پر کفارہ واجب فرمایا ہے۔ اور یہ (ظہار) ناپسندیدہ بات اور غلط ہے اور ان اشیاء کی قسم بھی ناپسندیدہ اور غلط ہے۔ صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ ہم نے یہ بات حلال کو حرام کرنے پر قیاس کرتے ہوئے کہی ہے۔ کیونکہ اس کا قسم ہونا نص سے ثابت ہے اور وہ اس لئے ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام حضرت ماریہ رضی اللہ تعالی عنہا کو اپنے اوپر حرام کرلئے تھے تو اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی ''یایھا النبی لم تحرم مآاحل اللہ لک'' (66۔ تحریم آیت 1) ''اے نبی جو چیز اللہ تعالی نے آپ کے لئے حلال کی ہے اسے اپنے اوپر کیوں حرام کرتے ہو اور پھر اللہ تعالی کا یہ بھی ارشاد ہے ''قد فرض اللہ لکم تحلة ایمانکم (66۔ التحریم 2) بلاشبہ اللہ تعالی نے

تمہارے لئے تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر فرمایا ہے۔ اور اس کی تائید علامہ محمد احسن صدیقی صاحب نانوتوی کے قول سے بھی ہوتی ہے۔ جس کو آپ نے کنز کے حاشیہ میں مختلف شروح کے حوالوں سے فرمایا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے ارشاد فرمایا جو کوئی آدمی یہودیت کی قسم کھائے تو یہ قسم میں شمار ہے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ جس کو انہوں نے زید بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔ اسی لئے درمختار اور ردالمحتار میں ہے کہ آدمی کا اس طرح کہنا بھی قسم میں شمار ہوتا ہے۔ ''اگر وہ ایسا کرے گا تو وہ یہودی ہے یا نصرانی ہے'' یا یہ کہے کہ ''میرے نصرانی ہو جانے یا کافروں کے ساتھ شریک ہونے پر تم گواہ رہو'' یا یہ کہے کہ (اگر وہ ایسا کرے گا تو) وہ کافر ہے ایسی صورت میں اگر وہ قسم توڑے گا تو اس مسئلہ میں حلال کو حرام کرنے کے مسئلہ پر قیاس کرتے ہوئے کفارہ لازم آئے گا کیونکہ جب اس نے شرط کو کفر کی علامت قرار دیا اور اس کے قطعی طور ممتنع ہونے کا عقیدہ رکھا ہے۔ اور اس کے ممتنع ہونے کا حکم لگانا کسی دوسری وجہ سے بھی ممکن ہے اس لئے ہم اس کو قسم قرار دیتے ہیں۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ یہ مستقبل کی بات ہو۔ اب رہا ماضی کا صیغہ جیسے اگر میں ایسا کیا تھا تو کافر ہوں، یہودی ہوں اور اسی طرح سے حال کا صیغہ کہ جانتے ہوئے بھی کہ ایسا نہیں ہوا ہے (قسم کھا رہا ہے) تو وہ ''یمین غموس'' ہے اس میں کفارہ نہیں ہے صرف توبہ ہے البتہ اس کے کفر کے بارے میں اختلاف ہے لیکن قول اصح یہ ہے کہ قسم کھانے والا کافر نہیں ہوتا خواہ فعل ماضی کے ساتھ اس کو متعلق کیا ہو یا مستقبل کے ساتھ بشرطیکہ اس کے اعتقاد میں یہ قسم ہو اور اگر وہ (قسم کھانے والا) ناواقف ہو یا وہ یہ سمجھتا ہے یمین غموس میں یا مستقبل میں شرط کے پائے جانے کی صورت میں کافر ہو جاتا ہے۔ تو ایسی دونوں صورتوں میں یعنی یمین غموس اور یمین منعقدہ میں کافر ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ کفر سے راضی ہے۔ یمین غموس میں اسی وقت کافر ہو جائے گا اور یمین منعقدہ میں شرط پر عمل کرنے کی صورت میں کافر ہو جائے گا۔ جیسا کہ البحرالرائق میں اس کی صراحت ہے۔

جیسا کہ اس نے کہا ہے اور جو کوئی آدمی کسی دھاری دار چیز (ہتھیار) سے خودکشی کرلے تو 7 دوزخ کی آگ میں اس کو اسی سے سزا دی جائیگی۔ (بخاری، مسلم)

اور جانو اس بات کو کہ صحیحین میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''جو کوئی آدمی اسلام کے سوا کسی مذہب کی جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھائے گا تو وہ ایسا ہی ہے جیسا اس نے کہا'' ظاہر ہے کہ یہ ارشاد غالب احوال کی بناء پر ہے کیونکہ عموماً جو کوئی اس طرح کی قسمیں کھاتا ہے تو وہ صرف یہ جانتا ہے کہ اس طرح کی قسم توڑنے پر کفر لازم آجاتا ہے۔ اگر یہ بات ہے تو ٹھیک ہے ورنہ جو لوگ اس طرح کہنے پر مطلق کفر کے قائل ہیں، یہ حدیث شریف ان کی دلیل ہے۔

7 (قوله ومن قتل نفسه بحديدة الخ (جو آدمی اپنے آپ کو کسی دھاری دار چیز سے ہلاک یعنی خودکشی کرلے) فقہاء کرام اور اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو کوئی آدمی اپنے آپ کو قتل کرلے گا یعنی خودکشی کرلے گا) تو اس کی وجہ سے وہ اسلام سے خارج نہیں ہوگا۔ حضرت امام اعظم اور امام محمد رحمہما اللہ نے فرمایا کہ اس کو غسل دیا جائے اور اس پر نماز پڑھی جائے گی اور اسی پر فتویٰ ہے اگرچیکہ اس کا گناہ (خودکشی کا) کسی دوسرے کو قتل کرنے سے بڑھ کر ہے۔

حضرت کمالؒ نے حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ترجیح دی ہے کہ اس کو غسل دیا جائے گا لیکن اس پر نماز (جنازہ) نہیں پڑھی جائے گی کیونکہ مسلم شریف میں ہے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی خدمت میں ایک ایسے شخص (جنازہ) کو لایا گیا جس نے خودکشی کرلی تھی آپ ﷺ نے اس پر نماز نہیں پڑھی۔ بحرالرائق میں ہے کہ (ان اقوال کی) تصحیح میں اختلاف ہے لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو حدیث شریف کی تائید حاصل ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ حدیث شریف میں اس پر کوئی دلالت نہیں ہے کیونکہ اس حدیث شریف میں صرف یہ ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے اس پر نماز نہیں پڑھی۔ ظاہر یہ ہے کہ آپ ﷺ نے دوسروں

کوئی یہ کہے کہ میں اسلام سے بری ہوں

33/4463۔ سیدنا بریدہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی کہے کہ میں اسلام سے بری ہوں 8 اگر وہ جھوٹا ہے تو وہ ویسا ہی ہے جیسا کہ اس نے کہا۔ اگر وہ سچا ہے تو وہ اسلام کی طرف سلامتی کے ساتھ ہرگز واپس نہیں آئے گا۔ (یعنی وہ گنہگار رہوگا)۔ (ابوداؤد، نسائی، ابنِ ماجہ)

شیخ الاسلام علامہ عینی نے فرمایا کہ مذکورہ قسم کھانے والے کی قسم منعقد ہوجائے گی۔ حلال کو حرام کرنے پر قیاس کرتے ہوئے اس پر کفارہ لازم ہوگا۔ کیونکہ اس کا قسم ہونا نص سے ثابت ہے اور اس لئے بھی کہ اللہ تبارک وتعالی نے ظہار کرنے والے پر کفارہ واجب فرمایا ہے جبکہ وہ (ظہار) ناپسندیدہ اور جھوٹی بات ہے اور ان اشیاء کی قسم کھانا، ناپسندیدہ اور جھوٹ ہے۔

کو اس جیسے (برے) عمل سے روکنے کے لئے نماز نہیں پڑھی جیسا کہ آپ ﷺ قرض دار پر نماز پڑھنے سے بھی رک گئے تھے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ صحابہؓ میں سے کسی نے ان پر نماز نہیں پڑھی کیونکہ آپ ﷺ کی اور دوسروں کی نماز کے درمیان میں کوئی برابری نہیں ہے (بہت بڑا فرق ہے)۔ اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے

''ان صلاتک سکن لھم '' (9۔التوبۃ 103) '' آپ ﷺ کی دعا ان کے لئے باعثِ سکون ہے'' پھر (یہ بھی) یاد رکھو کہ یہ سب اس آدمی کے بارے میں ہے جو اپنے آپ کو عمداً قتل کرے۔ اب رہا یہ کہ اگر اس کا یہ عمل غلطی سے ہو تو اس پر نماز پڑھی جائے گی۔ اس میں (کسی کو) اختلاف نہیں ہے جیسا کہ اس کی صراحت کفایہ اور اس کے سوا عمدۃ القاری، درمختار اور ردالمحتار میں ہے۔

8 (قولہ من قال انی بریئ من الاسلام الخ ابن ہمامؒ نے فرمایا کہ اس کا کہنا وھو بریئ من الاسلام ان فعل کذا ہے (اگر وہ ایسا کرے گا تو اسلام سے بری ہے) اور یہ ہمارے پاس قسم ہے اور اسی طرح ھو بری من الصلوۃ والصوم (وہ نماز سے بری ہے، روزہ سے بری ہے) کہنا بھی قسم ہے۔ (مرقات)

یہودی ہو جانے کی قسم

34/4464۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو آدمی یہودی ہو جانے کی قسم کھائے تو وہ قسم ہو جائے گی۔

ایک آدمی کے بارے میں

35/4465۔ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک آدمی کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ جب وہ کسی چیز کی قسم کھاتا ہے تو کہتا ہے کہ (اگر وہ ایسا کرے گا) تو وہ یہودی ہے یا نصرانی ہے یا اسلام سے بری ہے۔ پھر وہ قسم توڑتا ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا (اس پر) قسم کا کفارہ ہے۔ (بیہقی)

36/4466۔ سیدنا ثابت بن ضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی اسلام کے سوا کسی مذہب کی جھوٹی قسم کھائے تو وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اس نے کہا (گویا وہ ان مذہب والوں کی طرح سے ہو گیا)۔ انسان 9 پر جس چیز کا وہ مالک نہیں ہے اس میں نذر متحقق نہیں ہوتی اور جو کوئی دنیا میں کسی چیز سے خودکشی کرلے گا تو اس کو اسی چیز سے قیامت کے دن سزا دی جائے گی۔ اور جو کوئی کسی مسلمان پر لعنت کرے گا تو یہ اس کو قتل کر دینے کی طرح سے ہے۔ اور جو کوئی کسی مسلمان پر کفر کی تہمت لگائے گا تو یہ اس کو قتل کر دینے کی طرح سے ہے۔ اور جو کوئی جھوٹا دعویٰ کرے گا اس سے (اپنی چیز میں) اضافہ کرنے کی غرض سے تو اللہ تعالیٰ اس کے نقصان ہی میں اضافہ کرے گا (یعنی وہ کم ہوتی جائے گی) (بخاری و مسلم)

9(قوله و ليس على ابن آدم نذر فيما لا يملك (اور انسان پر جس چیز کا وہ مالک نہیں ہے اس میں نذر متحقق نہیں ہوتی) اس کی تحقیق ان شاء اللہ باب فی النذور یعنی منتوں کے باب میں آئے گی۔

آ، میں تیرے ساتھ جؤا کھیلتا ہوں

37/4467۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مرفوعاً مروی ہے جو کوئی آدمی اپنے ساتھی سے کہے آ، میں تیرے ساتھ جؤا کھیلتا ہوں تو چاہئے کہ وہ صدقہ کرے 10۔ (بخاری، مسلم)

اگر کوئی آدمی کسی چیز پر قسم کھائے

38/4468۔ اور ان ہی سے (ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمائے اگر کوئی آدمی کسی چیز پر قسم کھائے اور اس سے بہتر کوئی دوسری چیز دیکھے 11 تو بہتر چیز کو کرے

---

10 (قولہ فلیتصدق (اس کو صدقہ کرنا چاہئے) ایسی صورت میں صدقہ کا حکم فقہاء کے پاس استحباب پر محمول ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ صدقہ کرنے کا ارادہ کرنے والا جب صدقہ نہ کرے تو اس پر صدقہ وغیرہ کی کوئی چیز واجب نہیں بلکہ اس کے لئے (اس کی نیت کی وجہ سے) نیکی لکھ دی جائے گی۔ (عمدۃ القاری)

11 (قولہ فرآی غیرھا خیرا منھا: الخ (کوئی دوسری بہتر چیز دیکھے) صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے اگر کوئی آدمی کسی گناہ پر قسم کھائے مثلاً نماز نہیں پڑھے گا یا اپنے والد سے بات نہیں کرے گا یا فلاں کو قتل کرے گا تو ایسے آدمی کو چاہئے کہ وہ اپنی قسم توڑ دے۔

ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ایسے آدمی پر قسم توڑنا اور کفارہ دینا واجب ہے اور ردالمحتار میں ہے کہ یہ بات بعید نہیں کہ فقہاء کے قول ''اولی'' سے مراد وجوب ہی ہو۔ اور کتاب ''مجمع'' میں اپنے قول ''ترجع البر کو'' (یعنی نیکی کو اختیار کرنا قابل ترجیح ہے) بیان کیا ہے۔ اور صاحب ہدایہ صاحب کنز اور ان کے علاوہ دیگر علماء کا قول بھی اسی کے قریب ہے اور جو کوئی آدمی کسی گناہ پر قسم کھائے تو اس کو قسم توڑنا چاہئے اور بلاشبہ قسم توڑنا واجب ہے جیسا کہ تم کو معلوم ہوا کیونکہ لفظ ''ینبغی'' سے ان علماء نے وجوب مراد لیا ہے باوجودیکہ اس کا اکثر استعمال غیر وجوب میں ہے۔ یہ ایسا ہے جیسا کہ تم کہتے ہو مسلمان کے لئے نماز پڑھنا زیادہ مناسب ہے (یعنی اس پر نماز واجب ہے)

اور اپنی قسم کا کفارہ دے۔ (مسلم۔ امام احمدؒ نے اس کی عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کی ہے)

12 (قولہ فلیأت الذی ھو خیر ولیکفر عن یمینہ (جو چیز بہتر ہے اس کو اختیار کرے اور اپنی قسم کا کفارہ دے) یہ بات آپ کو معلوم ہونی چاہئے کہ کفارہ کی تین حالتیں ہیں۔

1۔ قسم سے پہلے (کفارہ دینا)۔ یہ بالاتفاق کفارہ نہیں ہے۔

2۔ قسم کھانے اور اس کے توڑنے کے بعد (کفارہ دینا)۔ یہ تو بالاتفاق کفارہ ہوتا ہے۔

3۔ قسم کھانے کے بعد اور قسم توڑنے سے پہلے کفارہ دینا۔ اس میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ امام شافعی، امام مالک، امام احمد رحمہم اللہ نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ البتہ امام شافعی رحمۃ اللہ کے پاس اس میں تفصیل ہے۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ قسم توڑنے سے پہلے روزہ کے ذریعہ کفارہ ادا کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ کفارہ میں غلام کو آزاد کرنا، کھانا کھلانا، یا کپڑے دینا، قسم توڑنے سے پہلے جائز ہے۔ جیسا کہ سال گزرنے سے پہلے پیشگی زکوۃ ادا کرنا جائز ہے لیکن رمضان شریف کے آنے سے پہلے اس کے روزے رکھنا جائز نہیں ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے اصحابؒ نے فرمایا کہ قسم توڑنے سے پہلے کسی بھی قسم کا کفارہ نہیں ہوسکتا۔ یہاں تک کہ اگر قسم توڑنے سے پہلے کفارہ دیدے اور کفارہ دینے کے بعد قسم توڑے تو دوبارہ کفارہ دینا پڑے گا۔ یعنی اس قسم میں جو مستقبل سے متعلق ہے کفارہ کے واجب ہونے کا وقت قسم توڑے جانے کا وقت ہے۔ پس کفارہ ہمارے پاس قسم توڑنے کے بعد ہی واجب ہوتا ہے۔

اور حضرت امام شافعی اور دوسرے ائمہ رحمہم اللہ کے پاس کفارہ کے وجوب کا وقت قسم کے پائے جانے کا وقت ہے۔ اس لئے ان کے پاس قسم کے منعقد ہوتے ہی اس کو توڑے بغیر (بھی) کفارہ واجب ہوجاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ان کے پاس قسم کفارہ کا سبب ہے اور قسم توڑنا اس کے لئے شرط ہے، اس لئے سبب پائے جانے کے بعد کفارہ ادا کرنا درست ہے کیونکہ کفارہ کی نسبت قسم کی طرف کی جاتی ہے۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے ذلک کفارۃ ایمانکم اذا حلفتم (5۔المائدۃ 89) (یہ تمہارے قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ) اور یہ آیت سببیہ ہے کیونکہ درحقیقت واجبات کی نسبت ان کے اسباب کی طرف کی جاتی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کفارۃ القتل، کفارۃ الظھار، کفارۃ الافطار۔ (یعنی کفارہ واجب ہے اور اس کے اسباب قتل، ظہار، افطار یعنی روزہ توڑنا وغیرہ ہیں)۔

اور ہمارے پاس قسم توڑنا کفارہ کے وجوب کا سبب ہے۔ اور قسم شرط ہے کیونکہ قسم اس کو پورا کرنے کے ارادہ سے ہوتی ہے۔ اور اس چیز کو پورا کرنے کی غرض سے جس پر قسم کھا رہا ہے۔ اور اپنی قسم میں سچائی کو ظاہر کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ اور اس کا شرعاً حکم دیا گیا ہے۔ اور یہ اللہ تعالی کے اس ارشاد کے بناء پر ہے کہ فرمایا واحفظو ایمانکم (5۔المائدۃ 89) (اپنے قسموں کی حفاظت کرو)۔ اس لئے قسم کفارہ کے لئے سبب نہیں بنتی کیونکہ سبب کا کم سے کم مرتبہ یہ ہے کہ وہ مفضی الی الحکم (کسی چیز کے حکم کا باعث یا اس تک لے جانے والی ہوتی ہے) اور اس کے لئے ذریعہ ہو۔ اور قسم یہاں اس کے لئے مانع ہے تو وہ سبب کیسے بنے گی۔ لہذا قسم مفضی الی الکفارۃ (کفارہ کا باعث) نہیں ہوگی بلکہ کفارہ کا باعث قسم توڑنا ہے جبکہ وہ قسم کے بعد پایا جائے تو یہ قسم کو توڑنا سبب ہوگا اور قسم اس کے واجب ہونے کے لئے شرط ہوگی پس قسم توڑنے سے پہلے پیشگی کفارہ ادا کرنا جائز نہیں ہوگا کیونکہ اس سے سبب کا مقدم ہونا لازم آئے گا۔

آیت کریمہ میں جو اضافت مذکور ہے وہ شرط کی طرف ہے اور شرط کی طرف اضافت شرعی احکام میں جائز اور ثابت ہے جیسے احرام اور صدقۂ فطر کے کفارہ میں ہے۔ یہاں بالفرض قسم کا سبب ہونا تسلیم کرلیا جائے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ قسم کا توڑنا وجوب کی شرط ہے کیونکہ یہ بات قطعی ہے کہ کفارہ اس سے پہلے واجب نہیں ہوتا۔ ورنہ محض قسم سے کفارہ واجب ہو جائے گا۔ اور کوئی مشروط اپنی شرط سے پہلے پایا نہیں جاتا تو کفارہ بھی اس سے پہلے واجب نہیں ہوگا اور وجوب اپنے ثبوت سے پہلے یا ثبوت کے بعد کسی ایسے فعل سے جو واجب ہونے سے پہلے کیا گیا ہے ساقط نہیں ہوتا۔

اب رہا حدیث شریف تو اس میں متعدد روایتیں ہیں ایک روایت میں ’’فلیات الذی ھو خیر ولکیفر عن یمینہ ‘‘پس چاہئے کہ وہ اپنی قسم کا کفارہ دے اور جو چیز بہتر ہے اسے اختیار کرے) ہے۔ اور ایک روایت ’’فلیات الذی ھو خیر ثم لیکفر یمینہ ‘‘ (جو چیز بہتر ہے اسے اختیار کرے) ہے۔ اور ایک روایت ’’فلیات الذی ھو خیر ثم لیکفر بِیَمِینِہِ‘‘ (جو چیز بہتر ہے اسے اختیار کرے پھر اپنی قسم کا کفارہ دے) ہے۔ یہ ساری روایتیں ان کے خلاف ہیں جو قسم توڑنے سے پہلے کفارہ دینے سے کفارہ ساقط ہونے کے قائل ہیں۔ اور اس میں ان کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ اگر کفارہ محض قسم ہی سے واجب ہوتا تو حضور علیہ والہ الصلوۃ والسلام جس چیز پر قسم کھائی جارہی اس کا ذکر کئے بغیر ہی یوں ارشاد فرماتے ’’من حلف علی یمین فلیکفر ‘‘ (جو کوئی کسی چیز پر قسم کھائے تو وہ کفارہ دے) مگر اس کے برخلاف یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ وہ چیز جس پر قسم کھائی گئی ہے اچھی نہ ہو تو قسم توڑ کر کفارہ دینے کا حکم فرمایا۔

کسی ایسی چیز پر قسم جس کا توڑنا اس کو پورا کرنے سے بہتر ہے اس کو آپ ﷺ نے توڑ کر کفارہ دینے کا خصوصیت سے حکم فرمایا اس لئے کہ کفارہ قسم توڑنے سے ہے نہ کہ محض قسم کھانے سے۔ لہٰذا قسم کو توڑنے بغیر محض قسم کھانے سے کفارہ واجب نہیں ہوگا۔ و نیز یہ روایتیں بھی ہمارے لئے حجت ہیں کیونکہ حرفِ واؤ کے ساتھ آئی ہیں جو تقدیم و تاخیر کا لحاظ کئے بغیر مطلق جمع کے لئے ہے خواہ کفارہ کا ذکر مقدم ہو یا مؤخر ہو اس میں قسم توڑنے سے پہلے کفارہ کے لئے جواز نہیں ہے۔ اسی طرح بعض روایتیں جن میں ذکر ہے فلیات بالذی ھو خیر ثم لیکفر عن یمینہ وہ کام کرلے جو بہتر ہے پھر اپنی قسم کا پہلے کفارہ دے‘‘۔ البتہ سنن ابوداؤد شریف اور سنن نسائی میں جو الفاظ آئے ہیں وہ یہ ہیں ’’اذا حلفت علی یمین فکفر عن یمینک ثم انت الذی ھو خیر ‘‘جب تم کسی چیز پر قسم کھاؤ تو اپنی قسم کا کفارہ دو پھر وہ کام کرو جو اس سے بہتر ہے۔

اگر یہ حدیث درجہ صحت میں ہے تو اس کی تاویل یہ ہے کہ لفظ ''ثم'' اس حدیث میں واو کے معنی میں ہے اس طرح سے مختلف روایتیں جمع ہو جاتی ہیں۔ لفظ ''ثم'' کا ''واو'' کے معنی میں استعمال ہونے کی دلیل اللہ تعالی کا یہ ارشاد ہے کہ فرمایا ''او مسکینا ذا متربۃ ○ ثم کان من الذین امنوا۔'' (یا خاک نشین محتاج کو کھانا کھلاتا اور ان لوگوں میں ہوتا جو ایمان لے آئے 90 البلد 16) اس میں لفظ 'ثم' واو کے معنی میں ہے کیونکہ اعمال صالحہ ایمان سے پہلے معتبر نہیں اور اسی لئے قسم توڑنے سے پہلے کفارہ واجب نہیں ہوتا اور اگر ایسا ہی ہوتا جیسا انہوں نے کہا ہے تو پہلے کفارہ واجب ہو جاتا پھر تعمیل حکم میں اس کے بعد قسم توڑنا ہوتا کیونکہ اس کا حکم اس کے بعد آیا ہے۔ اور اگر پہلے یا بعد کسی طرح کفارہ دینے کا اختیار دیا جائے تو ''ثم'' کے معنی پر عمل نہیں ہوگا۔ نیز (ہماری دلیل) یہ بھی ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اس کی تمام قسموں کا نام کفارہ ہے۔ اس طرح ان کے پاس قسم توڑنے کے بعد کفارہ کو اس کی تمام قسموں پر محمول کیا گیا ہے اور قسم توڑنے سے پہلے یہ لفظ صرف بعض قسموں کے لئے مختص کیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے لفظ کفارہ کے ظاہری معنی تین وجہ سے چھوٹ رہے ہیں۔

(1) لفظ کفارہ کفر سے ہے اور جس کے معنی چھپانے کے ہیں۔ کفارہ کو اس لئے کفارہ کہتے ہیں کہ وہ گناہوں کو چھپاتا ہے اور قسم توڑنے سے پہلے کوئی جنایت (جرم) ہی نہیں ہے کہ جس کو چھپایا جائے لہٰذا یہ گناہ سرزد ہونے کے بعد میں متصور ہوگا۔

(2) دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں امر کو وجوب سے جواز کی طرف پھیرنا لازم آتا ہے۔

(3) تیسری وجہ یہ ہے کہ ایسی صورت میں کفارہ اپنی بعض قسموں کے ساتھ مخصوص ہو جائے گا۔ (ماخوذ از نیل الاوطار، بدائع، عمدۃ القاری، عمدۃ الرعایہ، فتح القدیر، شروح کنز)

39/4469۔ حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اقتدار طلب مت کرو کیونکہ تم کو اقتدار بغیر مانگے کے عطا ہو جائے تو اس پر تمہاری مدد کی جائے گی۔ اور اگر مانگنے کے بعد عطا ہو تو تم اس کے حوالے کر دئے جاؤ گے۔ اور جب تم کسی چیز پر قسم کھاؤ: اور دوسری چیز اس سے بہتر دیکھو تو اس کام کو جو بہتر ہے اسے کرو اور اپنی قسم کا کفارہ دیدو۔ اور اس میں "فکفر" (یعنی) فاء کے ساتھ بھی روایت آئی ہے۔ (بخاری)

40/4470۔ ابوالاحوص عوف بن مالکؒ نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے چچا زاد بھائی کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں میں ان کے پاس جاتا ہوں اور مانگتا ہوں تو وہ مجھے نہیں دیتے اور میرے ساتھ صلہ رحمی بھی نہیں کرتے ہیں۔ پھر جب ان کو میری ضرورت ہوتی ہے تو میرے پاس آتے ہیں اور مجھ سے مانگتے ہیں اور میں قسم کھا چکا ہوں کہ میں ان کو نہیں دونگا اور ان کے ساتھ صلہ رحمی نہیں کرونگا۔ تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں ان کے ساتھ وہ برتاؤ کروں جو بہتر ہے اور اپنی قسم کا کفارہ دوں (نسائی)

41/4471۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر کوئی آدمی اپنے گھر والوں کے بارے میں قسم کھا کر قسم پر مصر رہے 13 تو یہ اللہ تعالی کے پاس قسم کو توڑ کر اللہ کے فرض کردہ کفارہ دینے سے بڑھ کر گناہ کی چیز ہے (کیونکہ ایسی قسم پر قائم رہنا حقوق کو تلف کرنا ہے) (متفق علیہ)

42/4472۔ اور انہی سے (یعنی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری قسم اس چیز پر ہوگی جس پر تمہارا فریق تمہاری تصدیق کرے۔ (مسلم)

---

13 قولہ لان یلج احد کم بیمینہ الخ :اگر کوئی آدمی اپنے گھر والوں کے بارے میں قسم کھا کر قسم پر مصر رہے) اس حدیث شریف کا مضمون گذری ہوئی احادیث کا ہی

43/4473۔ انہی سے (سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے) مروی ہے آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قسم، قسم کھلانے والے کی نیت کے مطابق ہوتی ہے۔ (مسلم) اس حدیث شریف کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہاں قسم کھلانے والے سے مراد مظلوم ہے جو قسم کھلا رہا ہے 14۔

مضمون ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر آدمی کسی بات پر قسم کھائے پھر اس سے بہتر دوسری چیز دیکھے تو اس کو چاہئے کہ اس قسم کو توڑے اور دوسری بہتر چیز پر عمل کرے اور کفارہ دے۔ اور اہل وعیال کے متعلق کسی مسئلہ میں قسم جس کو پورا کرنے سے ان کو ضرر پہنچتا ہے اور ان کا حق ضائع ہوتا ہے۔ تو یہ بھی منجملہ ان صورتوں کے ہے جس میں قسم توڑ کر اس سے بہتر اور اچھے کام کو اختیار کرنا چاہئے۔

اب یہ بات باقی رہتی ہے کہ اسم تفضّل کے صیغہ سے سمجھ میں آتا ہے کہ قسم توڑنے میں بھی اور کفارہ دینے میں بھی گناہ ہے۔ حالانکہ قسم توڑنے میں ہی بھلائی ہے اور اس قسم کو توڑنا بھی واجب ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بظاہر قسم توڑنے میں اللہ تعالی کی حرمت وتقدس کو پامال کرنا معلوم ہوتا ہے۔ یا یہ کہ قسم کھانے والے کو یہ وہم ہوسکتا ہے کہ قسم توڑنے میں شائد گناہ ہے (ماخوذ از لمعات)

اور برماوی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے فرمایا کہ ''آثم'' اسم تفضّل ہے جو مشارکت کو چاہتا ہے۔ اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کفارہ دینے میں بھی گناہ ہے۔ کیونکہ قسم توڑنے میں اللہ تعالی کے نام پاک کی تعظیم نہ کرنا لازم آتا ہے۔ اور قسم توڑنا اور کفارہ دینا عام پر لازم وملزوم ہیں۔ (مرقات)

14 **قولہ وھو محمول علی المستحلف المظلوم** (قسم کھلانے سے مراد مظلوم ہے جو قسم کھلا رہا ہے) ردالمحتار میں اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ صاحب ''خانیہ'' نے

فرمایا ہے کہ ایک آدمی کسی آدمی کو قسم دلایا اور وہ قسم کھالیا اور اس نے قسم کھلانے والے کے منشا کے خلاف نیت کی تو، طلاق اور عتاق اور اس جیسی چیزوں میں قسم کھانے والے کی نیت ہی کا اعتبار ہوگا جب کہ قسم کھانے والا ظاہر کے خلاف نیت نہ کرے خواہ قسم کھانے والا ظالم ہو یا مظلوم اور اگر اللہ تعالی کی قسم ہو اور قسم کھانے والا مظلوم ہو تو نیت قسم کھانے والے کی ہوگی اور قسم کھانے والا ظالم ہو اور دوسرے کا حق باطل کرنا چاہتا ہے تو قسم کھلانے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا۔ اور یہ امام اعظم اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ''اذالم ینو خلاف الظاھر۔'' (جب کہ وہ ظاہر کے خلاف نیت نہ کرے) اس کی قید لگانا دلالت کرتا ہے کہ قسم کھانے والے کی نیت کا اعتبار قضاء ہے کیونکہ دیـــانۃً اس کی نیت کا اعتبار کرنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور اسی سے اس میں اور امام خصافؒ کے مذہب میں فرق معلوم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ان کے پاس قضاء میں بھی نیت کا اعتبار ہے۔ اور جب قسم کھانے والا مظلوم ہو تو ان کے مذہب پر فتوی دیا جاتا ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے اور فتاوی ہندیہ میں محیط سے منقول ہے کہ ابراہیم نخعیؒ نے فرمایا وبہ اخذا صحابنا (اور اسی کو ہمارے اصحاب نے اختیار کیا ہے۔) اور اس کا خلاصہ جیسا کہ درمختار میں ہے کہ فقہاء نے کہا ہے کہ طلاق یا عتاق میں قسم کھانے والے کی نیت کا اعتبار ہے۔ اور مظلوم اللہ تعالی کی قسم کھاتا ہے تو اسی کی نیت کا اعتبار ہوگا اور اگر وہ قسم کھانے والا ظالم ہے تو قسم کھلانے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا۔ اور اللہ تعالی کی قسم میں قضاء کا کوئی تعلق نہیں۔ 12

44/4474۔ حضرت سوید بن حنظلہ رضی اللہ تعالی عنہ نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کی زیارت) کے ارادہ سے نکلے اور ہمارے ساتھ وائل بن حجر رضی اللہ تعالی عنہ تھے ان کے ایک دشمن نے انہیں پکڑلیا اور لوگ قسم کھانے میں حرج محسوس کئے لیکن میں نے اس بات پر قسم کھالی کہ یہ میرے بھائی ہیں تو اس (دشمن) نے ان کو چھوڑ دیا۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے میں نے اس کا ذکر کیا۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''تم ان لوگوں سے بڑھ کر نیک اور سچے ہو۔ 15 تم نے سچ کہا ہے۔ مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔'' (احمد ابن ماجۃ)

ابراہیم نخعیؒ نے ذکر کیا ہے کہ قسم کھانے والا مظلوم ہے تو قسم اس کی نیت کے مطابق ہوگی اور اگر قسم کھانے والا ظالم ہے تو قسم کھلانے والے کی نیت کے مطابق ہوگی۔

---

15 قولہ انت کنت ابرھم و اصدقھم (تم ان لوگوں سے بڑھ کر نیک اور سچے ہو) حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اس امر پر اجماع نقل فرمایا ہے کہ کسی کے قسم کھلائے بغیر کوئی قسم کھائے جب کہ اس کی قسم کھانے سے کسی کا حق متعلق نہ ہو رہا ہو تو اس کی نیت کا اعتبار کیا جائے گا اور اس کے قول کو قبول کیا جائے گا۔ اور اگر اس پر کسی کا حق ہے تو بلا اختلاف اس قسم کے ظاہر پر حکم لگایا جائے گا خواہ اپنے طور پر ہو یا کسی کے قسم کھلانے سے وہ قسم کھایا ہو۔ (انتھی ملخصاً)

اور مسلم شریف کی حدیث کے ظاہری مفہوم کے خلاف جب اجماع صحیح ثابت ہو گیا تو اب اس پر اعتماد کیا جائے گا اور سوید بن حنظلہ رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے جو اس باب میں مذکور ہے۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے ان کی قسم میں نیک ہونے کا حکم فرمایا ہے باوجود اس کے کہ وہ صرف اپنی نیت کے اعتبار سے نیک تھے کیونکہ انہوں نے مجازی اُخوت مراد لی اور ان سے قسم کا مطالبہ کرنے والے نے حقیقی بھائی سمجھا۔ ہوسکتا ہے اجماع کے لئے یہی چیز سند ہو۔ (نیل الاوطار ملخصاً 12)

45/4475 ۔ سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا "لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم" (اللہ تعالی تمہاری لغو قسموں پر تم سے مواخذہ نہیں کرے گا) یہ آیت (5 المائدہ 89) ایسے شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے 16 جو "لا واللہ یا بلی واللہ (نہیں خدا کی قسم اور کیوں نہیں اللہ تعالی کی قسم) کہتے ہوئے (تکیہ کلام کے طور پر) قسم کھایا کرتا ہے۔

(بخاری) صاحب شرح السنۃ نے مصابیح میں اس کی وضاحت کی ہے اور کہا ہے کہ "رفعه بعضهم عن عائشةؓ" (اس حدیث کو بعض راویوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مرفوعا روایت کیا ہے۔)

---

16 قولہ انزلت هذه الاية الخ (یہ آیت ایسے شخص کے بارے میں نازل ہوئی)

اس بات کو جانو کہ قسم کی تین قسمیں ہیں: 1۔لغو 2۔غموس 3۔منعقدہ

1۔لغو قسم یہ ہے کہ آدمی کسی گزرے ہوئے کام پر یہ سمجھ کر کہ وہ سچ ہے قسم کھائے حالانکہ وہ اس کے برخلاف ہے، یہ حنفیہ کے پاس (لغو) ہے۔

اور عبداللہ بن عباس، عطاء، بن ابی رباح رضی اللہ تعالی عنہم سے لغو کی تفسیر میں یہی روایت ہے اور یہی بات دیگر متون، ہدایہ اور اس کے شروح میں مذکور ہے اور ربیعہ، مالک، لیث، حسن، مجاہد، نخعی، زہری، سلیمان بن یسار، قتادہ، سدی اور مکحول رحمہم اللہ تعالی کا یہی قول ہے۔

اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں اور فتح القدیر میں ہے کہ ابن منذرؒ اور دوسروں نے حضرت ابن عمر اور ابن عباس اور دیگر صحابہ علیہم الرضوان سے اس کو نقل کیا ہے۔

لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس یمین لغو وہ قسم ہے جس کے ساتھ عزم نہ ہو اس طرح سے کہ سبقتِ لسانی ہو جائے یا اس کے معنی سے ناواقف ہو کر قسم کھائے جیسے عرب میں لا واللہ اور بلی واللہ کہنے کا رواج ہے یہ محض اپنی بات کی تاکید کے لئے ہوتی ہے۔

اور لغو کی یہ تفسیر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی ہے یہی قول شعبیؒ، طاؤسؒ اور عکرمہؒ کا ہے۔ امام زیلعیؒ نے نقل کیا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق روایت آئی ہے اور کتاب ''الاختیار'' میں ہے کہ اس قول کو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے امام محمدؒ نے نقل کیا ہے۔ اسی طرح بدائع میں منقول ہے کہ پہلا قول ہمارے اصحاب کا ہے۔ پھر انہوں نے کہا کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے اس کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ قسم لغو وہ ہے جو لوگوں کے درمیان ''لا واللہ، بلی واللہ'' (تکیہ کلام کے طور پر) جاری ہے تو یہ ہمارے پاس ماضی یا حال پر محمول ہے۔ اور یہ قسم لغو ہے۔

ثمرہ اختلاف ہمارے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان اس قسم کے بارے میں ہے جس میں قسم کھانے والا مستقبل کا ارادہ نہیں کیا تو ایسی قسم ہمارے پاس لغو نہیں ہے البتہ اس میں کفارہ دینا ہے۔ اور شافعیہ کے پاس لغو ہے جس میں کفارہ بھی نہیں ہے۔ تو صاحب بدائع کا قول ''فذلک محمول عندنا الخ'' ''وما ذکر محمد'' الخ کی خبر ہے۔

اور یہ اس روایت پر مبنی ہے جو امام اعظم رحمۃ اللہ سے منقول ہے اور اس سے ان کی مراد اس قول میں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں فرق کو ظاہر کرنا ہے اور وہ فرق یہ ہے کہ اگر یہ قسم مستقبل کے لئے ہو تو بھی امام شافعی کے پاس لغو ہے اور ہمارے پاس مستقبل کی لغو تو لغو نہیں۔

اور ہماری دلیل اللہ تبارک وتعالی کا یہ ارشاد ہے ''لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم ولکن یؤاخذکم بما عقدتم الایمان (5 المائدۃ 89) (اللہ تعالی تمہاری قسموں میں سے جو لغو (بے معنی) ہوں ان پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا البتہ ان قسموں پر مؤاخذہ کرے گا جس کے لئے تم نے پکا ارادہ کیا ہو۔)

اس میں لغو کو یمین منعقدہ کے مقابل میں ذکر کیا گیا ہے اور دونوں کے درمیان مؤاخذہ اور عدم مؤاخذہ سے فرق کیا گیا ہے۔ اور اس مقابلہ کے اثبات کے لئے یمین لغو کا یمین کے مغائر ہونا ضروری ہے۔

اور مستقبل میں قسم یمین منعقدہ ہوگی خواہ بالا رادہ ہو یا بلا ارادہ ہو کیونکہ لغت میں لغو ایسی چیز کو کہتے ہیں جو باطل اور بے حقیقت ہو جیسے اللہ تعالی کا ارشاد ہے ''لا یسمعون فیھا لغوا'' (56الواقعہ 25) (اس (جنت) میں وہ لغو کلام نہیں سنیں گے) اس میں لغو، باطل کے معنی میں ہے اور یہی ہمارا قول ہے کہ یمین لغو وہ قسم ہے جس کی حقیقت نہیں ہوتی بلکہ قسم کھانے والے کا ایک گمان ہوتا ہے کہ معاملہ ایسا ہی ہے حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہوتی ہے۔ اسی طرح سے جو چیز زمانہ ماضی یا حال سے متعلق تکیہ کلام کے طور پر بلا ارادہ زبان پر جاری ہو جاتی ہے تو یہ منجملہ ان چیزوں کے ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی تو یہ لغو ہے۔ اس کے لئے کوئی حکم نہیں ہے اور یہ یمین منعقدہ نہیں ہوتی کیونکہ یمین منعقدہ کے لئے حکم ہوتا ہے۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ یمین منعقدہ میں مؤاخذہ اور کفارہ نص سے ثابت ہے تو اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ یمین لغو وہی ہے جو ہم نے بیان کیا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے یمین لغو کی یہ تفسیر مروی ہے کہ یمین لغو یہ ہے کہ آدمی کسی جھوٹی بات پر یہ سمجھتے ہوئے قسم کھائے کہ وہ سچا ہے اور اس سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کے قول اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مفہوم کی وضاحت معلوم ہوتی ہے کہ یمین لغو وہ قسم ہے جو لوگوں کی گفتگو ''لا واللہ، بلی واللہ'' زمانہ ماضی کے بارے میں جاری ہوتی ہے نہ کہ مستقبل کے بارے میں۔ اس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کا قول ہے کہ آپ نے بھی زمانہ ماضی سے اس کی تفسیر کی ہے۔ چنانچہ حضرت مطر رضی اللہ تعالی عنہ ایک صاحب سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے پاس گئے اور میں نے ان سے یمین لغو کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ کسی آدمی کا فعلنا واللہ کذا (خدا کی قسم ہم نے ایسا عمل کیا) کہنا یمین لغو ہے۔ اور یہ روایت اس (ماضی) پر محمول کی جائے گی تاکہ دونوں روایتوں میں مطابقت ہو جائے چونکہ مجمل مفسر پر محمول ہوتا ہے۔

46/4476 ۔ عطاء ابن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ میں اور عبید بن عمیر لیثی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھے تو حضرت عبیدؒ نے ان سے اللہ بزرگ کے اس ارشاد لایؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم کے بارے میں دریافت کیا۔ تو آپ نے فرمایا آدمی اپنے علم کے مطابق قسم کھائے پھر اس کو اپنے علم کے مطابق نہ پائے تو اس میں کفارہ نہیں ہے۔ (بیہقی)

47/4477 ۔ ابن جریر اور ابن منذرؒ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آپ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا لغو ایک غلط جھوٹی بات پر قسم کھانا ہے۔ جب کہ وہ اس کو صحیح سمجھ رہا ہے حالانکہ دراصل وہ اس کے گمان کے برخلاف ہے۔

48/4478 ۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پانچ چیزیں ایسی ہیں (ایسا بڑا گناہ ہیں) کہ ان کے لئے کوئی کفارہ نہیں ہے۔

بطور خلاصہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ لغو کی ہمارے پاس دو قسمیں ہیں۔

1۔ ایک وہ قسم ہے جس کا ذکر متون میں ہے۔

2۔ دوسری قسم وہ ہے جو اس روایت میں مذکور ہے۔ (یعنی ماضی یا حال میں لا واللہ، بلی واللہ کہنا) تو یہ روایت اس قسم کا بیان ہو جائے گی جس کے بارے میں اصحابِ متون نے سکوت اختیار کیا۔ اور فتح القدیر میں یمین لغو کی دونوں وضاحتوں پر مؤاخذہ نہ ہونے کی صراحت موجود ہے۔ (ماخوذ از ردالمحتار اور بدائع) یمین غموس اور منعقدہ کی وضاحت اس کے بعد آنے والی حدیث میں موجود ہے۔

1۔ اللہ تعالی کے ساتھ شرک کرنا۔
2۔ ناحق کسی نفس کو قتل کرنا۔
3۔ کسی مومن پر تہمت لگانا۔
4۔ جنگ کے دن بھاگ جانا۔
5۔ جھوٹی قسم کھالینا تاکہ ناحق مال کھا جائیں 17۔ (احمد)

---

17 قولہ یمین صابرۃ الخ (زبردستی جھوٹی قسم کھالینا) یمین صابرہ، یمینِ غموس ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی گزرے ہوئے کام پر یہ جانتے ہوئے کہ یہ خلافِ واقعہ ہے عمداً جھوٹی قسم کھائے۔

یمینِ منعقدہ = آئندہ زمانہ میں کسی کام پر خواہ اس کا ارادہ رکھا ہو یا ارادہ نہ رکھا ہو قسم کھانا منعقدہ ہے۔

اور ہمارے پاس یمین منعقدہ میں اگر قسم توڑ دے تو اس پر کفارہ واجب ہے اور گنہگار ہوگا ورنہ (قسم نہ توڑے تو کفارہ واجب نہیں ہے اور یمین لغو اور غموس میں اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔ یمین غموس میں کفارہ نہیں ہے مگر بہت بڑا گنہگار ہوگا۔ البتہ توبہ اور استغفار کرے اور یمین لغو میں بھی کفارہ نہیں ہے۔ اور اس میں معاف کئے جانے کی امید ہے۔ اور حضرت امام شافعیؒ کے پاس منعقدہ میں جس طرح کفارہ واجب ہوتا ہے، یمین غموس میں بھی واجب ہوتا ہے اور یہ حدیث شریف ہماری تائید کرتی ہے دلائل کے ساتھ مزید تحقیق تفسیرات احمدیہ اور فقہ کی کتابوں سے معلوم کی جاسکتی ہے (ماخوذ از ہدایہ، ردالمحتار و تفسیرات احمدیہ)

49/4479 ۔ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ ان دونوں نے ''فصیام ثلاثۃ ایام متتابعات'' یعنی متتابعات کے اضافہ کے ساتھ قرأت کی ہے (پس کفارہ یمین میں مسلسل تین دن کے روزے رکھنا ہے) 18 اس کو امام احمد نے نقل کیا اور حضرات اثرمؒ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے۔

50/4480 ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر کسی چیز پر کوئی آدمی قسم کھائے 19 (قولہ من حلف علی یمین الخ (اگر کسی چیز پر کوئی آدمی قسم کھائے) اور انشاء اللہ کہے تو اس پر قسم توڑنے سے کوئی گناہ نہیں ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

---

18 قولہ انهما قرآ الخ (ان دونوں کی قرأت) اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تین چیزوں میں سے کسی چیز پر قدرت نہ ہو تو مسلسل تین دن کے روزے رکھے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ چونکہ نص مطلق ہے اس لئے اس کو اختیار ہے خواہ الگ الگ رکھے یا مسلسل رکھے۔ اور ہماری دلیل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کی قرأت ہے ''فصیام ثلاثۃ ایام متتابعات''۔ اور یہ خبر مشہور ہے اور کتاب اللہ کے مطلق پر خبر مشہور سے زیادتی جائز ہے۔ اور یہ حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ (ماخوذ از ہدایہ، بنایہ)

19 قولہ: من حلف علی یمین ۔ الخ (اگر کسی بات پر کوئی آدمی قسم کھائے) اس کا مطلب یہ ہے کہ جو آدمی اپنی قسم کے ساتھ بلا فصل ان شاء اللہ کہے گا تو اس کی قسم باطل ہو جائے گی۔ اس سے وہ قسم خارج ہے جس میں آدمی اپنی قسم کے بعد ان شاء اللہ فوری نہ کہا ہو اور یہ قسم باطل نہیں ہوتی کیونکہ استثناء کا عمل بلا فصل ہونے کی صورت میں ہوتا ہے۔ بالفصل ہو تو اس کا عمل نہیں ہوتا۔ (ماخوذ از شرح وقایہ، عمدۃ الرعایہ) اگر تم یہ کہو کہ حدیث مطلق ہے اس میں وصل وفصل کا فرق نہیں کیا جائے گا تو اس کے جواب میں، میں کہوں گا کہ منصوص علیہ اور

غیر منصوص علیہ دلائل سے معاملات کا جو لزوم ثابت ہوتا ہے وہ سب اتصال کو واجب قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ ان شاء اللہ دیر سے کہنے کو جائز قرار دیا جائے تو سارے معاملات (جیسے بیع، نکاح وغیرہ وغیرہ) کوئی چیز ذمہ لازم نہیں رہے گی اور اس میں جو فساد ہے کسی پر پوشیدہ نہیں۔ علامہ عینیؒ نے ایسا ہی کہا ہے۔ اور صدر الشریعہ نے استثناء بالا قصال کے عدم جواز پر ایک حدیث کا بھی ذکر کیا ہے۔

فلیکفر عن یمینه (اپنی قسم کا کفارہ دے) اس حدیث شریف میں کفارہ کو لازم قرار دیا گیا ہے۔ اور اگر بیان تغییر یعنی استثناء منفصل جائز ہوتا تو کسی قسم میں کفارہ بالکل لازم ہی نہ ہوتا۔ کیونکہ اگر یہ جائز ہو جائے گا تو استثناء منفصل (ان شاء اللہ دیر سے کہنا) جائز ہو جائے گا تو قسم ہی باطل ہو جائے گی۔ (التعلیق الممجد)۔ نیز امام بیہقیؒ اور امام دار قطنیؒ کی حدیث شریف جو کتاب میں مذکور ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور عمدۃ القاری میں ہے کہ استثناء سے یہاں مراد لفظ ان شاء اللہ ہے۔ نحوی اصطلاحی استثنا مراد نہیں ہے جیسے "**واللہ لأفعلن كذا ان شاء الله تعالى** (اللہ کی قسم میں ضرور ایسا کروں گا ان شاء اللہ) یا **والله لا أفعلن كذا ان شاء الله** " (اللہ کی قسم میں ایسا ہر گز نہیں کروں گا ان شاء اللہ) اور اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

حضرت ابراہیم، حضرت حسن بصری، حضرت ثوری امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب، امام اوزاعی، حضرت لیث اور جمہور علماء نے فرمایا کہ قسم کے ساتھ استثناء ہو تو اس کا متصل (بلا وقفہ) ہونا شرط ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمائے کہ کلام اول کے ساتھ استثناء ہو تو اس کا متصل ہونا شرط ہے۔ اور اس کا اتصال بالترتیب ہو۔ اور اگر دونوں کے درمیان سکوت ہو تو استثناء ختم ہو جائے گا۔ سوائے اس کے کہ کسی چیز کو یاد کرنے کے لئے یا سانس لینے یا زبان کے رک جانے یا آواز کے منقطع ہو جانے کی وجہ سے ہو (ایسی صورت میں استثناء متصل رہے

51/4481۔ انہی (عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے روایت کی ہے کہ اگر استثناء بلا فصل ہو تو اس قسم کے توڑنے سے گناہ نہیں اور اگر وہ استثناء بالفصل ہو تو قسم توڑنے والا گنہ گار ہو گا۔ (سنن بیہقی)

اور امام دار قطنی نے انہی سے (عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے ایسا ہی موقوفاً روایت کی ہے۔

گا) طلاق اور عتاق میں استثناء کے بارے میں اختلاف ہے۔ ابن ابی لیلی، امام اوزاعیؒ۔ امام لیثؒ اور امام مالک رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس میں استثناء جائز نہیں ہے۔ اسی طرح کی ایک روایت حضرت عبداللہ بن عباس اور ابن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے آئی ہے۔

طاؤس، نخعی، حسن اور ایک روایت میں عطاء اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب، امام شافعی اور ان کے اصحاب، اور امام اسحاق رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا (اس میں) استثناء جائز ہے۔ (ختم شد)

اور البحر الرائق میں ہے کہ صاحب کنز کے کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آدمی اپنی قسم کے ساتھ اگر ان شاء اللہ متصل کہے گا تو وہ قسم پوری کرے کیونکہ یہ قسم منعقدہ ہے۔ البتہ اس پر اس طرح کی قسم توڑنے کا کوئی گناہ نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے کوئی آگاہی نہیں ہے۔ اور یہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے پاس تعلیق بالمشیت (قسم کے ساتھ ان شاء اللہ کہنا) قسم کو باطل کر دیتا ہے۔ اسی لئے کتاب "تبیین" میں ہے کہ ان کے قول "بِرّ" سے قسم کا منعقد نہ ہونا مراد ہے کیونکہ عدمِ حنث اور بر ایک ہی ہے اسی لئے عدمِ حنث پر "بر" کا اطلاق کیا گیا ہے۔ فقہاء کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ عبادات و معاملات کی ہر وہ چیز جس کا تعلق قول سے ہے جب وہ ان شاء اللہ کے ساتھ متصل کہی جائے تو باطل ہو جاتی ہے برخلاف قلب سے تعلق رکھنے والی چیزوں کے جیسے نیت وغیرہ ہے (ان شاء اللہ سے وہ باطل نہیں ہوتے)۔

(3/164) باب فی النذور

منتوں کا بیان

اللہ بزرگ و برتر کا ارشاد ہے

''ولیوفوا نذورھم''1 (اور وہ اپنی منتوں کو پوری کریں (22 الحج 29)

اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے

ولا تزر وازرۃ وزر اخری ''(اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے (کے گناہوں) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا) (35 فاطر 18)

52/4482 ۔سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے ان دونوں نے فرمایا رسول اللہ نے ارشاد فرمایا نذر مت مانو2 کیونکہ نذر تقدیر کے مقابلہ میں کچھ کام نہیں دیتی صرف اتنا ہے کہ نذر کی وجہ سے بخیل سے (مال) نکالا جاتا ہے۔ (متفق علیہ)

---

1 قولہ ولیوفوا نذورھم ۔(اور وہ اپنی منتوں کو پورا کریں) یہ امر وجوب کے لئے ہے۔اگرچہ یہ آیت کریمہ ایک مخصوص نذر کے بارے میں آئی مگر عموماً اس سے مطلق نذر کو پورا کرنا واجب ہونے پر استدلال کیا گیا ہے۔کیونکہ اس میں نذر پورا کرنے کا حکم ہے۔ اور ہمارے پاس نص اپنے مورد اور سبب کے ساتھ خاص نہیں ہوتی پس اس سے ہر نذر کو پورا کرنے کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔اور یہاں لفظ وجوب کو فرض کے مقابلہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ عام خص عنہ البعض ہے (یعنی اس عام کے بعض افراد کو اس حکم سے خاص کر دیا گیا

ہے) جیسے گناہ کی نذر ماننا یا طاعتِ غیر مقصودہ کی نذر ماننا (یہ اس سے خارج ہو گئے) پس یہ عام ظنی ہوا اور اسی لئے اس پر لفظ وجوب کا جس میں احتمال ہوتا ہے اطلاق کیا گیا۔

2 قولہ لاتنذروا الخ (نذر مت مانو کیونکہ نذر تقدیر کے مقابلہ میں کچھ کام نہیں دیتی۔ اس میں جو نذر سے منع کیا جا رہا ہے وہ نذر کے پورا کرنے کی تاکید کے لئے ہے کہ نذر کرنے کے بعد اس کو پورا کرنے میں سستی نہ کی جائے۔ اگر اس سے مراد نذر سے روکنا ہوتا تو نذر ماننا معصیت ہو جاتا اور اس کا حکم باطل ہو جاتا اور اس کو پورا کرنا ساقط ہو جاتا اس حدیث شریف کے ذریعہ آپ نے یہ بتایا ہے کہ نذر ان کو نہ کوئی نفع دے سکتی ہے اور نہ کوئی ضرر کو ان سے دور کر سکتی ہے۔ اور نہ اللہ تعالی کے فیصلہ کی ہوئی چیز کو رد کر سکتی ہے۔ حضور پاک کا فرمان ''نذر مت مانو'' اس بناء پر ہے کہ اللہ تعالی نے تمہارے لئے جب کسی چیز کو مقدر نہیں کیا ہے تو تم اس کو نذر کے ذریعہ نہ حاصل کر سکتے ہو اور نہ اللہ تعالی کا جو تم پر فیصلہ ہو چکا ہے ہٹا سکتے ہو پھر بھی جب تم نذر مان لو تو اس کو پورا کرو کیونکہ تم جس چیز کی نذر مانے ہو وہ تمہارے لئے ضروری ہے۔

حدیث شریف میں نذر سے جو منع کیا گیا ہے دراصل اس میں اخلاص کے ساتھ نذر ماننے اور اس کو پورا کرنے کی ترغیب ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد سے کہ ''تقدیر کے مقابلہ میں نذر کچھ کام نہیں دیتی'' نذر سے منع کرنے کی جو علت بیان فرمائی ہے اس سے اس خیال فاسد پر کہ نذر تقدیر کے مقابلہ میں کام دیتی ہے تنبیہ فرمائی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ منع کرنے کا تعلق مطلق نذر سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق ان کے اس خیال فاسد سے ہے کہ ''نذر تقدیر کو روک سکتی ہے''۔ (مرقات، لمعات) اسی لئے ردالمحتار میں ہے: تم اس بات کو جانو کہ نذر شریعت میں تقرب کی چیز ہے۔ اس لئے کہ اس سے لازم آنے والی عبادتیں نماز، روزہ، حج اور حلق وغیرہ سب تقرب کی چیزیں ہیں۔ اور اس کا مشروع ہونا اس لئے ہے کہ اس کو پورا کرنے کے احکام دئے گئے ہیں۔ عمدۃ القاری میں ہے کہ اطاعت کی نذر کو پورا

53/4483 ۔ سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمائے گناہ کے کام میں نذر نہیں ہوتی 3 اور اس کا کفارہ یمین کا کفارہ ہے۔

(ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) اور امام طحاوی اور ابوعلی بن سکن نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

اس میں نذر کرنے والوں کی تعریف آئی ہے۔ اور نذر ماننے کے بارے میں اختلاف ہے۔ اس کو مستحب بھی قرار دیا گیا ہے اور مکروہ بھی کہا گیا ہے۔ امام نووی کے پاس یہی بات مؤکد ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو خلافِ اولی فرمایا ہے۔ اور بعض متاخرین نے منع کو غیر شرعی نذر پر محمول کیا ہے اور نیکی کی نذر ماننے کو مستحب قرار دیا ہے۔ ہم عنقریب دونوں کی وضاحت اسی باب میں ان شاء اللہ بیان کریں گے۔

کرنے پر اجماع ہوگیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے

"اوفوا بالعقود" معاملات کو تم پورا کرو

"یوفون بالنذر" وہ نذر کو پورا کرتے ہیں

3 **قولہ لانذر فی معصیۃ الخ** : (گناہ کے کام میں نذر نہیں ہوتی) جانو اس بات کو کہ نذر اگر کسی طاعت کے کام میں ہو تو وہ بالاتفاق لازم ہے۔ اور اگر معصیت میں ہو تو اس کو پورا کرنا جائز نہیں۔ البتہ نذرِ معصیت کے منعقد ہونے کے بارے میں علماء کے مابین اختلاف ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نذرِ معصیت بالکل منعقد نہیں ہوتی۔ اور نذرِ معصیت لغو ہے جس میں کفارہ نہیں ہے۔ اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس نذرِ معصیت بطور قسم منعقد ہوجاتی ہے مگر اس کو پورا کرنا نہیں ہے بلکہ اس میں کفارہ دینا ہے۔

اور امام طحاویؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ آدمی جب معاصی کی نذر ماننے مثلاً

یہ کہے "لـلـه علی ان اقتل فلانا" "اللہ تعالی کے لیے میں فلاں کوقتل کردوں گا" تو اب یہ قسم ہے اور اس کو توڑ کر کفارہ دینا ضروری ہے۔ اس کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے جو اس باب میں مذکور ہیں۔ (ملخص از سندھی، کوکب دری، ردالمختار، مرقات)۔ اور اگر اس مذہب کی مزید تفصیل چاہیے تو العرف الشذی میں دیکھ لیں۔

صاحب مبسوط نے نقل کیا ہے کہ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: نذر معصیت پر کوئی چیز واجب نہیں کیونکہ معاصی کی نذر ماننے سے نہ ان کو کرنا ضروری ہوتا ہے اور نہ کفارہ دینا ہے کیونکہ کفارہ قسم کی وجہ سے واجب ہونے والی نیکی کا خلیفہ ہے یا وہ پھر اس چیز کا خلیفہ ہے جس کو نذر کی وجہ سے پورا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اور یہ چیز تو نذر معصیت میں پائی ہی نہیں جاتی۔

حکایت :۔ بیان کیا جاتا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امام شعبیؒ کے پاس گئے اور یہ مسئلہ (یعنی گناہ کی نذر ماننے سے متعلق) ان سے دریافت کیا۔ امام شعبیؒ نے فرمایا کہ اس پر کوئی چیز واجب نہیں کیونکہ جس چیز کی نذر کی گئی وہ معصیت ہے۔ تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کیا ظہار معصیت نہیں ہے اور اللہ تعالی نے اس میں کفارہ کا حکم فرمایا ہے؟ امام شعبی حیران ہو گئے۔ اور فرمایا "انـت مـن الآ رائیین" "آپ تو اصحاب رائے یعنی مجتہدین میں سے ہیں۔

اور فتاوی عالمگیری میں ہے اگر کوئی معصیت کی نذر مانے تو وہ درست نہیں ہے البتہ ایسی نذر ماننے سے کفارہ لازم آتا ہے۔ اور نیل الاوطار میں لکھا ہے کہ نذر معصیت میں کفارہ کے واجب ہونے نہ ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ جمہور کے پاس کفارہ واجب نہیں ہے۔ اور امام احمدؒ، امام ثوریؒ، امام اسحٰقؒ اور بعض شافعیہ اور حنفیہ کے پاس کفارہ ہے۔ اور امام ترمذیؒ نے اس بارے میں صحابہؓ کا اختلاف نقل فرمایا ہے۔ اور نذر معصیت کے حرام ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ اور ان کا اختلاف تو صرف وجوب کفارہ کے بارے میں ہے۔

54/4484۔ سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ معصیت کی نذر4 کو پورا کرنا نہیں ہے۔

اور جو وجوب کفارہ کے قائل ہیں وہ اس باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنھا کی مذکورہ حدیث سے اور اس معنی میں دوسری آئی ہوئی حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں۔(انتھی)

اور"**لا نذر فی معصية**" کے معنی یہ نہیں ہے کہ نذر بالکل منعقد نہیں ہوتی کیونکہ آپ کا یہ ارشاد بھی ہے"اس کا کفارہ یمین کا کفارہ ہے" پھر دونوں میں اس کی کوئی مناسبت نہیں رہتی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی نذر کو پورا کرنا نہیں ہے۔ بعض صحیح روایتوں میں وضاحت کے ساتھ یہ بات موجود ہے کہ معصیت کی نذر کو پورا کرنا نہیں ہے۔ (فتح الودود)

4۔قولہ"**لا وفاء لنذر فی معصية**"(معصیت کی کسی نذر کو پورا کرنا نہیں ہے) کیونکہ نذر کے صحیح ہونے اور اس کے پوا کرنے کے وجوب کے لئے چند شرطیں ہیں منجملہ ان کے یہ ہیں

(1)۔نذر اللہ تعالی کے تقرب کے لئے ہو

(2)۔نذر معصیت کی نہ ہو کیونکہ جب وہ فی نفسہ حرام شئے ہے تو اس میں تقرب الی اللہ کی کوئی صورت نہیں ہے اور گر اس میں تقرب الی اللہ کی کوئی صورت ہے لیکن وہ دوسری وجہ سے حرام ہو تو یہ نذر منعقد ہو جائے گی۔ جیسے یوم نحر میں روزہ رکھنے کی نذر ماننا۔ اور اگر وہ ان ایام میں روزہ رکھے گا تو ذمہ داری سے بری ہوگا لیکن گنہگار ہوگا۔ اور زیادہ بہتر صورت یہ ہے کہ کوئی دوسرے دن روزہ رکھ کر نذر پوری کرلے۔ (فتح القدیر)

(3)۔جس چیز کی نذر مانی گئی ہے وہ اس کے ذمہ نذر ماننے سے پہلے واجب نہ ہو۔ اگر شرعی حج یا نماز ظہر یا اس جیسی کسی چیز کی نذر مانے تو ان چیزوں کے سوا دوسری کوئی چیز بطور نذر واجب نہیں ہوگی۔

اور نہ ایسی چیز کی نذر کو جس کا بندہ مالک نہیں ہے۔5 (مسلم)

(4)۔ جس چیز کی نذر مانی گئی ہے اپنی ملکیت سے زائد نہ ہو یا اپنی ملکیت میں ہی نہ ہو تو نذر منعقد نہیں ہوگی۔ مثلاً اگر کسی دوسرے کی بکری کے لئے کہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے میں اس کو یوم النحر میں ذبح کرونگا تو وہ نذر درست نہیں ہے۔

(5) وہ ایسی چیز نہ ہو جس کا وجود محال ہے۔ جیسے اگر نذر مانے کہ گذرے ہوئے دن میں روزہ رکھونگا یا گزرے ہوئے دن میں اعتکاف رکھونگا تو یہ نذر درست نہیں۔

(6) اور جس چیز کی نذر مانی گئی ہے وہ شرعاً واجبات کی جنس سے ہو یعنی اس سے صرف فرض مراد نہیں ہے بلکہ فرض یا شرعی واجب مراد ہے۔ نذر ماننے والا اگر ایسی چیز کی نذر مانے جو واجبات کی جنس سے نہ ہو تو نذر واجب نہیں ہے جیسے جنازہ کے ساتھ جانا، مسجد میں داخل ہونا

(7) جس چیز کی نذر مانی گئی ہو وہ عبادت مقصودہ ہو۔ وضو بنانا یا میت کو کفن دینا، غسل دینا وغیرہ کی نذر واجب نہیں ہے۔ (عمدۃ الرعایہ، ردالمحتار)

5۔ قولہ "ولا فیما لا یملک العبد" (جس چیز کا بندہ مالک نہ ہو اس نذر کو پورا کرنا نہیں ہے) اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً یوں کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ میرے بیمار کو شفا دے تو فلاں غلام آزاد ہے جب کہ وہ (غلام) اس کی ملک میں نہیں ہے۔ اور اگر اس نذر کے بعد وہ اس کی ملک میں آجائے تب بھی اس کو یہ نذر پوری کرنا ضروری نہیں ہے۔ اس کے برخلاف جب وہ کسی غلام کی آزادی کو اپنی ملکیت کے ساتھ معلق کرے تو یقیناً وہ ہمارے پاس اس کا مالک ہونے کے بعد آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ نذر کے صحیح ہونے کی ہمارے پاس شرط یہ ہے کہ جس چیز کی نذر مانی گئی ہے وہ نذر ماننے والے کی ملک ہو یا سبب ملک کی طرف اس کی نسبت کی گئی ہو مثلاً وہ یہ کہے کہ میں تجھ کو خریدونگا تو اللہ تعالیٰ کے لئے میرے ذمہ ہے کہ تجھ کو میں آزاد کردوں۔

اور منت کے بارے میں یہ اختلاف ایسا ہی ہے جیسا قبل نکاح طلاق کے بارے میں ہے۔ ملک یا سبب ملک پر طلاق کو معلق کرنے کی احادیث پر قیاس کرتے ہوئے حنفیہ کہتے ہیں کہ جس چیز کی نذر مانی گئی ہے اس کی نسبت سبب ملک کی طرف کی جائے تو نذر صحیح ہے۔ اور اس کو پورا کرنا ضروری ہے۔ مثلاً اگر یہ کہے کہ میں تجھے خرید لونگا تو اللہ تعالی کے لئے میرے ذمہ ہے کہ تجھے آزاد کروں۔ جب بھی خریدی ہو جائے تو نذر کردہ چیز لازم ہو جائے گی۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس طرح معلق کرنا درست نہیں ہے۔ اور ایسی نذر کو پورا کرنا ضروری نہیں کیونکہ کسی چیز کو معلق کر کے کرنا اور اس کو معلق نہ کر کے کرنا دونوں ایک ہی طرح ہیں۔ عدم ملک کی صورت میں جس طرح تنجیز یعنی بغیر معلق کئے کرنا ممکن نہیں ہے اسی طرح تعلیق بھی درست نہیں ہے۔

اس کا وجوب یہ ہے کہ تعلیق مثلاً ''ان اشتریتک فللہ علی ان اعتقک'' (اگر میں تجھے خریدلوں گا تو اللہ تعالی کے لئے میرے ذمہ تجھے آزاد کرنا ہے) اگرچہ تعلیق جملہ میں فی الحال موجود ہے لیکن جس چیز کی نذر کی جارہی ہے وہ شرط کے پائے جانے پر ہی پائی جائے گی اور اس وقت وہ ملکیت بھی پائی جائے گی جو نذر کو پورا کرنے کے لئے ضروری ہے۔ اس کے برخلاف یہ کہنا'' ان شفی اللہ مریضی فالعبد الفلانی حر ''(اگر اللہ تعالی میرے مریض کو شفا دیدے تو فلاں کا غلام آزاد ہے) جو اس کی ملکیت میں نہیں ہے۔ کیونکہ یہاں ایسی صورت میں ملکیت کا کوئی نام ونشان ہی نہیں ہے، نہ فی الحال نہ بعد میں۔ اس لئے ایسی تعلیق کے ساتھ نذر درست نہیں ہوتی۔ جیسا کہ غیر کی ملکیت میں بغیر تعلیق کے نذر درست نہیں ہوتی۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد'' ولا فیما لا یملک العبد '' کو اسی پر محمول کیا جائے گا۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا اس سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔ (اشعتہ اللمعات، ردالمحتار، العرف الشذی وغیرہ)

55/4485۔ عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالی عنہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا نذر کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔ (مسلم)

56/4486۔ عمران بن حصین رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ نذر کی دو قسمیں ہیں:

(1) جو آدمی اللہ تعالی کی اطاعت میں نذر مانے تو وہ اللہ تعالی کے لئے ہے۔ اس کو پورا کرنا ہے۔

(2) اور جو آدمی معصیت کی نذر مانے تو یہ شیطان کے لئے ہے۔ اس کو پورا کرنا نہیں ہے۔ اور اس کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔ (نسائی)

57/4487۔ ام المومنین بی بی عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی نذر مانے 6 کہ وہ اللہ تعالی کی اطاعت کرے گا تو اس کو چاہئے کہ اطاعت کرے۔

6۔ قولہ من نذر ان یطیع اللہ فلیطعہ الخ (جو آدمی نذر مانے کہ وہ اللہ تعالی کی اطاعت کرے گا تو اس کو چاہئے کہ وہ اطاعت کرے) شیخ ابن ہمامؒ نے فرمایا ہے اگر نذر کو کسی شرط کے ساتھ معلق کرے پھر وہ شرط پائی جائے تو اس کے ذمہ اس نذر کو پورا کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ نذر کے بارے میں احادیث شریفہ مطلق ہیں یعنی تنجیز اور تعلیق کی قید کے بغیر نذر کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ جو نذر شرط کے ساتھ ہے وہ شرط کے پائے جانے کے وقت بغیر شرط کی نذر کی طرح سے ہے گویا یہ "للہ علی کذا" بغیر شرط کے کہنے کی طرح سے ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ آپ نے نذر جب کسی شرط کے ساتھ معلق ہو تو اس نذر کی چیز کو پورا کرنا ضروری قرار دینے کے قول سے رجوع فرمایا ہے یعنی اب اس کو اختیار ہے وہی نذر کی ہوئی چیز پورا کرے یا کفارہ دے اور یہی قول امام محمد رحمتہ اللہ علیہ کا ہے۔ پس وہ یہ کہے کہ اگر میں ایسا کام کروں گا تو میرے ذمہ ایک حج ہے یا ایک سال

کے روزے ہیں تو اس کو اختیار ہے۔ ایک حج کرے یا ایک سال کے روزے رکھے یا چاہے تو کفارہ دے۔ اگر تنگدست ہے تو اس کو اختیا ہے کہ وہ سال بھر کے روزے رکھے یا تین دن روزوں کے ذریعہ سے کفارہ دے لیکن ظاہر روایت میں خاص نذر کو پورا کرنا لازم ہونے کا ذکر ہے۔ اور نوادر میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول میں نذر کی چیز پورا کرنے یا کفارہ دینے کا اختیار مذکور ہے۔ عبدالعزیز بن خالد ترمذیؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں حج کے ارادے سے نکلا اور جب کوفہ میں داخل ہوا تو کتاب النذور والکفارات سیدنا امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے پاس پڑھا اور جب اس مسئلہ پر پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ ٹھہر جاؤ کیونکہ میری رائے اب یہ ہے کہ میں اس سے رجوع کروں اور جب میں حج سے واپس ہوا تو اس وقت تک سیدنا امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا وصال ہو چکا تھا۔ ولید بن ابانؒ نے یہ بتایا کہ آپؒ نے اپنے انتقال سے سات دن پہلے اس قول سے رجوع کیا اور فرمایا کہ اس کو (نذر پورا کرنے یا کفارہ دینے) کا اختیار ہے۔ اسمٰعیل زاھدیؒ اسی قول پر فتوی دیتے تھے۔ امام ولوالجی نے فرمایا ہے کہ شہر بلخ اور بخارا کے علماء اسی پر فتوی دیتے تھے۔ شمس الائمہؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حکم اس زمانے میں کثرت ابتلاء کی وجہ سے ہے۔ اور ظاہر روایت کی وجہ قرآن پاک کی آیت اور احادیث شریفہ کے نصوص ہیں۔ اور نوادر کی روایت وہ حدیث پاک ہے جو مسلم شریف میں ہے کہ عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''نذر کا کفارہ یمین کا کفارہ ہے''۔ اور اس کا تقاضہ یہ ہے کہ کفارہ سے مطلقاً نذر ساقط ہو جائے۔ اس میں تعارض کو دور کرنے کے لئے شئی معین کے پورا کرنے کو بغیر شرط کے نذر پر محمول کیا جائے گا۔ اور کفارہ کے ذریعہ سقوط کو نذر معلق پر محمول کیا جائے گا۔ اب اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ کیونکہ نذر معلق فی الحال منتفی ہے اور اس میں نذر ثابت نہیں ہے اس لئے یہ نذر قسم کی طرح ہے اس معنی میں کہ کفارہ کو واجب کرنے کا سبب قسم کو توڑنا ہے اور یہ (حنث)

جس وقت کلام کیا جارہا ہے غیر موجود ہے۔ پس اس کو قسم کے ساتھ ملحق کیا جائے گا۔ برخلاف نذر غیر معلق کے کہ وہ نذر فی الوقت ثابت ہے۔ پس اس میں شئی معین کو پوا کرنے کی حدیث پر عمل کیا جائے گا۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ اور محققین کے پاس ایسی شرط جس میں کفارہ کافی ہو جاتا ہے اس سے مراد وہ شرط ہے کہ جس کے کئے جانے کا ارادہ ہو مثلاً گھر میں داخل ہونا یا فلاں سے کلام کرنا وغیرہ۔ کیونکہ جب متکلم کا مقصود اس کا عدم وقوع ہے تو اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جس چیز کی نذر کی گئی وہ بھی مقصود نہیں ہے کیونکہ اس میں ایسی شرط لگا کر رکاوٹ قائم کی گئی ہے۔ نذر کو ایسی شرط پر معلق کرنا جس کا وقوع مقصود نہیں ہے تو خود کو بھی اس نذر سے روکنا مقصود ہے۔ کیونکہ انسان ہمیشہ عبادت کرتے رہنے کو واجب نہیں کر لیتا اگرچیکہ اس سے ثواب حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں اندیشہ ہے کہ اس کو پورا کرنا مشکل ہو جائے گا بلکہ ہوسکتا ہے کہ وہ عذاب کا سبب بن جائے اسی لئے صحیح حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نذر سے منع فرمایا ہے کہ انه لا یاتی بخیر (یہ خیر کو نہیں لاتی)۔

اب رہا ایسی شرط جس کا وقوع مطلوب ہے مثلاً یوں کہے کہ اللہ تعالی میرے بیمار کو شفا دے یا میرا غائب ہونے والا آجائے یا میرا دشمن مرجائے تو اللہ تعالی کے لئے میرے ذمہ ایک مہینہ کے روزے ہیں۔ اس میں اگر شرط پائی جائے گی تو اس نذر کردہ عین شئی (اس نذر کی ہوئی چیز ہی) کا پورا کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ جب اس کے پاس شرط کا وقوع مطلوب تھا تو نذر بھی اس کی مقصود تھی۔ تو یہ نذر، غیر معلق نذر کی طرح ہے۔ لہذا غیر معلق کا حکم جاری ہوگا۔ یعنی اس کو پورا کرنا ضروری ہے۔ یعنی عین شئی منذور کو پورا کرنا ہوگا اور اس کو تخجیری نذر پر محمول کیا جائے گا۔

اور کفارہ کے کافی ہونے کو ایسی نذر معلق پر محمول کیا جائے گا جس کا ہونا مقصود نہ ہو۔ بعض فقہاء نے اس کا نام نذر اللحاج رکھا ہے۔ (انتھی)

اور جو آدمی معصیت کی نذر مانے 7 تو وہ معصیت کا کام نہ کرے۔ (بخاری نے روایت کی ہے)

58/4488۔ مسلمؒ کی ایک روایت میں ہے "**لا نذر فی معصیة اللہ**" اللہ تعالیٰ کی نافرنی میں کوئی نذر نہیں ہوتی۔

اور رتاج کعبہ کی حدیث شریف کو ایسی نذر معلق پر محمول کیا جائے گا جس کا وقوع مقصود نہیں ہے۔ اگر اس کو توڑ دے گا تو کفارہ واجب ہوگا۔

حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نذر ماننے والا جب اس پر عمل کرے گا تو اس پر قسم توڑنے کی طرح کا کفارہ کافی ہو جائے گا۔

اور حضرت امام محمد رحمتہ اللہ علیہ اپنی موطا میں ظاہر روایت کو اختیار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس پسندیدہ یہ ہے کہ اس نے اپنے نفس پر جس چیز کو عائد کرلیا ہے اس کو پورا کرے اور اس کو ضرورت کی حد تک روک لے کر صدقہ دے اور جب مزید مال فراہم ہوجائے تو جس قدر روکا تھا اس کے مثل صدقہ میں دے دے۔

7۔ قولہ ومن نذر ان یعصیہٗ فلا یعصہ (اور جو معصیت کی نذر مانے وہ معصیت کا کام نہ کرے) اس میں بات کی دلیل ہے کہ جو آدمی طاعت یعنی نیک کام کی نذر مانے تو اس کو پورا کرنا ضروری ہے اگر چیکہ کسی چیز کے ساتھ اس کو معلق یعنی مشروط نہ کیا ہو اور جو آدمی کسی معصیت یعنی نا فرمانی کے کام کی نذر مانے تو اس کو پورا کرنا جائز نہیں ہے۔ اور کفارہ بھی لازم نہیں آتا تو کیونکہ اگر کفارہ لازم آتا تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو ضرور بیان کرتے۔ (شرح السنۃ)

صاحب مرقات نے فرمایا اس بات کو جانو کہ یمین اور نذر دونوں کے درمیان فرق ہے اور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قسم، خواہ وہ قسم طاعت کی ہو، یا معصیت کی، یا کسی امر مباح کی اس کو پورا نہ کرنے سے کفارہ لازم آتا ہے لیکن نذر کا جہاں تک تعلق ہے اگر وہ طاعت میں ہے یعنی نیک کام کے لئے ہے تو اس کو پورا کرنا ضروری ہے اور اگر معصیت کی ہے تو پورا کرنا درست نہیں ہے البتہ اس میں کفارہ کے واجب ہونے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔

59/4489۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ ارشاد فرمارہے تھے اس دوران آپ ﷺ نے ملاحظہ فرمایا کہ ایک صاحب کھڑے ہوئے ہیں تو آپ ﷺ نے ان کے بارے میں دریافت فرمایا۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یہ ابو اسرائیلؓ ہیں جو یہ منت مانے تھے کہ وہ کھڑے رہیں گے، بیٹھیں گے نہیں، سایہ میں نہیں رہیں گے، بات نہیں کرینگے اور روزہ رکھیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سن کر) فرمایا تم ان کو یہ حکم سنادو 8 کہ وہ بات کریں اور سایہ سے فائدہ اٹھائیں اور بیٹھ جائیں البتہ روزہ کو پورا کریں (بخاری)

امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالی فرماتے ہیں اس میں کفارہ نہیں ہے۔ اور حضرت امام احمد رحمتہ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ نذر منعقد ہو جاتی ہے لیکن اس کو پورا کرنا جائز نہیں ہے البتہ کفارہ واجب ہے اور حنفیہ سے ایک دوسری روایت میں ایسا ہی ہے۔

حنفیہ کے اس حکم کا خلاصہ یہ ہے کہ، نذر معصیت کے متعلق دو قول ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ کفارہ واجب ہے۔ اسی کو امام طحاویؒ نے اختیار کیا ہے اور دوسرا قول ہمارا اصل مذہب ہے وہ یہ ہے کہ اگر معصیت کی نذر مانے تو اس کو نہ پورا کرنا ہے نہ کفارہ دینا ہے۔ (رحمتہ الامۃ، رد المحتار، عرف الشذی)

8۔ **قولہ: مروہ فلیتکلم الخ** (ان کو یہ حکم سنادو کہ وہ بات کریں) اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ ہر وہ چیز جس سے انسان کو تکلیف ہوتی ہے اور کتاب وسنت میں اس کی مشروعیت کا کوئی ذکر نہیں ہے جیسے برہنہ پیر چلنا، دھوپ میں بیٹھنا، یہ اللہ تعالی کی اطاعت یعنی نیکی میں سے نہیں ہے۔ اور اگر نذر اطاعت میں نہ ہو تو وہ معصیت ہو جائے گی اور معصیت، اطاعت خداوندی کے خلاف ہے۔ پس ایسی نذر منعقد نہیں ہوتی اسی لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث شریف میں ابو اسرائیل رضی اللہ تعالی عنہ کو صرف روزہ پورا کرنے کا حکم فرمایا اور اس کے علاوہ دوسری چیزوں کے لئے حکم نہیں فرمایا۔ اور اس کو اس بات پر محمول

60/4490۔ عمرو بن شعیبؒ اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا آدمی جن چیزوں سے اللہ تعالی کی خوشنودی حاصل کرسکتا ہے اس کے سوا کسی چیز کی نذر درست نہیں۔

9 (احمد، ابوداود، بیہقی)

تلخیص میں حافظ صاحب نے اس حدیث کو بیان کیا ہے لیکن اس کا مرتبہ ذکر نہیں کیا ہے۔

ابواسرائیل رضی اللہ تعالی عنہ کے اس قصہ کے بارے میں امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کے پاس معصیت کی یا غیر اطاعت خداوندی کی نذر میں کفارہ واجب نہ ہونے کی یہ بڑی دلیل ہے۔ (مأخوذ از نیل الاوطار، عمدۃ القاری)

کیا جائے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو جانتے ہیں کہ یہ چیز (روزہ رکھنا) ان کے لئے مشقت کا باعث نہیں ہے۔

9۔ قولہ لا نذر الا فیما ابتغی بہ وجہ اللہ تعالی (آدمی جن چیزوں سے اللہ تعالی کی خوشنودی حاصل کرسکتا ہے ان کے سوا کسی چیز کی نذر درست نہیں):۔ یہ حدیث شریف اور اس سے پہلے مذکورہ حدیث شریف اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مباحات میں نذر منعقد نہیں ہوتی مثلاً اگر کوئی امر مباح کی نذر مانے اور یہ کہے کہ اللہ تعالی کے لئے میرے ذمہ ہے کہ گھر تک پیدل چلونگا یا اپنے گھوڑے پر سوار ہونگا یا اپنے کپڑے پہنونگا تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک رحمتہ اللہ علیہما کے پاس اس کے ذمہ کوئی چیز نہیں ہے۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگرچہ ایسی نذر ضروری نہیں ہے مگر اس کے خلاف کرنے سے کفارہ لازم آتا ہے۔

امام احمد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے نذر منعقد ہوجائے گی لیکن اس کو اختیار ہے۔ چاہے تو پورا کرے یا کفارہ دے اور منجملہ ان دلائل کے جس سے نذر مباح کو پورا کرنے پر استدلال کیا گیا ہے اس خاتون کا قصہ بھی ہے جس نے دف بجانے کی نذر مانی تھی۔

ہم کہتے ہیں کہ دف بجانا اطاعت کے امور میں سے نہیں ہے کہ جس سے نذر متعلق ہوتی ہے البتہ اس کی بہتر توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ وہ مباحات کے قبیل سے ہے مگر جب رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی ایک غزوہ سے بہ سلامتی تشریف آوری کے اظہار کی خوشی اس کے ساتھ شامل ہوگئی جو کافروں کو بری لگتی ہے اور اس میں منافقوں کی ذلت وخواری بھی ہے تو اس طرح یہ فعل امور تقرب میں سے ہوگیا۔ اور اسی مفہوم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کافروں کی ہجو کے لئے ارشاد فرمانا کہ تم کفار قریش کی ہجو کرو کیوں کہ یہ ان پر تیر برسانے سے زیادہ شدید ہے۔

پھر علماء کا اختلاف ہے اس آدمی کے بارے یں جس نے حالت شرک میں کسی چیز کی نذر مانی پھر مسلمان ہوگیا۔ حضرت امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے مذہب میں یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس پر حالتِ شرک میں کوئی چیز واجب کرلے جیسے اعتکاف یا صدقہ کرنا یا ایسی کوئی چیز واجب کرلے جو اللہ تعالی کے لئے مسلمان اپنے ذمہ واجب کرلیتے ہیں پھر وہ شخص مسلمان ہوجائے تو یہ نذر اس پر واجب ہے۔

حضرت ابرہیم نخعی، امام ثوری، حضرت امام اعظم، امام ابو یوسف، امام محمد، امام مالک رحمہم اللہ اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ اپنے ایک قول میں اور امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کی ایک روایت میں ہے کہ اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہوتی اور اس بارے میں حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ کہ جو آدمی معصیت کی نذر مانے تو معصیت نہ کرے۔ اور عمرو بن شعیب کی حدیث سے بھی ان کا استدلال ہے کہ نذر وہ ہے جس سے اللہ تعالی کی خوشنودی مقصود ہو پس ان احادیث شریفہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ منتیں اس وقت واجب ہوتی ہیں جب کہ وہ منجملہ ان چیزوں کے ہوں جن سے اللہ تعالی کا تقرب حاصل کیا جاتا ہے اور اگر اللہ تعالی کے احکام کی خلاف ورزی کی نذر مانی جائے تو وہ واجب نہیں ہوگی۔

61/4491۔ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کو دھوپ میں کھڑے تقریر کرتے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا تیرا کیا معاملہ ہے؟ اس نے کہا: یارسول اللہ ﷺ میں نے نذر مانی ہے کہ میں سورج ڈوبنے تک دھوپ میں کھڑا رہوں گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ نذر (صحیح) نہیں ہے۔ نذر تو وہ ہے جس سے اللہ تعالی کی خوشنودی مطلوب ہو۔ (احمد، طبرانی)

62/4492۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ عقبہ بن عامرؓ کی بہن نے خانہ کعبہ تک پیدل جانے کی نذر مانی 10 تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم فرمایا کہ وہ سوار ہو جائیں اور ایک ھدی پیش کریں (قربانی دیں)۔ ابوداؤد)

اور ملا علی قاری نے فرمایا: کم از کم ہدی ایک بکری، زیادہ سے زیادہ اونٹ ہے۔ بکری کافی ہے۔ اونٹ کا جو حکم ہے مستحب ہے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ عقبہ بن عامرؓ کی بہن نے خانہ کعبہ تک پیدل جانے کی نذر مانی حالانکہ وہ اس کی طاقت نہیں رکھتی تھیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم فرمایا کہ وہ سوار ہو کر جائیں اور ایک ھدی پیش کردیں (قربانی دیں) (ابوداؤد)

اور کافر یہ نذر مانے کہ ''اللہ کے لئے مجھ پر روزہ ہے یا یہ کہے کہ اللہ کے لئے مجھ پر اعتکاف ہے''۔ اور پھر وہ اس کو پورا کرے تو اللہ تعالی کا قرب اس کو حاصل نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ جب یہ نذر اپنے ذمہ واجب کر رہا تھا اس کی مراد اس کے وہ باطل معبود تھے جن کی خدا کے سوا وہ عبادت کرتا تھا۔ اور یہ معصیت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی ''لا نذر فی معصیۃ اللہ'' میں یہ شامل ہے (لہذا اس کو پورا نہیں کیا جائے گا)۔

(ماخوذ از رحمۃ الامۃ، نیل الاوطار، مرقات، عمدۃ القاری، طحاوی)

10 قولہ نذرت ان تمشی الی البیت الخ (خانہ کعبہ تک پیدل جانے کی نذر

مانی) اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی آدمی قسم کھائے کہ اگر وہ ایسا کام کرے گا تو خانہ کعبہ کو پیدل جائے گا اور وہ اس کو پورا کرے تو قیاس چاہتا ہے کہ کوئی چیز اس پر لازم نہ آئے کیونکہ نذر اس وقت واجب ہوتی ہے جب کہ منذور (جس کی نذر مانی گئی) واجبات شرعیہ میں سے ہو اور بیت اللہ کو پیدل جانا شرعاً واجب نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے جو چیز لازم کیا ہے وہ پیدل چلنا ہے یہ اب اس کے ذمہ لازم نہیں آئے گا تو بدرجہ اولی دوسری چیز یعنی حج وعمرہ بھی لازم نہیں آئینگے مگر استحساناً (خلاف قیاس) اس کے ذمہ حج یا عمرہ لازم ہوگا۔ اور سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ سے بھی اسی طرح کی روایت آئی ہے اور اس لئے بھی کہ عرف میں اس لفظ کا ذکر حج یا عمرہ کے لئے ہوتا ہے اور نذر اور قسموں میں عرف کا اعتبار ہے پس ہم نے اس کو اس سے مجازاً حج یا عمرہ کا لازم آنا قرار دیا ہے کیونکہ کلام کا مقصود لوگوں کے لئے اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرنا ہوتا ہے۔ جب کوئی لفظ کسی معنی میں مجازاً مستعمل ہونے لگتا ہے تو وہ اس معنی میں حقیقت کی طرح سے ہو جاتا ہے پھر اس کو حج یا عمرہ دونوں میں کسی ایک کو ادا کرنے کا اختیار رہے گا کیونکہ وہ دونوں کعبۃ اللہ سے متعلق ایسی عبادتیں ہیں کہ ان کی ادائی احرام کے بغیر اور اس مقام پر گئے بغیر نہیں ہوسکتی۔

علماء کا اس آدمی کے بارے میں اختلاف ہے جو بیت اللہ تک پیدل جانے کی نذر مانے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر اس کو پیدل چلنے کی طاقت ہے تو چلے، اگر چل نہیں سکتا تو سوار ہو جائے اور ایک دم دے۔ (بکرا ذبح کرے) اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب فرماتے ہیں کہ چلنے کی طاقت ہو یا نہ ہو دم دے اور سوار ہو جائے۔ البتہ ہمارے پاس مسئلہ یہ ہے کہ اس کو اختیار رہے گا چاہے تو پیدل چلے کیونکہ یہ عمدہ صورت ہے اور اس میں اس کی نذر پوری ہو جائے گی۔ اور چاہے تو سوار ہو کر جائے۔ اس دوسری صورت میں ایک بکری ذبح کرے .... اس نے حج یا عمرہ میں ایک قسم کا نقص پیدا

کیا کیونکہ پیدل حج کرنا افضل ہے اور اس لئے بھی کہ پیدل طریقے سے مناسک کی ادائی مکمل طور پر ہوتی ہے۔ یہ اس روایت کی بناء پر ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما جب نابینا ہو گئے تھے فرمایا کرتے تھے مجھے کسی چیز پر اتنا افسوس نہیں جتنا کہ حج کے لئے پیدل نہ چل سکنے پر ہے کیونکہ اللہ تعالی نے پیدل جانے والوں کا ذکر مقدم فرمایا ہے۔ ارشاد ہے "یاتوک رجالا وعلی کل ضامر" (تمہارے پاس لوگ پیدل چلے آئیں گے اور ہر دبلی اونٹنی پر (سوار ہوکر) پس جب آدمی سوار ہو جائے، تو اس نے ایک قسم کا نقص اس میں داخل کیا اور مناسک میں نقص کی تلافی دم سے ہوتی ہے یعنی جب اس کو صفتِ کمال کے ساتھ شروع کرے اور صفتِ نقصان کے ساتھ اس کو ادا کرے تو نقصان کی تلافی ضروری ہوگئی۔ اس طرح دم دینے سے اس کی تلافی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ حضور علیہ وآلہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد ہے "مروھا ان ترکب ولتریق دما" اس کو حکم دو کہ وہ سوار ہو جائے اور دم دے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دو قول ہیں۔ ایک تو ہمارے قول کے مطابق ہے کہ اس پر دم ہے اور یہ ان کا قول راجح ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اگر پیدل چلنے سے عاجز ہو جائے تو اس پر دم نہیں ہے اور اس کے ذمہ کوئی چیز واجب بھی نہیں ہے۔

پھر ہمارے پاس دم اور ہدی کم سے کم ایک بکری ہے اور زیادہ سے زیادہ اونٹ ہے۔ بکری کافی ہو جاتی ہے اور اونٹ کا حکم استحبابی ہے۔ امام شافعیؒ کے اس بارے میں دو قول ہیں اور اس میں سے یہی قول راجح ہے۔

ہدی کا مطلق ذکر ہے اونٹ کا تعین نہیں ہے۔ اس روایت کی قوت کی بناء پر ہم اسی پر عمل کرتے ہیں پھر اس باب میں اختلاف ہے کہ پیدل چلنے کا آغاز کہاں سے کیا جائے۔ تو کہا گیا کہ میقات سے آغاز کرے اور یہ بھی کہا گیا کہ جہاں سے احرام باندھا گیا ہے وہاں سے آغاز کرے۔ امام فخر الاسلامؒ، عتابیؒ اور ان کے سوا دیگر علماء کا یہی قول ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا

کہ اپنے گھر سے اس کا آغاز کرے۔ شمس الائمہ سرخسیؒ اور صاحب ہدایہ کی رائے یہی ہے۔ اور قاضی خان، امام زیلعی اور ابن ہمام رحمہم اللہ تعالی نے اس کو صحیح قرار دیا کیونکہ عرف میں اسی کو مراد لیا جاتا ہے اور یہی قول قابل ترجیح ہے۔ اور اگر اپنے گھر سے احرام باندھے تو بالاتفاق گھر سے ہی چلتا ہوا جائے۔ اور پھر کسی عذر کی وجہ سے یا بلا عذر پورا راستہ یا راستہ کا اکثر حصہ سوار ہوکر جائے تو اس پر دم لازم ہوگا کیونکہ اس نے واجب کو ترک کیا ہے جس سے عہدہ برآ ہوسکتا تھا۔ اور اگر وہ کچھ راستہ سوار ہوکر طے کیا تو اس کے بقدر بکری کی قیمت صدقہ کرے۔ (مبسوط، مرقات، شروحِ کنز، مسوی، اشعۃ اللمعات) اور العرف الشذی میں ہے کہ بعض احادیث شریفہ میں ھدی کا ذکر ہے اور بعض میں تین دن کے روزے کا ذکر ہے اور بعض میں ان دونوں کا ذکر ہے۔ امام طحاویؒ فرماتے ہیں: ہوسکتا ہے کہ اس خاتون (عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی بہن) نے نذر مانی ہو اور قسم کھائی ہو۔ میں کہوں گا کہ واجب تو ھدی ہے (یعنی بکری ذبح کرنا ہے) تین دن کے روزے ھدی کا بدل ہیں قسم کا کفارہ نہیں۔ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ کفارہ دینے سے مراد جنایت کا کفارہ ہے اور یہ ھدی ہے یا پھر اس کے قائم مقام روزے ہیں اس طرح روایت میں تطبیق ہو جاتی ہے۔ اور امام طحاویؒ کی تائید میں ابو داؤد شریف کی روایت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت میں قسم کا بھی ذکر ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کا اجتہاد تھا۔ کیونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے قسم کے بارے میں دریافت ہی نہیں کیا گیا تھا اس لئے اس کا ذکر روایتوں میں نہیں ہے۔ (انتھی)

صاحب بذل المجہود نے کہا ہے کہ عقبہ بن عامرؓ کی بہن کے قصے میں روایتیں مختلف ہیں۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ اس نے برہنہ پا اور بغیر اوڑھنی کے حج کرنے کی نذر مانی تھی تو ان کی اس نذر میں دو باتیں شامل ہوگئیں، جن میں پہلی بات وہ ایسی عبادت تھی جس کی وہ

63/4493 ۔ امام ابوداؤد نے فرمایا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کی روایت یہ ہے کہ جو ایسی نذر مانے جس کی وہ طاقت نہیں رکھتا، اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے اس کی روایت حضرت وکیع اور ان کے علاوہ دوسروں نے عبداللہ بن سعید بن ابی الھند سے کی ہے اور اس کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما پر موقوف رکھا ہے لیکن صرف طلحہ بن یحییٰ انصاری نے اس کو مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اس حدیث شریف کا موقوف ہونا راجح ہے۔ شوکانی نے کہا ہے کہ طلحہ بن یحییٰ مختلف فیہ ہیں۔

64/4494 ۔ عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے: انہوں نے فرمایا کہ میری بہن نے کعبۃ اللہ تک پیدل جانے کی نذر مانی تھی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی اس کے پیدل چلنے سے غنی (بے نیاز) ہے اس کو چاہیے کہ سوار ہو کر جائے اور اونٹ کی قربانی دے۔ (احمد)

ہمارے علماء کرام نے فرمایا کہ مطلق ھدی کی روایت جس میں اونٹ کا تعین نہیں ہے قوی ہے اسی لئے اسی پر عمل کیا جائے گا۔

طاقت نہیں رکھتیں اور دوسری بات معصیت تھی اور سر پر نہ اوڑھنا ہے۔ چونکہ ان کو برہنہ پا چلنے کی طاقت نہیں تھی اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سوار ہو کر جانے کا حکم فرمایا۔ اور (سوار ہونے کا) یہ حکم ان کے برہنہ پا پیدل حج کرنے کی نذر ماننے سے متعلق ہے، اور پھر ان کو تین دن کے روزے کا جو حکم فرمائے یہ حکم ان کے سر پر نہ اوڑھ کر جانے کی نذر سے متعلق ہے جو معصیت ہے اور معصیت کی نذر نہیں ہوتی، اس لئے اب یہ نذر، قسم بن گئی۔ لہذا ان کو قسم کے کفارہ کے طور پر تین دن کے روزے کا حکم فرمایا گیا کیونکہ معصیت کی قسم منعقد ہو جاتی ہے لیکن اس کو پورا کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو آدمی کسی معصیت کی منت مانے تو اس کو توڑ دینا واجب ہے اور اس پر قسم کا کفارہ لازم آئے گا۔

65/4495 ۔مؤطا میں حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ سے جو روایت آئی ہے وہ ہمارے پاس زیادہ مناسب ہے کہ آپ نے فرمایا جو آدمی پیدل حج کرنے کی منت مانے پھر وہ پیدل چلنے سے عاجز ہو جائے تو وہ سوار ہو کر حج کرے اور ایک اونٹ ذبح کرے اور انہی سے دوسری حدیث میں ہے کہ وہ ایک ہدی بکرا ذبح کرے اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں کہ پیدل چلنے کے بجائے ایک ہدی ذبح کرنا چاہئے۔ 11 حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے اکثر فقہاء کرام کا یہی قول ہے اور امام بیہقی نے سیدنا علی مرتضی رضی اللہ تعالی عنہ سے اسی معنی میں ایک اور حدیث روایت کی ہے۔

اب رہی دوسری روایتیں ان میں سر کو نہ ڈھانکنے کا اور معصیت کی نذر کا ذکر نہیں ہے بلکہ صرف طاعتِ الٰہی یعنی بیت اللہ تک پیدل جانے کا ذکر ہے پس یہ نذر منعقد ہو گئی اور اس کو پورا کرنا ضروری ہو گیا (انتھی)۔ اور ھدایہ میں ہے: اس کے ذمہ پیدل چل کر حج یا عمرہ کرنا ہے اور اگر چاہے تو سوار ہو کر جائے اور اپنے ذمہ جس چیز کو لازم کر لیا تھا اس میں کمی کرنے کی وجہ سے ایک دم دے (یعنی بکرا ذبح کرے)۔

11 قولہ یکون الهدی مکان المشی الخ: ۔(پیدل چلنے کے بدلے میں ایک ہدی ہو جائے گی) اس کا مطلب یہ ہے اگر چلنے پر قدرت ہو جائے تو دوبارہ چل کر جانے کی ضرورت نہیں۔ قیاس یہ چاہتا ہے کہ سوار ہو کر جانے کی صورت میں اس کی نذر پوری نہیں ہونا چاہئے بلکہ چلنے پر جب قدرت حاصل ہو جائے تو چل کر جانا ضروری ہونا چاہئے جیسا کہ کوئی آدمی مسلسل روزے رکھنے کی منت مانے اور تسلسل ٹوٹ جائے (تو منت پوری نہیں ہوگی) لیکن حج کے بارے میں یہ بات نص سے ثابت ہے لہٰذا اس پر عمل ضروری ہے چنانچہ امام ابو داؤدؒ نے عبداللہ بن مبارکؒ سے ایک حدیث کا ذکر کیا ہے کہ عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالی عنہ کی بہن بیت اللہ کو پیدل جانے کی نذر مانی تھی تو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ وہ سوار ہو کر جائے اور ھدی دے (بکرا ذبح کر دے)۔ (التعلیق الممجد)

66/4496۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کی تاریکی میں ایک قافلہ کے ساتھ تشریف لے جارہے تھے کہ ایک شبیہ (پرچھائی، سایہ) پر آپ ﷺ کی نظر پڑی جس سے قافلہ کے اونٹ بدک گئے۔ آپ ﷺ نے ایک صاحب کو اتر کر دیکھنے کا حکم دیا۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ ایک برہنہ عورت تھی جو اپنے بال کھولے ہوئے تھی۔ انہوں نے اس سے دریافت کیا تیرا کیا معاملہ ہے؟ اس نے کہا ''میں نے برہنہ اور کھلے بالوں سے حج کرنے کی منت مانی ہے۔ اس لئے دن میں چھپ جاتی ہوں اور رات کو راستہ طے کرتی ہوں۔'' انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر اس کی اطلاع دی تو آپ ﷺ نے فرمایا جا کر اسے حکم دو کہ وہ کپڑے پہن لے اور ایک دم (بکرا) ذبح کرے۔ (بیہقی)

67/4497۔ سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نذر کا کفارہ جب نذر غیر معین ہو تو قسم کا کفارہ ہے۔ 12 (اس کو امام ابن ماجہؒ اور امام ترمذیؒ نے روایت کی ہے اور امام ترمذیؒ نے صحیح قرار دیا ہے)۔

---

12 قولہ کفارۃ النذر اذا لم یسم کفارۃ یمین (نذر کا کفارہ جب نذر غیر معین ہو تو قسم کا کفارہ ہے) اس حدیث شریف کے مطلب سے متعلق علماء کے مابین اختلاف ہے۔ جمہور اصحاب شافعی نے اس کو ''نذر لجاج'' یعنی شرط و جزا کی صورت پر محمول کیا ہے مثلاً کوئی انسان جو زید سے بات کرنا نہیں چاہتا اگر وہ یہ کہے کہ میں زید سے بات کروں گا تو مجھ پر حج ہے یا اس کے سوا کوئی اور چیز کا ذکر کرے تو اس کو اختیار ہے چاہے تو نذر پوری کرے یا کفارہ دے۔ اور امام احمد اور بعض اصحاب شافعی علیہم الرحمۃ نے اس کو معصیت کی نذر پر محمول کیا ہے۔ جبکہ فقہاء اور اصحاب حدیث کی ایک جماعت نے اس کو نذر کے تمام اقسام پر محمول

کیا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ اس آدمی کو نذر کی تمام صورتوں میں اختیار حاصل ہے کہ نذر کے ذریعہ جو چیز لازم کرلیا ہے اس کو پورا کرلے، یا قسم کا کفارہ دے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بلکہ اکثر فقہاء نے اس کو مطلق نذر پر محمول کیا ہے اور حضراتِ حنفیہ کا بھی یہی قول ہے۔

یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی آدمی یہ کہے ''میرے ذمہ نذر ہے یا اللہ کے لئے نذر ہے میں ضرور ایسا کروں گا'' اور جس چیز کی قسم کھا رہا ہے اس چیز کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ یہ ''یمینِ منعقدہ'' ہے اس میں کسی چیز کا تعین نہ کئے بغیر اس حدیث کی بناء پر کفارہ لازم آتا ہے۔

پھر بات یہ ہے کہ یہ نذر یا تو مطلق ہوگی یا کسی شرط کے ساتھ معلق ہوگی۔ اس طرح ان میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہوں گی۔

(1) جس چیز کی نذر مانی گئی ہے اس کا تعین ہوگا یا (2) اس کا تعین نہیں ہوگا

پس اگر اس کا تعین نہ کرے مثلاً یوں کہے کہ: اگر میں ایسا کروں گا تو میرے ذمہ نذر ہے تو ایسی صورت میں قسم کا کفارہ لازم آئے گا خواہ یہ نذر مطلق ہو یا معلق البتہ نذر مطلق میں فوری کفارہ لازم آئے گا اور معلق کی صورت میں شرط پائے جائے کے وقت کفارہ لازم آئے گا۔ اور اگر نذر میں کسی چیز کا تعین کیا ہے تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں۔

(1) نذر مطلق (2) معلق بالشرط

نذر مطلق ہو تو اس کو پورا کرنا ضروری ہے اور اگر وہ نذر معلق بالشرط ہے تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں۔ (الف) وہ شرط مقصود ہے تو نذر کو پورا کرنا ضروری ہے۔

(ب) اور اگر وہ شرط غیر مقصود ہے تو اس سے متعلق بھی دو قول ہیں۔ پہلا نذر کو پورا کرنا ضروری ہے۔ اور دوسرا اس کو اختیار ہے چاہے قسم کا کفارہ دے یا نذر پوری کرے اور یہ بات درست ہے۔ اس کی طرف حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے انتقال سے تین دن یا سات دن پہلے رجوع فرمایا ہے۔ اور اسی طرح اگر یہ کہے کہ میرے ذمہ قسم ہے تو اس پر کفارہ لازم آئے گا کیونکہ اس کا مطلب ''علی موجب الیمین'' ہے۔ یعنی میرے ذمہ قسم سے لازم آنے والی چیز ہے۔ (ماخوذ از نیل الاوطار، بذل المجہود، شروح کنز)

68/4498 ۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک نذر کے بارے میں دریافت کیا 13 جوان کی والدہ کے ذمہ تھی اور وہ اس کو پورا کرنے سے پہلے انتقال کر گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتوی دیا کہ وہ اپنی والدہ کی طرف سے اس نذر کو پورا کریں (متفق علیہ)

محقق ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میرے ذمہ نذر ہے یا اللہ تعالی کے لئے نذر ہے، اگر وہ جس چیز پر قسم کھا رہا ہے اس کا ذکر کرے گا تو یہ قسم ہو جائے گی۔ مثلاً یہ کہے کہ میرے ذمہ اللہ کے لئے نذر ہے میں ضرور ایسا کروں گا یا ضرور ایسا نہیں کروں گا۔ یہاں تک کہ اگر اس کو پورا نہ کرے تو اس کے ذمہ قسم کا کفارہ لازم آئے گا۔ یہ اس وقت ہے جب کہ اس نذر مطلق سے ایسی چیز کی نیت نہ کرے جس میں تقرب الی اللہ ہے، جیسے حج یا روزہ وغیرہ۔ پس اگر وہ "علی نذر ان فعلت کذا" (میرے ذمہ نذر ہے اگر میں ایسا کروں) سے عبادت مقصودہ کی نیت کرے تو اس کی نذر درست ہو جائے گی۔ اگر وہ یہ کام کرے گا تو یہ عبادت اس پر لازم ہو جائے گی۔ حاکم نے فرمایا ہے جب وہ نذرِ مطلق کے الفاظ سے معین عبادت کی نیت کرے تو وہ معین کرنے کی طرح سے ہے اور یہ کلام نفسی سے متعین ہے اس حدیث شریف کو اس چیز پر محمول کیا جائے گا جس کے ساتھ نذر کے لفظ سے نیت نہیں ہے (مرقات ملخصا 12)

13 قولہ استفتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی نذر الخ (انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک نذر کے بارے میں دریافت کیا) حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت سعدؓ کی والدہ ماجدہ کی اس نذر کے متعلق علماء کے مابین اختلاف ہے۔ چنانچہ یہ کہا گیا ہے کہ وہ نذر مطلق تھی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ نذر روزے کی تھی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ غلام کو آزاد کرنا تھا اور یہ بھی کہ وہ صدقہ کرنا تھا۔ ہر ایک نے ان احادیث سے استدلال کیا ہے جو حضرت ام سعد رضی اللہ عنہا کے قصہ کے بارے میں ہے اور ظاہر بات یہ ہے کہ وہ منت مال

سے متعلق تھی یا کوئی مبہم اور غیر واضح نذر تھی اور اس کی تائید امام مالکؒ کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو امام دار قطنیؒ نے روایت کیا ہے، کہ ان سے (حضرت سعدؓ سے) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنی ماں کی طرف سے پانی پلادو۔

اور ہمارے اصحاب حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کو صرف مالی عبادت سے مخصوص کیا ہے، خالص بدنی عبادت سے نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نہ کوئی کسی کی طرف سے روزہ رکھے گا اور نہ کوئی کسی کی طرف سے نماز پڑھے گا۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ نذر کی دو صورتیں ہیں۔

(1) وہ بدنی عبادت ہوگی　یا　(2) مالی عبادت ہوگی

اگر نذر بدنی عبادت ہے تو ورثہ کے لئے اس کی قضاء کرنا جائز نہیں کیونکہ اس سے منع کیا گیا ہے۔ امام نسائیؒ نے اپنی سنن کبریٰ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ذکر فرمائی ہے کہ کوئی آدمی نہ کسی کی طرف سے روزہ رکھے، اور نہ کسی کی طرف سے نماز پڑھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی ایسی ہی روایت آئی ہے۔

اگر نذر عبادت مالیہ کی ہو اور نذر ماننے والے نے کوئی وصیت نہ کی ہو تو وارثوں پر اس کو پورا کرنا ضروری نہیں ہے۔ اور اگر میت اس کی نذر پوری کرنے کی وصیت کرے تو میت کے ثلث مال میں سے اس کی وصیت کو پورا کرنا وارثوں پر ضروری ہے کہ وہ روزانہ ایک صاع غیر گیہوں کا یا آدھا صاع گیہوں کا کھلایا کریں۔ یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قول جدید میں فرمایا ہے کہ میت کی طرف سے اس کا ولی روزانہ ایک مسکین کو ایک مد گیہوں کھلائے، اور کوئی کسی کی طرف سے روزہ نہیں رکھے گا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول قدیم یہ ہے کہ جس آدمی سے رمضان شریف کی کوئی چیز (یعنی روزہ) چھوٹ جائے اور اس کو قضاء کرنے کی قدرت تھی لیکن قضاء کئے بغیر انتقال کر

69/4499۔ عمرۃ بنت عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عرض کی کہ میری والدہ کا انتقال ہوگیا ہے ان کے ذمہ رمضان شریف کے روزے تھے، کیا میرے لئے یہ بات درست ہے کہ میں ان کی طرف سے روزے قضاء کروں۔ آپ نے فرمایا تم ایسا نہیں کرسکتیں۔ لیکن ان کی طرف سے تم ہر دن کے بدلے کسی مسکین کو صدقہ دو یہ تمہارے روزہ رکھنے سے بہتر ہے۔ (اس کی سند صحیح ہے، طحاوی)

70/4500۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کوئی کسی کی طرف نماز نہیں پڑھے گا البتہ وہ اس کی طرف سے کھانا کھلاسکتا ہے۔ (نسائی)

71/4501۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ کوئی کسی کی طرف سے نہ روزہ رکھ سکتا ہے اور نہ نماز پڑھ سکتا ہے۔ (نسائی، محدث عبدالرزاق نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اسی طرح روایت کی ہے)

جائے اور اسی طرح سے اس کے ذمہ نذر اور کفارہ تھا تو اس کا ولی اس کی طرف سے تلافی کرے گا یا تو اس کی طرف سے روزہ رکھے گا یا اس کے ترکہ میں سے کھانا کھلائے گا۔

امام نووی نے فرمایا ہے کہ یہاں قول قدیم کا اعتبار ہی زیادہ ظاہر ہے۔

(مرقات، التعلیق الممجد، بذل المجہود، عمدۃ القاری، المسوی)

72/4502۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا میں (میری توبہ، قبول ہونے کے شکرانہ میں) اللہ اور اس کے رسول کے لئے اپنے مال کو صدقہ 14 کروں۔ (یہ سن کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اپنا کچھ مال روک لو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا میرا وہ حصہ جو مجھے خیبر میں ملا ہے 15 میں اس کو روک لیتا ہوں۔ (متفق علیہ، یہ طویل حدیث کا ایک حصہ ہے)

حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ نذر ایسے مال میں ہے جس میں زکوۃ واجب ہوتی ہے اور جس میں زکوۃ واجب نہیں ہوتی اس میں نہیں ہے۔ جیسے زمین، جانور اور اس جیسی چیزیں۔

---

14 قولہ صدقۃ الی اللہ والی رسولہ۔ الخ اللہ اور اس کے رسول کے لئے اپنے مال کو صدقہ کروں۔ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عبادتوں میں جب کہ مقصد اصلی تقرب الی اللہ ہو غیر اللہ کے تقرب کی نیت تبعاً مضر نہیں (علامہ سندھی نے یہ بات فرمائی ہے)۔

15 قولہ فانی امسک سھمی الذی بخیبر ای من العقار وغیرہ۔ (وہ حصہ جو مجھے خیبر میں ملا ہے میں اس کو روک لیتا ہوں (زمینات وغیرہ) عمدۃ القاری میں ہے کہ نذر کی دو قسمیں ہیں۔　　1۔ نذر تبرر　　2۔ نذر لجاج

پھر نذر تبرر کی دو قسمیں ہیں۔

1۔ جس میں شروع سے ہی بغیر کسی شرط کے تقرب مقصود ہو جیسے "للہ علی ان اصوم کذا" کہ میں اللہ تعالی کے لئے ایسا روزہ رکھوں گا یا یہ کہے کہ اگر اللہ تعالی نے میرے بیمار کو شفاء عطاء فرمائی تو میں اس کے شکریہ میں روزہ رکھونگا یا اس جیسی اور کوئی بات کہے۔

کہا گیا ہے کہ ان دونوں صورتوں میں نذر کے درست ہونے پر اتفاق ہے۔ بعض علماء شافعیہ کے پاس دوسری صورت میں نذر منعقد نہیں ہوتی۔

2۔ نذر تبرر کی دوسری قسم وہ ہے جس میں عمل تقرب کو معلق رکھا گیا ہو۔ مثلاً اگر فلاں صاحب سفر سے آجائیں تو میں روزہ رکھونگا۔ اور بالاتفاق اس نذر کو پورا کرنا لازم ہے۔

اور اسی طرح نذر لجاج کی بھی دو قسمیں ہیں۔

1۔ وہ نذر جو حرام کام کرنے یا واجب کو چھوڑنے سے متعلق ہو۔ یہ نذر منعقد نہیں ہوتی

2۔ وہ نذر ہے جو مباح کام کرنے یا مستحب کو چھوڑنے یا خلاف اولیٰ کرنے سے متعلق ہو اس میں علماء کے تین اقوال ہیں۔ (1) قسم پورا کرنا (2) قسم کا کفارہ دینا (3) ان دونوں میں سے کسی کو بھی کرنے کا اختیار رہنا۔

یہ شافعیہ کے پاس ہے۔ مالکیہ کے پاس یہ نذر منعقد ہی نہیں ہوتی۔ اور حنفیہ کے پاس تمام صورتوں میں کفارہ یمین لازم آتا ہے۔ (انتہی)

کتاب مسوی میں ہے کہ کوئی آدمی اپنے مال کو صدقہ کرنے کی قسم کھائے یا یوں کہے میرا مال اللہ تعالیٰ کے راستے میں صدقہ ہے تو بعض علماء نے کہا ہے کہ اس پر قسم کا کفارہ ہے اور یہ نذر لجاج ہے۔ اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے۔ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ اپنے ثلث مال کا صدقہ کرے۔ اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس (نذر) کا تعلق ایسے مال سے ہوگا جن میں زکوۃ واجب ہوتی ہے، اور ایسا مال جس میں زکوۃ واجب نہیں ہوتی ہے جیسے زمین، جانور اور اس جیسی چیزوں سے اس کا تعلق نہیں ہے۔

درمختار اور ردالمحتار میں ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ میرا مال مساکین میں صدقہ ہے اور اس کا کوئی مال نہیں ہے تو بالاتفاق یہ نذر درست نہیں ہے۔ اور اگر اس کا مال ہے تو درست ہوجائے گی۔ اور اس سے مراد استحساناً وہ مال ہوگا جس سے زکوۃ متعلق ہے خواہ نصاب کے برابر ہو یا نہ ہو اس پر قرض ہو یا نہ ہو۔

اور اگر اس کے پاس اس کے سوا کوئی اور مال نہیں ہے تو اپنی غذا کی ضرورت کی حدت تک اس میں سے روک لے۔ اور جب اس کے پاس دوسرا مال آجائے تو اسی مقدار میں صدقہ کرے جو اس نے روک لیا ہے۔

اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ مال کی تفسیر میں علماء کا بڑا اختلاف ہے۔ ابن عبدالبرؒ اور دوسرے علماء نے یہ فرمایا ہے کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبیلہ دوس کی زبان میں عین کے سوا دوسرا مال مراد ہے جیسے سامان اور کپڑے ہیں۔ اور ایک جماعت کے پاس مال سے مراد خاص کر عین سونا چاندی۔

مطرزی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ مال سے مراد صامت (غیر جاندار جیسے سونا، چاندی) اور ناطق (حیوانات) ہے اور قالی رحمۃ اللہ علیہ نے ثعلب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ عرب کے پاس مال سے مراد کم از کم اتنی مقدار ہے جس میں زکوۃ واجب ہوتی ہے۔ اور اس سے کم ہو تو اس کو مال نہیں کہا جاتا۔

ابن سیدہؒ نے العریض میں کہا ہے کہ عرب کے پاس لفظ مال جب مطلق ہو تو اونٹوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ ان کے پاس نہایت شرف کی چیز ہے اور اس میں کثرت ثروت ہے۔ اور انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ بعض دفعہ سارے جانوروں پر بھی اس کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ اور ان میں سے بعض حضرات مال کا اطلاق ہر اس چیز پر کرتے ہیں جو انسان کی ملکیت میں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ولا تؤتوا السفهاء اموالکم" (اور کم عقلوں کو اپنا مال حوالے نہ کرو) اس میں کسی چیز کو خاص نہیں کیا گیا۔ اور یہی اکثر متاخرین کا اختیار کردہ قول ہے۔ پس اس سے یہ بات واضح ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی انہیں اقوال میں سے ایک قول کو اختیار کیا ہے۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مال ہر وہ چیز ہے جو انسان کی ملکیت ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان میں سے ایک قول کو اختیار کیا ہے۔ اور فرمایا ہے جو آدمی اپنے سارے مال کو صدقہ کرنے کی قسم کھائے یا نذر مانے تو اس کی قسم اور اس کی منت اسی مال سے متعلق رہے گی جن میں زکوۃ عائد ہوتی ہے۔ (عمدۃ القاری)

73/4503۔ سیدنا ثابت بن ضحاک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا ایک صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مقام بوانہ میں ایک اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر آپ ﷺ سے اس کا ذکر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کیا وہاں جاہلیت کے بتوں میں سے کسی بت کی پرستش کی جاتی تھی؟ صحابہؓ نے عرض کیا ''نہیں'' آپ ﷺ نے فرمایا کیا اس (مقام) میں ان کی عیدوں میں سے (میلوں میں سے) کوئی عید منائی جاتی تھی؟ انہوں نے کہا ''نہیں'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم اپنی نذر کو پوری کرو۔ 16 بلاشبہ اللہ تعالی کی معصیت میں کسی نذر کو پورا کرنا نہیں ہے۔ اور نہ ان چیزوں میں (نذر) پورا کرنا ہے جن کا انسان مالک نہیں ہے۔ (ابوداؤد)

اور ہم یہ کہتے ہیں کہ شریعت میں یہ بات معروف ہے کہ کسی ایسی چیز کو لازم کرلینا جس میں تقرب ہو وہ وجوب کا سبب ہے۔ اور بندے کا عبادت کو کسی مقام میں مخصوص کرلینا، شریعت میں اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ یہ بات تو صرف اللہ تعالی کے لئے ہی خاص ہے۔ بندہ کے کسی تقرب کی چیز کو اپنے اوپر لازم کرلینے سے اس کی کسی خاص جگہ میں تخصیص لازم نہیں آتی لیکن جس میں تقرب ہے بس وہی چیز لازم آئے گی اور جگہ کی تخصیص لغو ہوجائے گی۔ حدیث شریف میں جو حکم ہے وہ اباحت کا ہے۔

16۔ قولہ اوف بنذرک: الخ (تم اپنی نذر کو پوری کرو) طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ کسی معین جگہ کے لئے نذر کی جائے تو اس کو پورا کرنا ضروری ہے۔ وجوب کا حکم امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہوسکتا ہے۔ اور ہم یہ کہتے ہیں کہ شریعت میں یہ بات معروف ہے کہ کسی ایسی چیز کو لازم کرلینا جس میں تقرب ہو وہ

وجوب کا سبب ہے۔ اور بندے کا عبادت کو کسی مقام میں مخصوص کرلینا، شریعت میں اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ یہ بات تو صرف اللہ تعالی کے لئے ہی خاص ہے۔ بندے کا کسی تقرب کی چیز کو اپنے اوپر لازم کرلینے سے اس کی کسی خاص جگہ میں تخصیص لازم نہیں آتی لیکن جس میں تقرب ہے بس وہی چیز لازم آئیگی اور جگہ کی تخصیص لغو ہوجائے گی۔ حدیث شریف میں جو حکم ہے وہ اباحت کا ہے۔ (ماخوذ از مرقات)

صاحب رد المحتار نے کتاب الاضحیۃ میں لکھا ہے: اس بات کو جانو کہ اضحیہ اس جانور کا نام ہے جس کو مقررہ خاص وقت میں ذبح کیا جاتا ہے۔ اس میں وقت کی قید لغو نہیں ہوتی۔ جب قربانی کی نذر مانے گا تو اس کو ان مقررہ اوقات میں ہی کرنا ہوگا۔ ورنہ وہ نذر پوری کرنے والا نہیں ہوگا۔ کیونکہ ان اوقات کے بعد اس کا نام اضحیہ نہیں ہے۔ اسی لئے جب وقت نکل جائے تو زندہ حالت میں اس جانور کو صدقہ کرنا ہوگا۔ برخلاف اس کے جب وہ کسی خاص وقت میں بکری کو ذبح کرنے کی نذر مانے تو وقت کا ذکر لغو ہوجائے گا۔ اس لئے کہ یہ نفس بکری سے ایک زائد وصف ہے۔ اسی لئے ہمارے علماء نے کسی زمانے یا جگہ کے تعین کو لغو قرار دیا ہے۔ برخلاف قربانی کے کہ اس میں وقت قربانی کے مفہوم کا ایک جز ہے لہذا اس کا اعتبار ضروری ہے۔

اس کی ایک نظیر یہ ہے کہ اگر بکری کی ہدی پیش کرنے کی نذر مانے تو علماء نے کہا ہے کہ اس کو حرم شریف میں ذبح کرنے اور وہیں اس کو صدقہ کرنے سے اپنی ذمہ داری سے بری ہوگا (کیونکہ حدود حرم ہدی کے مفہوم کا جزء ہے)۔ اس کے ساتھ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر فقراء مکہ پر کسی درہم کو صدقہ کرنے کی نذر مانے تو ان کے سوا کسی دوسرے پر بھی اس کو صدقہ کرنا جائز ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہدی نام ہے اس جانور کا جو مکہ مکرمہ کو لیجایا جاتا ہے اور وہاں صدقہ کیا جاتا ہے۔ قربانی کے لئے وقت کی طرح سے حدود حرم ہدی کے مفہوم کا ایک جزء ہیں۔ پس اگر اس ہدی کو مکہ مکرمہ کے علاوہ کہیں اور صدقہ کرے گا تو اسکی نذر پوری نہیں ہوگی۔

74/4504۔ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ایک صاحب فتح مکہ کے دن کھڑے ہوئے اور عرض کئے یارسول اللہ ﷺ میں نے اللہ بزرگ و برتر کے لئے یہ منت کی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ کے لئے مکہ فتح کردے تو میں بیت المقدس میں دو رکعت نماز پڑھونگا۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم یہیں نماز پڑھ لو [17] پھر انہوں نے حضور ﷺ سے دوبارہ یہی عرض کیا۔ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم یہیں نماز پڑھ لو۔ انہوں نے پھر یہی عرض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا تب تو تمہاری مرضی۔ (ابوداؤد، دارمی)

اس کے برخلاف درہم کو مکہ مکرمہ میں صدقہ کرنے کی نذر کرے کیونکہ جگہ درہم کے مفہوم کا جز نہیں ہے۔ درہم کو مکہ مکرمہ یا غیر مکہ مکرمہ کہیں بھی صدقہ کیا جائے تو وہ درہم ہی ہے۔ لیکن ہدی حدود حرم کے سوا کہیں نہیں ہوتی۔ پس اس سے نذر کے صحیح ہونے اور ایام نحر میں قربانی کے جانور کو ذبح کرنا ضروری ہونے کی وجہ ظاہر ہے۔

صاحب ردالمحتار نے فرمایا ہے اس عظیم فائدہ کو تم غنیمت جانو کیونکہ یہ میری گہری فکر کے نتائج میں سے ہے۔ اور اس کو کسی کتاب میں دیکھا نہیں ہوں اور ساری حمد اللہ تعالیٰ کے لئے جو مالک اور خوب عطا کرنے والا ہے۔

[17] قولہ قال صل ھھنا الخ (فرمایا یہاں نماز پڑھ لو) فقیہ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مسجد حرام میں دو رکعت کی جب نذر مانے اور اس سے کم شرف والے مکان میں ادا کرے یا کسی ایسے مکان میں ادا کرے جس کو کوئی شرف حاصل نہیں ہے تو بھی اس کے لئے کافی ہے۔ (مرقات)

فتاوی عالمگیری میں ہے کہ ہمارے اصحاب رحمھم اللہ کے مابین اختلاف اس مسئلہ میں ہے کہ آدمی کسی معین جگہ میں روزہ رکھنے یا نماز پڑھنے کی نذر مانے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس کو اختیار ہے جس مقام میں چاہے روزہ رکھے اور نماز پڑھے۔ (السراج الوھاج)

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ ان کے دلائل کتاب ’’شرح معانی الآثار‘‘ میں مذکور ہیں۔ درمختار کتاب الایمان میں ہے کہ نذر غیر معلق کسی چیز کے ساتھ مختص نہیں ہوتی اور اس کی تفصیل ردالمحتار میں اس طرح ہے کہ اعتکاف یا حج یا نماز، روزہ وغیرہ کی نذر جو غیر معلق ہے اگرچہ وہ معین ہو تو وہ کسی زمانے، کسی مکان یا کسی درہم یا کسی فقیر سے مخصوص نہیں ہوتی۔ پس اگر کوئی نذر مانے کہ جمعہ کے دن مکہ مکرمہ میں اس درہم کو فلاں آدمی پر خرچ کروں گا اور اگر اس کے خلاف کیا تو بھی جائز ہے۔ اسی طرح اگر اس سے پہلے دے دیا تو بھی جائز ہے۔ اور اگر کسی خاص مہینہ کو اعتکاف کے لئے یا روزہ کے لئے متعین کرلیا اور اس سے پہلے رکھ لیا تو بھی درست ہے۔ اسی طرح اگر منت مانا کہ فلاں سال حج کروں گا اور اس سے پہلے حج کرلیا تو بھی درست ہے۔ یا فلاں دن نماز پڑھوں گا اور اس سے پہلے پڑھ لیا تو بھی درست ہے۔ کیونکہ اس میں سبب یعنی نذر کے منعقد ہونے کے بعد (ادا کرنے میں) جلدی کی جارہی ہے تو یہ تخصیص لغو ہوجائے گی۔ برخلاف نذر معلق کے کہ اس کی شرط پائے جانے سے پہلے اس کو ادا کرنا جائز نہیں۔ فرق یہ ہے کہ نذر معلق، شرط کے پائے جانے سے پہلے فوری طور پر منعقد نہیں ہوتی جیسا کہ اصول فقہ میں ہے بلکہ شرط کے پائے جانے پر منعقد ہوتی ہے۔ اس کو اگر پہلے کرنا جائز ہو تو سبب سے پہلے مسبب کا وقوع لازم آئے گا جو درست نہیں ہے اور اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ نذر معلق کی تعجیل کا جہاں تک تعلق ہے اس میں زمانہ متعین رہتا ہے (اس سے پہلے درست نہیں)۔ البتہ اس کو دیر سے کرنا جائز ہے کیونکہ اس میں کوئی ممانعت نہیں۔

اسی طرح سے اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ نذر معلق میں مکان، درہم اور فقیر کا تعین نہیں ہوتا کیونکہ تعلیق کا اثر صرف سببیت میں ہے اس لئے اس میں وقت سے پہلے کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وقت اس میں متعین ہے اب رہا جگہ، درہم اور فقیر اس میں عدم تعین کا قاعدہ جاری ہوگا جس طرح فقیر کا تعین نہیں ہے تو اس کے تعداد کا بھی تعین نہیں ہوگا۔

75/4505 ۔ حضرت محمد بن منتشر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ایک صاحب حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کے پاس آئے اور کہنے لگے میں اپنے بیٹے کو قربان کیے جانے والا بنادیا ہوں (یعنی قربان کرنے کی نیت کر لیا ہوں)۔ اور مسروق بن اجدع مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان صاحب سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے فرمایا تم ان بزرگ (مسروقؒ) کے پاس جاؤ اور ان سے دریافت کرو پھر میرے پاس آنا اور وہ جو کچھ فرمائیں گے مجھے بتلانا۔ تو وہ حضرت مسروقؒ کے پاس آئے اور ان سے دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا اگر وہ (ان کا بیٹا) مسلمان ہے تو تم اس کو جنت میں بھیجنے کے لئے جلدی کر رہے ہو اور اگر وہ کافر ہے تو تم اس کو دوزخ میں بھیجنے کے لئے جلدی کر رہے ہو۔ تم ایک دنبہ ذبح کردو۔ وہ تمہارے لئے کافی ہوجائے گا 18۔ پھر وہ صاحب ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کے پاس آئے اور حضرت مسروقؒ نے جو کچھ فرمایا تھا آپؓ سے بیان کردیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے فرمایا میں بھی تم کو وہی حکم دیتا ہوں جو مسروق نے تمہیں دیا ہے۔ (امام محمدؒ۔ کتاب الآثار)

فتاوی خانیہ میں ہے۔ اگر کوئی آدمی یہ کہے اگر میں اپنی بیٹی کی شادی کردوں تو میرے مال میں سے ہزار درہم ہر مسکین کو ایک درہم کے اعتبار سے صدقہ ہے۔ اب وہ شادی کردے اور ایک ہی مسکین کو جملہ ایک ہزار درہم دیدے تو بھی جائز ہے۔

18 قولہ اذبح کبشا فانہ یجزئک الخ (تم ایک دنبہ ذبح کردو۔ وہ تمہارے لئے کافی ہوجائے گا) یعنی جو آدمی اپنے بچے کو ذبح کرنے کی نذر مانے تو اس کے ذمہ ایک بکری ذبح کرنا ہے۔ اور یہ حضرت خلیل اللہ علیہ وعلی نبینا الصلوۃ والسلام کے واقعہ کی بناء پر ہے۔ اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس نذر کو لغو قرار دیا ہے جیسا کہ کوئی آدمی اپنے آپ کو قتل کرلینے کی نذر مانے، اسی طرح اپنے آپ کو یا اپنے غلام کو ذبح کرنے کی نذر مانے۔

اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بکری ذبح کرنا واجب قرار دیا ہے۔ اور اگر کوئی شخص اپنے والد کو یا اپنے دادا یا اپنی والدہ کو ذبح کرنے کی منت مانے تو بالاتفاق وہ لغو ہے کیونکہ وہ اس کی کمائی نہیں ہیں (در مختار)

ردالمحتار اور ''اختیار'' میں یہ ہے کہ اگر آدمی اپنے بیٹے کو ذبح کرنے یا نحر کرنے کی منت مانے تو امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اس پر اس نذر کے بدلے ایک بکرا ذبح کردینا لازم آئے گا۔ اگر کسی آدمی نے اپنے آپ کو یا اپنے غلام کو ذبح کرنے کی منت مانی تو اس مسئلہ میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے یہی روایت ہے۔

اور والد اور والدہ کو ذبح کردینے کی منت مانے تو امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں اور اصح روایت یہ ہے کہ یہ منت درست نہیں ہے اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان میں سے کوئی نذر بھی درست نہیں ہے۔ کیونکہ یہ نذر گناہ کی ہے جو درست نہیں ہے اور ان دونوں کا مذہب لڑکے کو ذبح کرنے کی نذر کے مسئلہ میں، حضرت سیدنا علی مرتضیٰ، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما اور ان کے علاوہ دیگر صحابہ علیہم الرضوان کا مذہب ہے۔

اور اس جیسے مسئلہ کو قیاس سے معلوم نہیں کیا جاسکتا بلکہ یہ ایک سماعی مسئلہ ہے کہ اس میں بچہ کو ذبح کرنے کو واجب کرلینے سے مراد بکری کو ذبح کرنا واجب کرلینا ہے یہاں تک کہ اگر بچہ کو مکہ مکرمہ میں ذبح کرنے کی نذر مانے تو بکری کو حرم شریف میں ذبح کرنا ضروری ہے۔

حضرت ذبیح اللہ علیہ السلام کے واقعہ سے یہ بات ظاہر ہے کیونکہ اللہ تعالی نے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام پر ان کے صاحبزادہ کو ذبح کرنا واجب کیا پھر ان کو ایک بکری ذبح کرنے کا حکم دیا۔

جیسا کہ ارشاد باری ہے ''قد صدقت الرؤیا'' (بلاشبہ آپ نے خواب کو سچا کردکھایا۔) ہماری شریعت میں بھی یہی حکم باقی رہے گا۔

یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی بناء ہے ''ثم اوحینا الیک ان اتبع ملة ابراھیم حنیفا'' (پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ ابراہیم کی ملت کی اتباع کیجئے جو حنیف ہیں)۔ یا اس لئے بھی کہ جب تک نسخ ثابت نہ ہو ہم سے پہلے کی شریعت لازم ہے اور اس کی مثالیں موجود ہیں۔

مثلاً اللہ تعالیٰ کے گھر کی طرف پیدل جانے کو واجب کرنے سے مراد حج یا عمرہ ہوتا ہے۔ ہدی کو واجب کرنے سے مراد بکری ذبح کرنا واجب کرلینا ہے، اور ایسی مثالیں بہت ہیں، جب بچے کو ذبح کرنے کی نذر سے مراد بکری کا ذبح کرنا ہے تو یہ نذر معصیت کی نہیں بلکہ ثواب کی ہے۔

حضرت امام اسبجابیؒ اور دوسرے علماء نے فرمایا ہے کہ اگر وہ بچہ ہی کو ذبح کرنا مراد لیا ہے جانتے ہوئے کہ یہ گناہ کا کام ہے تو ایسی صورت میں یہ نذر درست نہیں۔ اور اس کی ایک نظیر شیخِ فانی کے حق میں روزہ کی ہے اس کے لئے روزہ رکھنا معصیت اور گناہ ہے۔ اس لئے کہ یہ چیز اس کے ہلاکت کا باعث ہے۔

شیخ فانی (جو اس قدر کمزور ہو کہ روزہ رکھنے سے اس کی موت واقع ہو جائے گی) اگر روزہ کی نذر کی نیت کرے تو نذر درست ہے اور فدیہ دینا واجب ہے۔ اس مسئلہ میں جس طرح فدیہ لازم آتا ہے اسی طرح اس میں بھی (بچہ کو ذبح کرنے کی نذر کے مسئلہ میں بھی فدیہ لازم آئے گا) اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اپنے نفس پر اور غلام پر اپنے لڑکے سے بڑھ کر حق تصرف حاصل ہے۔

اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بکری کو ذبح کرنے کا وجوب خلاف قیاس ہے کیونکہ ہم نے اس کو حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے قصہ سے استدلال کرکے جانا ہے۔ اور یہ واقعہ بیٹے کے بارے میں وارد ہوا ہے جو اسی پر محدود رہے گا۔

اور اگر کوئی آدمی قتل کرنے کی نذر مانے تو بالاتفاق اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہے۔ کیونکہ نص (کتاب اللہ) میں ذبح کا لفظ ہے اور لفظ نحر، ذبح کی طرح سے ہے اور لفظ قتل ایسا نہیں ہے۔ اس لئے کہ ذبح اور نحر یہ دونوں الفاظ قرآن مجید میں تقرب اور عبادت کے طور پر آئے ہیں اور قتل کا لفظ عقوبت، انتقام اور نہی کے طور پر آیا ہے۔ قتل کے لفظ سے اگر بکری ذبح کرنے کی نذر مانے تو یہ درست نہیں ہے۔ لہذا اس مسئلہ میں بھی بدرجہ اولی درست نہیں ہوگا۔

(15) کتاب القصاص

قصاص کا بیان

اللہ بزرگ وبرتر کا فرمان ہے: وکتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس والعین بالعین .. الخ (5 المائدہ 45) (اور ہم نے تورات میں ان (یہودیوں) پر یہ واجب قرار دیا 1 کہ جان کے بدلہ جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور سب زخموں کا اسی طرح بدلہ ہے۔ لیکن جو شخص معاف کردے تو یہ اس کے لئے گناہوں کا کفارہ ہوگا۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دیں تو ایسے لوگ ظالم ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

یا ایھا الذین آمنو اکتب علیکم القصاص فی القتلی (2 البقرہ 178)

اے ایمان والو تم پر (ناحق) قتل کئے جانے والوں کے بارے میں قصاص یعنی جان کے بدلے جان لینا مقرر کردیا گیا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فمن اعتدی علیکم فاعتدو اعلیه بمثل ما اعتدی علیکم (اگر کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر ویسی ہی زیادتی کرو جیسا اس نے تم پر کیا ہے) (2 البقرہ 194)

---

1 وکتبنا علیھم الخ (ان پر یہ واجب قرار دیا) جان اور دیگر اعضاء کے قصاص کی بابت یہ جامع آیت ہے۔ اور سورہ بقرہ میں جو آیت گزری ہے وہ صرف جان کے قصاص

1/4506 ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو مسلمان آدمی "لا الہ الا اللہ" کی اور اس بات کی کہ میں اللہ کا رسول ہوں گواہی دے تو اس کا خون حلال 2 نہیں سوائے ان تین باتوں کی وجہ سے

کے بارے میں ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں جو شریعت نازل فرمائی تھی۔ اس آیت میں اس کی خبر دی جارہی ہے۔ کیونکہ "**علیھم**" کی ضمیر یہود کی طرف اور "فیھا" میں ضمیر تورات کی طرف لوٹتی ہے۔

اس آیت سے استدلال اس طرح سے کیا گیا ہے کہ ہم سے پہلے کی شریعت کے احکام جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ والہ الصلوۃ والسلام بغیر نکیر کے ذکر فرمائیں تو وہ ہمارے لئے لازم ہوں گے۔ یعنی جب سابقہ شریعت کے احکام بیان کئے جائیں اور اس پر سکوت اختیار کیا جائے اور اس کو چھوڑنے کا حکم نہ دیا جائے تو یہ احکام ہم پر لازم ہو جاتے ہیں۔ علم اصول میں یہ قاعدہ کلیہ ہے۔

اور یہاں یہی بات ہے۔ کیونکہ تورات میں یہودیوں کو جو حکم دیا گیا تھا کہ نفس کو نفس کے بدلے میں قتل کیا جائے گا الخ اس کو بیان کیا گیا اور اس پر کوئی نکیر نہیں کی گئی تو یہ ہم پر لازم ہو جائے گا۔ امام زاہدؒ نے ایسا ہی ذکر کیا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اس آیت میں جان کے اور دیگر اعضاء کے قصاص سے متعلق احکام ہیں۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس "ان النفس بالنفس" کی آیت "الحر بالحر والعبد بالعبد والانثیٰ بالانثیٰ" کے لئے ناسخ ہے۔

اس لئے احناف کے پاس آزاد کو غلام کے بدلے میں قتل کرنا اور مرد کو عورت کے بدلے قتل کرنا جائز ہے۔ امام شافعی کا اس میں اختلاف ہے۔ (تفسیرات احمدیہ)

2 قولہ: لا یحل دم امریٔ مسلم الخ (کسی مسلمان آدمی کا خون حلال نہیں)

حضرت حافظ ابوالحسن علی بن مفضل مصری مالکی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ ستی

1۔ کسی جان کے بدلے 3 جان کو قتل کرنا

سے نماز چھوڑنے والے کو بشرطیکہ وہ نماز کا انکار نہ کرتا ہو قتل نہیں کیا جائے گا۔ احناف کا بھی قول یہی ہے کہ سستی سے عمداً نماز چھوڑنے والا فاسق ہے نماز پڑھنے تک اس کو قید کیا جائے گا کیونکہ جب بندے کے حق کے لئے قید کیا جاسکتا ہے تو حق تعالی کے حق کے لئے بدرجہ اولی قید کیا جانا چاہئے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کو خون بہنے تک مارا جائے گا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک نماز کے ترک کرنے کی بناء پر بطور حد قتل کیا جائے گا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بوجہ کفر اس کو قتل کیا جائے گا۔ (عمدۃ القاری، درمختار)

3 قولہ: النفس بالنفس :۔ (جان کے بدلے جان) اس سے مراد قصاص ہے امام اعظم اور آپ کے اصحاب رحمہم اللہ تعالی نے اس حدیث شریف کے عموم سے استدلال کیا ہے کہ غلام کے بدلے آزاد کو اور ذمی کے بدلے مسلمان کو قتل کیا جائے گا۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس کے خلاف ہیں (ان کے پاس اس آزاد کو جو غلام کا قاتل اور اس مسلمان کو جو ذمی کا قاتل ہے قتل نہیں کیا جائے گا) اور ہمارے مذہب کی دلیل ''وکتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس'' کی آیت ہے اور یہ کہ ارشاد باری تعالی ''الحر بالحر والعبد بالعبد'' سے بظاہر جو مفہوم ہے وہ مراد نہیں ہے۔

خصوصاً جب کہ اس بات پر اتفاق موجود ہے کہ آیت کے ماتحت حصہ ''الانثی بالانثی'' کے مفہوم کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ اس بات پر اجماع ہے کہ عورت کے بدلے مرد کو قتل کیا جائے گا۔ (ماخوذ از نیل الاوطار، درمختار، مرقات)

اور صاحب درمختار نے کہا ہے کہ ہماری دلیل اللہ تعالی کا ارشاد ''ان النفس بالنفس'' کا مطلق ہونا ہے۔ اور یہ اللہ تعالی کے ارشاد

2۔ شادی شدہ زنا کار 4

3۔ جو اپنے دین (اسلام) 5 سے نکل جانے والا جماعت مسلمین کو چھوڑ دینے والا۔ (متفق علیہ)

''الحر بالحر'' کے لئے ناسخ ہے امام سیوطیؒ نے درمنثور میں نحاس کی روایت کو بیان کیا ہے جو عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ کسی چیز کے خاص طور پر ذکر کئے جانے سے دوسرے کی نفی لازم نہیں آتی۔ اگر ایسا ہی مفہوم ہو تو مرد کو عورت کے بدلے میں قتل نہ کیا جانا ضروری ہوگا حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔

4 قولہ والثیب الزانی (شادی شدہ زانی) ''ثیب'' سے مراد ''المحصن'' شادی شدہ ہے یعنی وہ آزاد مکلف آدمی جو نکاح صحیح میں ہونے کے باوجود زنا کرے تو امام اس پر رَجم کرے گا۔ اور اس پر اتفاق ہے کہ کسی اور آدمی کو اس حکم کے مقابلہ میں کوئی حق نہیں اب رہا وہ مکلف جو آزاد ہے اور غیر شادی شدہ ہے، اگر وہ زنا کرے تو اس کو سو کوڑے لگائے جائیں گے اور اگر غلام ہے تو پچاس کوڑے لگائے جائیں گے۔ (نیل الاوطار، مرقات)

5 قولہ والمارق لدینہ التارک للجماعۃ (دین سے نکل جانے والا جماعت کو چھوڑنے والا) ''مارق لدینہ'' سے مراد دین سے خارج ہونے والا آدمی ہے اور تارک للجماعۃ مارق کی صفت مؤکدہ ہے۔ یعنی جو آدمی مسلمانوں کی جماعت کو چھوڑ دے اور مرتد ہو کر ان سے نکل جائے اور ارتداد کی بناء ان سے الگ ہو گیا ہو جس کی وجہ سے قولاً، فعلاً، اعتقاداً اسلام کا تعلق ختم ہو جاتا ہے اگر وہ توبہ نہ کرے تو واجب القتل ہے۔ اور اس کو مسلمان کا نام دینا اس کی سابقہ حالت کی بناء پر مجازاً ہے۔ مرتد آدمی اسلام کی طرف پلٹ کر نہ آئے اور کفر پر مصر رہے تو علماء نے اس کے قتل پر اتفاق کیا ہے۔ لیکن مرتدہ عورت کے قتل کے بارے میں اختلاف ہے، حضرت امام شافعیؒ اس کو مرتد آدمی کی طرح قرار دیتے ہیں۔ اور

2/4507 ۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت انہیں یمن کی طرف بھیجا یہ فرمایا کہ جو آدمی دین اسلام سے مرتد ہو جائے تو اسے دعوت دو (دین کی طرف بلاؤ) پھر اس نے اگر توبہ کرلی تو اس سے اس کو قبول کرلو۔ اور اگر توبہ نہ کی تو اس کی گردن ماردو۔ اور جو کوئی عورت اسلام سے پھر جائے تو تم اسے دعوت دو (اسلام کی طرف بلاؤ) پھر وہ توبہ کرلے تو اس کو قبول کرلو اور اگر اس نے انکار کردیا تو تم اس کو پھر توبہ کی تلقین کرو۔ (معجم طبرانی)

3/4508 ۔ حضرت ابوامامہ بن سھل بن حنیف رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالی عنہ نے (جب باغیوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کرلیا تھا) کھڑکی سے جھانک کر فرمایا کہ میں تم کو اللہ تعالی کی قسم دلاتا ہوں، کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ کسی مرد مسلم کا خون حلال نہیں ہے، سوائے تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت سے احصان کے بعد زنا کرنے (احصان کے معنی آزاد آدمی کا نکاح صحیح میں ہونا ہے) یا اسلام کے بعد کفر اختیار کرنا یا کسی نفس کو ناحق قتل کردینا۔ خدا کی قسم میں نے نہ کبھی زمانہ جاہلیت میں زنا کا ارتکاب کیا ہے اور نہ زمانہ اسلام میں اور جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی ہے دین سے نہیں پھرا ہوں اور کسی ایسی جان کو جسے اللہ تعالی نے حرام فرمایا ہے کبھی قتل نہیں کیا۔ پھر تم مجھے کیوں قتل کرتے ہو۔؟ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ مرتدہ عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ ''نهى عن قتل النساء والصبيان'' کہ حضور پاک علیہ والہ الصلوۃ والسلام نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا ہے۔ اور آپؒ اسی حدیث شریف کی بناء پر مرتدہ عورت کو ''والمارق لدينه'' کے عموم سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔ اور اس کی تائید میں طبرانی کی وہ حدیث بھی ہے جو آگے آرہی ہے۔ (مرقات، عمدۃ القاری، رحمۃ الامۃ)

4/4509۔ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مسلمان دین کی وسعت میں رہے گا اگر وہ خونِ حرام نہ کرے۔ (بخاری)

5/4510۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن تیز رو اور صالح (نیکی میں سبقت کرنے والا) رہتا ہے جب تک کہ حرام خون کا ارتکاب نہ کرے۔ اور جب حرام خون کر لیتا ہے تو اب وہ عاجز ہو جاتا ہے۔ (ابوداؤد)

6/4511۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن سب سے پہلے لوگوں کے درمیان خونِ ناحق کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔ (متفق علیہ)

7/4512۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بے شک دنیا کا ختم ہو جانا اللہ تعالیٰ کے پاس ایک مردِ مسلم کے قتل سے آسان ہے۔ (ترمذی، نسائی، امام ابن ماجہؒ نے اس حدیث کو براء بن عازبؓ سے روایت کی ہے)

8/4513۔ حضرت ابو سعید اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر آسمان اور زمین والے ایک مردِ مومن کا خون کرنے میں شریک ہو جائیں تو سب کو اللہ تعالیٰ جہنم میں منہ کے بل جھونک دے گا۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

9/4514۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر گناہ، قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے، سوائے اس کے جو بحالتِ شرک مر گیا یا جو کسی مومن کو عمداً قتل کرے۔

6(ابو داؤد، امام نسائیؒ نے اس حدیث کو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی ہے)

10/4515 ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن مقتول اپنے قاتل کو اس طرح لائے گا کہ اس کی پیشانی کے بال اور اس کا سر اس کے ہاتھ میں ہوگا۔ اور اس کے رگوں سے خون ٹپک رہا ہوگا اور وہ (مقتول) کہے گا اے مرے رب! اس (قاتل) نے مجھ کو قتل کیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ (مقتول) اس کو (قاتل کو) عرش سے قریب لا کھڑا کردے گا۔ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

11/4516 ۔ حضرت جندب رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ فلاں شخص نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مقتول قیامت کے دن اپنے قاتل کو لائے گا اور کہے گا پوچھو اس سے اس نے مجھ کو کیوں قتل کیا ہے تو وہ کہے گا کہ میں نے اس کو فلاں کے اقتدار میں قتل کیا• حضرت جندبؓ نے کہا کہ تم اس سے بچو۔ (نسائی)۔

---

6 **ومن یقتل مومنا متعمدا** (اور جو کسی مؤمن کو عمداً قتل کرے) اس گناہ کے معاف نہ ہونے کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ وہ ایک مسلمان کو مسلمان ہونے کی بناء پر قتل کرنے کا ارادہ کیا ہو یا اس سے مقصود اس گناہ کی شدت کو ظاہر کرنا ہے۔ یا یہ کہ وہ معاف نہ ہوگا یہاں تک کہ وہ اپنے فریق کو راضی کرلے یا یہ کہ اللہ تعالی خود اس کو معاف کردے۔ یہ اس بناء پر ہے کہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا **ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذلک لمن یشاء** ''بیشک اللہ تعالی اس بات کو معاف نہیں کرے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور (ہاں) اس کے سوا جس کو چاہے گا معاف کردے گا۔ (4 النساء آیت 48)

صاحب تفسیر مظہری نے فرمایا ہے کہ یہ اس صورت میں ہے جب کوئی اس کے (مسلمان کے) خون کرنے کو حلال سمجھتا ہے (مرقات) ایسی ہی مزید تفصیلات ہیں جن کو ہم باندیشہ طوالت چھوڑ دیتے ہیں۔

12/4517 ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص کسی مسلمان کے قتل پر ذرا سی بات سے بھی مدد کرے تو وہ اللہ تعالی سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہوا ہوگا "یہ اللہ تعالی کی رحمت سے مایوس ہے"۔ (ابن ماجہ)

13/4518 ۔ حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ (ﷺ) آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں اگر میری کسی ایک کافر سے مڈبھیڑ (لڑائی) ہو جائے اور ہم لڑ پڑیں وہ میرے ایک ہاتھ پر تلوار سے وار کرے اور وہ کٹ جائے پھر وہ مجھ سے (بھاگ کر) ایک درخت کی پناہ لے، پھر کہے میں اللہ کے لئے مسلمان ہو گیا۔

14/4519 ۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جب میں جھک کر اس کو قتل کرنے کا ارادہ کرلوں اور وہ "لا الہ الا اللہ" کہے تو اس کے یہ کہنے کے بعد کیا میں اسے قتل کردوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم اس کو مت قتل کرو۔ 7 انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس نے میرے ایک ہاتھ کو کاٹ دیا۔ تو

---

7 قولہ لا تقتلہ (تم اس کو مت قتل کرو) اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ جو آدمی مجبور ہو کر اسلام قبول کرے تو بھی اس کا اسلام درست ہے۔ اور کافر جب "اسلمت" یا "انا مسلم" کہے تو اس پر اس کے مسلمان ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔ اور اگر اسلام کے لئے مجبور کیا گیا ہو اور اس پر مسلمان ہونے کا حکم بھی لگایا گیا ہو اس کے بعد وہ اسلام سے پھر گیا تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس میں مرتد نہ ہونے کا ایک شبہ ہے اور یہ شبہ قتل کو دفع کرتا ہے۔ (مرقات، ہدایہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم اس کو مت قتل کرو 8 اگر تم نے اس کو قتل کردیا، تو وہ تمہارے اس درجہ میں ہوجائے گا جو تمہیں اس کو قتل کرنے سے پہلے حاصل تھا۔ اور تم اس کے اس درجہ میں ہوجاؤ گے جو اس کو، اس کی یہ بات کہنے سے پہلے حاصل تھا۔ (متفق علیہ)

15/4520۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو (قبیلہ) جہینہ کے لوگوں کے پاس بھیجا تو میں ان میں کے ایک آدمی کے پاس آیا اور اس کو نیزہ سے مارنے گیا۔ اس نے "لا الہ الا اللہ" کہا لیکن میں نے اس کے باوجود نیزہ مار کر اس کو قتل کردیا۔ جب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ کو اس کی خبر دی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا تم نے اس کو مارڈالا جب کہ وہ "لا الہ الا اللہ" کی گواہی دے چکا (تھا) تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس نے تو ایسا صرف

---

8 قولہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "لا تقتلہ"۔ (اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس کو مت قتل کرو) اس حدیث شریف سے جس میں قتل سے منع کیا گیا ہے اور مکرر دریافت کرنے کے باوجود کہ اس نے ایک ہاتھ کو کاٹ دیا تھا، قتل کرنے سے مکرر منع کیا گیا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حربی جب کسی مسلمان کے حق میں جرم کرے پھر وہ مسلمان ہوجائے تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ کیونکہ اگر قصاص واجب ہوتا تو اس کے دو ہاتھوں میں سے ایک ہاتھ کو قصاص میں کاٹ دینے کی اجازت ملتی تھی (مرقات) الاشباہ والنظائر میں ہے ذمی کا اسلام لانا اس کے ماقبل اسلام تمام حقوق اللہ کو مٹا دیتا ہے مثلاً قصاص، مال کا ضمان وغیرہ۔ مگر چند مسائل اگرچہ کہ وہ حقوق اللہ ہیں ساقط نہیں ہوں گے۔ اگر اسلام سے پہلے اس کا زنا کرنا مسلمانوں کی گواہی سے ثابت ہوجائے تو اس کے اسلام لانے کی وجہ سے اس کی حد ساقط نہیں ہوگی اور اگر ایسا نہ ہو تو ساقط ہوجائے گی۔

پناہ (بچنے) کی خاطر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو تم نے اس کے دل کو کیوں نہیں چیرا (یعنی کیا تم اس کے دل کی حالت کو جانتے تھے)۔ 9 (متفق علیہ)

16/4521۔ حضرت جندب بن عبداللہ بجلی رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تو کیا کر سکے گا جب قیامت کے دن کلمہ "لا الہ الا اللہ" آئے گا۔ آپ ﷺ نے اس کو کئی مرتبہ فرمایا۔ (مسلم)

17/4522۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے کسی معاہد (جس کے ساتھ معاہدہ کیا گیا ہو) کو مار ڈالا ہو وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا۔ 10 جبکہ اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے محسوس ہوتی ہے۔ (بخاری)

18/4523۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص پہاڑ سے گر کر خودکشی کرے 11 تو وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گرتا رہے گا اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔

---

9 **قولہ فھلا شققت عن قلبہ** (تو تم نے اس کے دل کو کیوں نہیں چیرا) اس حدیث شریف میں فقہ اور اصولِ فقہ کے مشہور قاعدہ کی دلیل ہے کہ احکام میں ظاہر پر حکم لگایا جاتا ہے۔ (مرقات)

10 **قولہ لم یرح رائحۃ الجنۃ** (جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا) ہمارے علماء فرماتے ہیں ذمی سے جھگڑا کرنا مسلمان سے جھگڑا کرنے سے بڑھ کر سخت ہے (مرقات)

11 **قولہ فقتل نفسہ فھو فی نار جھنم** (خودکشی کرلے تو وہ جہنم کی آگ میں رہے گا) اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس کام کو حلال سمجھ کر کیا اور اگر اس سے عموم مراد ہے تو اس وقت خلود اور تابید سے مراد طویل عرصے تک رہنا ہے کیونکہ یہ دو معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

اور جو شخص زہر پیئے گا اور خودکشی کرلے گا تو اس کا زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا جس کو وہ دوزخ کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ پیتا رہے گا۔ اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ اور جو کوئی بھی کسی تیز ٹکڑے (تلوار، چاقو وغیرہ) سے خودکشی کرلے گا تو اس کا وہ ٹکڑا (تلوار، چاقو وغیرہ) اس کے ہاتھ میں رہے گا۔ جس سے وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ رہ کر اپنے پیٹ میں گھونپتا رہے گا۔ (متفق علیہ)

19/4524۔ اور انہی سے (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے) روایت ہے کہ جو اپنا گلا گھونٹ لیتا ہے تو دوزخ میں بھی (اسی طرح) گھونٹ لیتا رہے گا اور جو اپنے کو نیزا مار کر ہلاک کرلے گا تو وہ دوزخ میں بھی (اسی طرح) نیزہ مار لیتا رہے گا۔

20/4525۔ حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم سے پہلے زمانہ میں ایک آدمی تھا جس کو ایک زخم تھا اس نے بیقرار ہو کر ایک چھری لی اور اس سے اپنے ہاتھ کو کاٹ لیا، پھر اس کا خون تھما نہیں یہاں تک کہ وہ مر گیا۔

---

(1) ہمیشہ ہمیشہ رہنا (2) طویل عرصہ تک رہنا جو آخر کار منقطع ہو جاتا ہے۔

اسی لئے فقہاء اور اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے جو آدمی اپنے آپ کو قتل کرلے تو وہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ اور حضرت امام اعظم اور امام محمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس کو غسل دیا جائے گا اور اس پر نماز پڑھی جائے گی اسی پر فتوی ہے اگرچہ کہ یہ گناہ (یعنی خودکشی) دوسرے کو قتل کرنے سے بدتر ہے۔ اور حضرت کمال رحمۃ اللہ نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ترجیح دی ہے کہ غسل دیا جائے گا مگر نماز نہیں پڑھی جائے گی۔

مسلم شریف میں ایک حدیث ہے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ایسے شخص کا جنازہ لایا گیا جس نے خودکشی کی تھی۔ اس پر آپ ﷺ نے نماز نہیں پڑھی۔ صاحب بحر نے فرمایا ان مذکورہ اقوال کی تطبیق میں اختلاف ہے لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تائید حدیث سے ہوتی ہے۔ انتہی

اللہ تعالی نے فرمایا میرے بندہ نے میرے پاس آنے میں اپنی ذات سے جلدی کی، میں نے اس پر 12 جنت حرام کردی۔ (متفق علیہ)

21/4526۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو طفیل بن عمرو دوسیؓ نے بھی آپ ﷺ کی طرف ہجرت کی۔ اوران کے ساتھ ان کی قوم کا ایک آدمی (بھی) تھا جو بیمار ہوگیا۔ پھر اس نے بیقرار ہوکر اپنے تیر کی پیکان لی اور اپنی انگلیوں کے جوڑ کو کاٹ لیا۔ اوراس کے دونوں ہاتھوں سے خون بہنے لگا یہاں تک کہ وہ مرگیا۔ پھر طفیل بن عمروؓ نے اس کو خواب میں دیکھا اس کی حالت اچھی ہے اور دیکھا کہ وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو ڈھانکے ہوئے ہے۔ انہوں نے اس سے پوچھا کہ تمہارے

میں یہ کہتا ہوں کہ حدیث شریف میں اس پر کوئی دلالت نہیں ہے کیونکہ اس میں صرف اتنی بات ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی بظاہر آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں کو اس جیسی حرکت سے باز رکھنے کے لئے نماز پڑھنے سے رک گئے ہیں (ایسا ہی) جیسے قرض دار پر نماز پڑھنے سے رک گئے تھے۔ اس سے کسی بھی صحابی کا اس (جنازہ) پر نماز نہ پڑھنا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ حضور علیہ والہ الصلوۃ والسلام اور دوسروں کی نماز کے مابین مساوات وبرابری نہیں۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے" ان صلوتک سکن لھم " کیونکہ آپ کی صلوۃ ان کے لئے سکون ہے۔ پھر جانو اس بات کو کہ یہ سب اس آدمی کے بارے میں ہے جس نے اپنے آپ کو عمداً قتل کیا۔ لیکن اگر وہ قتل خطا ہو تو اس کی نماز جنازہ پڑھنے میں کسی کو اختلاف نہیں۔ جیسا کہ کفایہ اوراس کے سوا دوسری کتابیں مرقات، عمدۃ القاری، درمختار، ردالمحتار میں صراحت ہے۔

12 قولہ فحرمت علیہ الجنۃ (میں نے اس پر جنت حرام کردی)۔ ابن الملک نے فرمایا یہ اس آدمی کے بارے میں ہے جو خودکشی کو حلال سمجھتا ہے۔ یا اللہ تعالی اپنے فضل سے اس کو معاف نہ کرے تو وہ اپنے اس معاملہ کی سزا کا مزہ چکھنے تک اول وہلہ میں دخول جنت اس کے لئے حرام ہے۔

پروردگار نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اس شخص نے کہا کہ اللہ تعالی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرنے کی وجہ سے میری مغفرت فرمادی۔ انہوں نے دریافت کیا کہ کیا بات ہے میں تم کو اپنے دونوں ہاتھ ڈھانکے ہوئے دیکھ رہا ہوں؟ اس شخص نے کہا مجھ کو کہا گیا ہے جو تم نے اپنے سے بگاڑ دیا ہے ہم اس کو ہرگز درست نہیں کرینگے۔ چنانچہ حضرت طفیلؓ نے (یہ) قصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ''اے اللہ! اس کے دونوں ہاتھوں کو بخش دے''۔ 13 (مسلم)

22/4527۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قتلِ عمد میں قصاص ہے 14

---

13 قولہ الھم ولیدیہ فاغفر (اے اللہ اس کے دونوں ہاتھوں کو بخش دے) علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف میں اگر چہ کہ ایک صحابیؓ کے خواب اور اس کی تعبیر کا ذکر ہے لیکن حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ''اللھم ولیدیہ فاغفر'' یہ منجملہ ان احادیث کے ہے جس میں اس بات پر دلالت ہے کہ جو شخص توحید اور رسالت کی گواہی دیتا ہے وہ اگر چہ کہ خودکشی کرلے مگر دوزخ میں وہ ہمیشہ نہیں رہے گا۔ کیونکہ اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے آدمی کے لئے جو اپنے نفس پر جنایت کرنے والا ہے (یعنی خود کو ضرر پہنچانے والا ہے) دعاء مغفرت فرمائی ہے۔ اگر اس کے لئے خلود فی النار (ہمیشہ جہنم میں رہنا) ہوتا تو آپ ﷺ اس کے لئے دعا نہ کرتے اس لئے کہ جس آدمی کے لئے خلود فی النار ہے اس کے لئے دعا کرنے سے آپ ﷺ کو منع کیا گیا ہے۔ (مرقات)

14 قولہ العمد قود الخ (قتل عمد میں قصاص ہے) قتل عمد سے واجب ہونے والی جزا کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اور آپ کے اصحاب اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے ایک قول میں قتل عمد سے واجب ہونے والی جزا معین ہے اور

23/4528 ۔ اور ترمذیؒ کی ایک روایت میں ہے عمرو بن شعیبؒ اپنے والد سے، وہ ان کے دادا سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں اور جب وہ کسی چیز پر آپس میں ایک دوسرے سے صلح کرتے ہیں تو وہ ان کے لئے (درست) ہے۔

وہ قصاص ہے، دیت نہیں اور ولی کو دیت کا اختیار نہیں ہے۔ پس قاتل کی رضامندی کے بغیر ابن ابی شیبہؒ اور دار قطنیؒ نے اپنی سنن میں اور طبرانیؒ نے اپنی معجم میں اس کی روایت کی ہے۔ اس کا بدلہ مال نہیں ہوسکتا۔ اور یہ مال صلح کے ذریعہ سے درست ہوسکتا ہے اگرچہ کہ وہ مال دیت کے برابر ہو یا اس سے بھی زیادہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے پاس قتل عمد میں قصاص واجب ہے بغیر مصالحت کے اس کا بدلہ مال نہیں بن سکتا۔ اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ اپنے ایک قول میں فرماتے ہیں قصاص اور دیت دونوں علی التخییر واجب ہے، ولی کو اختیار ہے معاف کردے یا دیت لے یا قصاص لے۔ قاتل راضی ہو یا نہ ہو۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے اس قول کے مطابق اگر دیت کی جنس میں، دیت کی مقدار سے زیادہ پر صلح کرلے تو یہ درست نہیں ہوگا کیونکہ یہ ربا بن جائے گا۔

ہمارے پاس یہ درست ہے۔ ہماری دلیل اللہ تعالی کا یہ ارشاد ہے

"کتب علیکم القصاص فی القتلی" (مقتولوں کے بارے میں تم پر قصاص یعنی جان کے بدلے جان لینے کا حکم دیا جاتا ہے۔ (2۔ بقرہ 178) اس آیت میں دیت کا ذکر نہیں، نیز ہماری دلیل اس حدیث شریف کے علاوہ حضرت انس رضی اللہ تعالی کی حدیث بھی ہے "یا انس کتاب اللہ القصاص" اے انس اللہ تعالی کا فرمان قصاص ہے اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کی روایت میں ہے "من قتل عمدًا فھو قود" جو آدمی عمداً قتل کرے گا تو اس کا بدلہ قصاص ہے۔ جس حدیث شریف میں ولی کو اختیار دیا گیا ہے اس کا مطلب ہمارے پاس یہ ہے کہ ولی کو دو چیزوں کے درمیان اختیار ہے قصاص یا دیت جب کہ وہ اس کے لئے پیش کی جائے۔ (رحمتہ الامۃ، نیل الاوطار، درمختار، ردالمحتار، مرقات)

اس کی مکمل بحث حدیث انسؓ "یا انس کتاب اللہ القصاص" کے ذیل میں ان شاء اللہ تعالی آئے گی۔

سوائے اس کے کہ مقتول کا ولی معاف کر دے۔ 15

24/4529۔ حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ: ربیع نے اور وہ حضرت انس بن مالک کی پھوپھی ہیں۔ انصار کی ایک کنیز کا دانت توڑ دیا، تو وہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے قصاص کا حکم دیا تو انس بن نضر نے جو انس بن مالک کے چچا ہیں کہا نہیں بخدا یا رسول اللہ ﷺ اس کا دانت توڑا نہیں جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اے انس اللہ تعالی کا فرمان قصاص ہے 16 تو قوم راضی ہوگئی، اور تاوان قبول کر لی۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے بندوں میں سے کچھ ایسے بندے ہیں جو اللہ تعالی پر (کسی چیز کی) قسم کھائیں تو اللہ تعالی اس کو پورا فرمائے گا۔ (بخاری، مسلم)

---

15 قولہ الا ان یعفو ولی المقتول۔ (مگر یہ کہ مقتول کا ولی اس کو معاف کر دے) ہدایہ میں ہے کہ قتل عمد گناہ ہے اور اس کا بدلہ قصاص ہے مگر یہ کہ اس کے اولیاء معاف کر دیں یا مصالحت کر لیں۔

16۔ قولہ یا انس کتاب اللہ القصاص: (اے انس اللہ کا فرمان قصاص ہے)۔ حضرت امام طحاوی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیعؓ کا (باندی کے) دانت توڑے جانے کے قصہ میں قصاص اور دیت کے درمیان اختیار نہیں دیا بلکہ قصاص کا فیصلہ فرمایا۔

انس بن نضر رضی اللہ تعالی عنہ نے جب اس سلسلہ میں معروضہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "یا انس کتاب اللہ القصاص" اے انس اللہ تعالی کا فرمان تو قصاص ہے۔ پھر قوم نے ان کو معاف کر دیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو دیت کا فیصلہ نہیں فرمایا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ بزرگ و برتر کے فرمان اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے بموجب قتل عمد میں قصاص واجب ہے۔ کیونکہ اگر جس پر زیادتی کی گئی ہے اس کے لئے قصاص اور معافی کے درمیان اختیار ہوتا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کا اختیار دیدیتے اور ان کو اس اختیار سے باخبر کرتے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ کوئی آدمی کسی چیز میں اپنا مقدمہ پیش کرے جس میں دو چیزوں میں سے کوئی ایک چیز واجب ہوتی ہے اور اس کا حق ثابت ہو تو حاکم کو اختیار نہیں کہ ان میں سے کسی ایک چیز کا فیصلہ دے بلکہ اس کو ان دونوں چیزوں میں سے جس کو بھی وہ پسند کرے اس کو اختیار کرنے کا فیصلہ دینا چاہئے۔ اور اگر حاکم اس سے تجاوز کرے تو در حقیقت وہ فیصلہ کو سمجھنے سے قاصر رہا۔ اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو بے انتہا انصاف پسند حاکم ہیں اور جب آپ قصاص کا فیصلہ دیتے ہیں اور یہ بات بھی بتلا دیتے ہیں کہ یہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قتل عمد میں صرف قصاص ہی ہے۔

ہمارے اس مذکورہ بالا بیان کے مطابق یہ حدیث شریف جب ثابت ہے تو سیدنا ابو شریح اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنھما کی حدیث شریف کو اسی پر عطف کرنا ہوگا۔ اور ان دو حدیثوں میں حضرت رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے ارشاد گرامی "فھو بالخیار" یعنی اس کو اختیار ہے، معاف کردے یا قصاص لے یا دیت لے۔ یہ اس وقت ہے جب کہ مجرم دیت دینے کے لئے راضی ہو۔

اس طرح ان دونوں حدیثوں میں اور حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث کے معانی میں تطبیق ہوجاتی ہے۔

25/4530 ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، جو بلوے میں قتل کیا گیا 17 یا آپس کے پتھراؤ یا کوڑے بازی میں یا لاٹھی کی مار سے قتل ہوا تو وہ قتل خطا ہے اور اس کی دیت خطا کی دیت ہے۔ اور جو عمداً قتل کیا گیا تو اس میں قصاص ہے اور جو اس قصاص میں حائل ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور اس کا غضب ہے۔ اس کا کوئی فرض اور نفل قبول نہیں کیا جائے گا۔ (ابوداؤد، نسائی)

---

17 قولہ من قتل فی عمیۃ فی رمی الخ (جو آدمی کسی بلوے میں قتل کیا جائے، سنگباری کے ذریعہ یا کوڑے یا لاٹھیوں سے) اس طرح کا قتل فقہاء کرامؒ کے پاس ''شبہ عمد'' کہلاتا ہے۔

جانو اس بات کو کہ قتل ناحق کی، جس سے قصاص، دیت اور کفارہ متعلق ہوتا ہے پانچ قسمیں ہیں۔

1۔ عمد　　2۔ شبہ عمد　　3۔ قتل خطا

4۔ قائم مقام خطا　　5۔ کسی سبب سے قتل

ان پانچوں قسموں کی وجہ حصر یہ ہے کہ قتل دو صورتوں سے خالی نہیں یا مباشرۃ (بلاواسطہ راست) ہوگا یا بالواسطہ ہوگا اگر بلاواسطہ نہ ہو تو وہ قتل کسی سبب کی بناء پر ہے اور اگر بلاواسطہ ہے تو عمداً ہوگا یا وہ خطا ہوگا۔

اگر عمداً ہے تو وہ ہتھیار سے ہوگا اور ہتھیار کے مشابہ اجزاء کو الگ الگ کرنے والے کسی آلہ سے ہوگا۔ یا بغیر ہتھیار کے ہوگا۔ پہلی صورت یعنی ہتھیار سے ہو تو وہ قتل عمد ہے دوسری صورت یعنی وہ ہتھیار یا مشابہ ہتھیار سے نہ ہو تو وہ شبہ عمد ہے اگر خطا ہو تو وہ حالت بیداری میں ہوگا یا حالت نیند میں۔ اگر پہلی صورت (حالت بیداری) میں ہو تو وہ قتل خطا ہے۔ دوسری صورت (حالت نوم) میں ہو تو وہ قائم مقام خطا ہے۔ اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس قتل سے

قصاص، دیت، کفارہ، گناہ اور میراث سے محرومی متعلق ہے اس کی پانچ قسمیں ہیں ورنہ قتل کی تو بہت قسمیں ہیں۔ جیسے رجم (سنگباری)، سولی پر چڑھانا، حربی کو قتل کرنا وغیرہ۔

پہلی قسم:۔ پہلی قسم کا نام ''عمد'' ہے۔ عمد کی صورت یہ ہے کہ ایسی چیز سے عمداً ضرب لگائی جائے جو اعضاء کو الگ الگ کردے مثلاً تلوار، نیزہ یا، ڈنڈا، آگ، دھاری دار لکڑی اور پتھر وغیرہ۔

آلات قتل کی دو قسمیں ہیں۔ 1۔ ہتھیار 2۔ غیر ہتھیار

ہتھیار سے مراد زخمی کرنے والا آلہ ہے مثلاً تلوار، چھری وغیرہ اگر اس سے قتل کیا جائے تو وہ خالص قتل عمد ہے اور ہتھیار کے سوا جیسے ڈنڈا اور سفید پتھر اور بغیر دندانے والا نیزہ اور اسی جیسی چیز سے جب وہ زخمی کرے تو وہ قتل عمد ہے۔ کیونکہ جب وہ اجزاء کو الگ الگ کردے گا تو اس کا یہ عمل تلوار کے عمل جیسا ہے۔ لوہے کے ذریعہ قتل میں زخمی کئے جانے کی شرط سے متعلق حضرت امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ سے روایت مختلف ہے۔ ظاہر روایت میں ہے کہ لوہے سے قتل کرنے میں زخمی کرنا شرط نہیں ہے کیونکہ وہ قتل کرنے کے لئے وضع کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے'' وانزلنا الحدید فیہ باس شدید ''ہم نے لوہے کو اتارا ہے جس میں سخت قوت ہے۔ (سورۃ الحدید 25)

اس طرح لوہے سے مشابہ چیز کا بھی یہی حکم جیسے پیتل، شیشہ، سونا چاندی خواہ وہ کاٹ دے، یا چیر دے یا کچل دے یہاں تک کہ اگر لوہے کے بھاری ٹکڑے سے یا اس کے جیسی کسی چیز سے قتل کردے تو اس پر قصاص واجب ہے۔ جیسا کہ پیتل کے یا شیشہ کے ڈنڈے سے مارے (تب بھی قصاص واجب ہے) امام طحاویؒ حضرت امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ امام اعظمؒ کے پاس لوہا اور اس جیسی چیز سے قتل کرنے میں زخمی کرنے کا اعتبار ہے۔ اور حضرت صدرالشہیدؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات راجح ہے۔ اور صاحب ہدایہ وغیرہ نے اس

کو ترجیح دی ہے۔ اور در مختار میں ہے اگر مَر (میم کے زبر کے ساتھ مٹی نکالنے کا آلہ) یعنی پھاوڑا، بیلچہ وغیرہ سے قتل کرے اس کی دھار سے یا اس کی پشت کی طرف سے ضرب لگے اور وہ زخمی ہوجائے تو بالاتفاق قصاص لیا جائے گا جیسا کہ مصنف علیہ الرحمہ نے اس کو کتاب المجتبیٰ سے نقل کیا ہے۔ اور اگر دھار سے ضرب نہ لگے بلکہ اس کی پشت سے ضرب لگے اور قتل ہوجائے لیکن زخمی نہ کیا ہو تو امام طحاویؒ کی روایت میں اس کا قصاص نہیں ہے۔ اور ظاہر الروایہ میں ہے کہ لوہا، تانبا اور سونا وغیرہ سے زخم نہ بھی آئے قصاص لیا جائے گا۔ اور قاضی خانؒ کی کتاب ''دُرر'' کی طرف منسوب کیا گیا ہے لیکن مصنف علیہ الرحمتہ نے خلاصہ سے نقل کیا ہے۔ قابل ترجیح بات یہ ہے کہ امام اعظمؒ کے پاس قصاص کے واجب ہونے کے لئے زخمی کرنے کا اعتبار ہے۔ اور ابن کمالؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ بہر حال بندوق کی گولی سے قتل کیا جانا قتل عمد ہے کیونکہ لوہے کی جنس سے ہے اور وہ زخمی کرتی ہے اس کا قصاص لیا جائے گا۔ اور اگر زخمی نہ کرے تو امام طحاویؒ کی روایت کے مطابق قصاص نہیں لیا جائے گا۔ قتل عمد کا حکم یہ ہے کہ اس میں گناہ اور قصاص ہے اور اس پر امت کا اجماع منعقد ہے۔ قتل عمد میں ہمارے پاس کفارہ نہیں ہے اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس کفارہ واجب ہوتا ہے۔

دوسری قسم:۔ دوسری قسم شبہ عمد ہے۔ شبہ عمد امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے پاس یہ ہے کہ آدمی ایسی چیز سے ضرب لگائے جو ہتھیار کی قسم سے نہ ہو۔ اور نہ ایسی چیز جس کو اجزاء کے الگ الگ کرنے میں ہتھیار کے قائم مقام قرار دیا گیا ہو۔ حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا بھی قول یہی ہے کہ جب بڑے پتھر سے یا بڑی لکڑی سے مارے یہ قتل عمد ہے اور شبہ عمد یہ ہے کہ ایسی چیز سے ضرب لگانے کا ارادہ کرے جس سے عموماً قتل نہیں کیا جاتا جیسے لٹ، کوڑہ، چھوٹا پتھر وغیرہ۔

کیونکہ قتل عمدان دونوں حضرات کے پاس قصداً ایسی چیز سے ضرب لگانا ہے جس سے عام طور پر قتل کیا جاتا ہے۔ اور شبہ عمد ایسی چیز سے قتل کرنا جس سے عام طور پر قتل نہیں کیا جاتا۔ پس اگر تھوڑے سے پانی میں ڈبویا اور اس کا انتقال ہوگیا تو ان تمام حضرات کے پاس نہ قتل عمد ہے نہ شبہ عمد۔ اور اگر کنویں میں ڈالدیا جائے یا کسی بلندی سے یا پہاڑ سے گرادیا جائے جس سے بچنے کی امید نہیں ہے تو امام اعظمؒ کے پاس یہ شبہ عمد ہے۔ اور ان دونوں کے پاس یہ قتل عمد ہے۔ اور فتوی امام اعظمؒ کے قول پر ہے جیسا کہ کتاب التتمۃ میں ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے لئے یہ حدیث شریف دلیل ہے۔ اور یہ بات کہ نبی اکرم علیہ والہ الصلوۃ والسلام نے بڑے اور چھوٹے آلہ کے درمیان فرق نہیں فرمایا اور مطلق حکم دے دیا۔ شبہ عمد کا حکم دونوں اقوال میں گناہ اور کفارہ اور دیت مغلظ ہے جو عاقلہ یعنی اہل خاندان پر واجب ہوتی ہے۔ اور جان کے علاوہ دیگر اعضاء میں شبہ عمد، عمد کی طرح سے ہے۔ جس سے قصاص واجب ہوتا ہے۔ کیونکہ جان کے سوا کسی بھی چیز میں شبہ نہیں ہے۔

تیسری قسم: تیسری قسم قتل خطا ہے۔ اور اس کی دو قسمیں ہیں۔

1۔ پہلی قسم۔ خطائی القصد یعنی سمجھنے میں غلطی۔ کسی شخص پر یہ سمجھ کر تیر چلائے کہ وہ شکار ہے یا حربی ہے یا مرتد ہے حالانکہ وہ مسلمان تھا۔

2۔ دوسری قسم خطائی نفس الفعل: یعنی کسی نشانہ یا شکار کو مارنا چاہتا تھا لیکن وہ کسی آدمی کو لگ جائے۔

چوتھی قسم (قتل کی): قتل قائم مقام خطا جیسے کوئی سونے والا جب کروٹ بدل کر کسی آدمی پر گرے جس کی وجہ سے وہ آدمی مرجائے۔ قتل خطا اور قائم مقام خطا کا حکم کفارہ ہے۔ اور اس کی دیت عاقلہ (پدری خاندان) پر ہے۔ ان دونوں قسموں میں گناہ نہیں ہے لیکن کوئی بھی قتل فی نفسہ گناہ سے خالی نہیں ہے کیونکہ اس میں اس نے عزیمت

26/4531۔ سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قصاص صرف تلوار سے ہے۔ (ابن ماجہ، بزار) 18

اور کمال احتیاط کو چھوڑ دیا۔ کیونکہ کمال احتیاط کو چھوڑ دینا فی نفسہ گناہ نہیں ہے لیکن اس میں قتل کی وجہ سے گناہ ہے اس قتل کے گناہ کی وجہ سے کفارہ رکھا گیا ہے اگرچہ اس میں بالقصد قتل کا گناہ نہیں ہے۔

پانچویں قسم (قتل بالسبب): (کسی وجہ سے قتل کیا جانا) جیسے بادشاہ کی اجازت کے بغیر کنواں کھودنے والا، دوسرے کی ملک میں پتھر رکھنے والا اور اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس میں آدمی کی جان تلف ہو جائے تو اس میں عاقلہ پر دیت ہے کفارہ نہیں ہے اور قتل کا گناہ بھی نہیں ہے بلکہ غیر کی ملک میں پتھر رکھنے اور کھودنے کا گناہ ہوگا۔

قتل کے مذکورہ اقسام جس میں اذن نہیں تھا تو یہ محرومی ارث کا سبب ہے بشرطیکہ مجرم مکلف ہو۔ البتہ اس قتل سبب میں ہمارے پاس اس سے میراث سے محرومی نہیں ہوتی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قتل سببی اپنے تمام احکام میں قتل خطا کی طرح ہے۔ (مرقات، عقود الجواہر، الدر المختار، رد المختار، ہدایہ، بنایہ، کفایہ، شروح کنز)

18 قولہ لا قود الا بالسیف (قصاص صرف تلوار سے ہے)

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس (قاتل) کے ساتھ ایسا ہی کیا جائے گا جیسا کہ اس نے کیا ہے بشرطیکہ وہ فعل جائز ہو۔ اور اس جائز فعل سے وہ ہلاک ہوا ہو ورنہ اس کی گردن اڑا دی جائے گی کیونکہ قصاص کی بنیاد مساوات پر ہے۔ ہمارے پاس (یعنی احناف کے پاس) صرف تلوار سے قصاص لیا جائے گا اگرچہ کہ قتل غیر تلوار سے کیا گیا ہو۔ ہماری دلیل حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد "**لا قود الا بالسیف**" (قصاص صرف تلوار سے ہے) اور تلوار سے مراد ہتھیار ہے۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جس چیز کو اختیار کیا ہے۔ اگر اس جیسے عمل سے اس کا

27/4532۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک کنیز کے بدلہ میں ایک یہودی کو قتل 19 کردینے کا حکم دیا جس کو اس نے اس کے زیورات کے خاطر قتل کیا تھا۔ (بخاری)

28/4533۔ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا مسلمانوں کے خون برابر ہیں ان کی ذمہ داری کو پورا کرنے میں ادنیٰ آدمی بھی کوشش کرے گا 20 اور کم درجہ کا آدمی بھی رد کرسکتا ہے۔ اور مسلمان اپنے مقابل پر ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔

پورا بدلہ نہیں لیا جاسکے گا تو اس میں زیادتی ہوجائے گی اس لئے اس کی گردن اڑادی جائے گی۔ بہر حال بدلہ لینے میں زیادتی سے بچنا ضروری ہے جیسا کہ ہڈی کو توڑنے میں ہے۔ (ہدایہ، درمختار)

19 قولہ قتل یھودیا بجاریۃ (ایک کنیز کے بدلے یہودی کے قتل کا حکم فرمایا) اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ مرد کو عورت کے بدلے قتل کیا جائے گا۔ جیسا کہ عورت مرد کے بدلے قتل کی جاتی ہے۔ اکثر اہل علم کا یہی قول ہے۔ (مرقات)

20 قولہ یسعی بذمتھم ادناھم الخ (ان کی ذمہ داری کو پورا کرنے میں ان میں کا ادنیٰ آدمی بھی کوشش کرے گا) بذل المجہود میں ہے یسعی بذمتھم کا مطلب یعنی بعھدھم وامانھم ہے یعنی ان کے معاہدہ کو پورا کرنے اور ان کی حفاظت کے لئے ان میں کا ایک ادنیٰ آدمی بھی کوشش کرے گا اور (یہاں) ''ادناھم'' سے مراد ''اقلھم'' ہے یعنی مسلمانوں میں کا ایک آدمی بھی ہو تو اس کے لئے کوشش کرے گا۔ اور ''ادنیٰ'' کی تفسیر حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ''اقلھم'' ہے۔ اور اس میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جو تفسیر کی ہے اس سے احتراز مقصود ہے کہ امام محمدؒ کے پاس ''ادناھم'' سے مراد غلام ہے۔ اور یہ دناءت سے ماخوذ ہے۔ اور غلام مسلمانوں میں ادنیٰ ہے۔ اور مسلمانوں کی طرف سے ان

میں کا کم مرتبہ والا بھی پناہ دے سکتا ہے جیسے وہ غلام جس کو جنگ میں جانے کی اجازت ملی ہے اور معاملہ میں ادنی، اعلی کی طرح ہے کہ وہ جس کو چاہے امن دے سکتا ہے۔ صاحب بدائع نے فرمایا ہے۔ امان کی منجملہ شروط میں عقل، بلوغ ہے۔ دیوانے اور بچے کا امان دینا جمہور علماء کے پاس جائز نہیں ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بلوغ شرط نہیں ہے۔ یہاں تک کہ قریب البلوغ عمر کا لڑکا جو اسلام کو سمجھتا ہے اس کا امان دینا درست ہے۔

اور اس کی ایک شرط اسلام ہے لہذا کافر اگرچہ وہ مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو کر لڑ رہا ہو اس کا امان دینا درست نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حافظ صاحبؒ نے امام اوزاعیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ اگر کوئی ذمی مسلمان کے ساتھ مل کر جنگ میں شریک ہو اور وہ کسی کو امان دے تو امام اگر چاہے تو اس کے امن کو باقی رکھے ورنہ اس کو اس کے مقام پر پہنچادے۔ اب رہا آزاد ہونا امان کے صحیح ہونے کے لئے شرط نہیں ہے۔ اور جنگ کے لئے اجازت یافتہ غلام کا امن دینا بالاتفاق درست ہے لیکن جس غلام کو جنگ سے روک دیا گیا ہے اس کے امن دینے کے بارے میں اختلاف ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا امن دینا درست نہیں۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ درست ہے اور یہی قول امام شافعیؒ کا ہے امام محمد و امام شافعی رحمہما اللہ تعالی کی دلیل حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی "یسعی بذمتھم ادناھم" ہے۔ ذمہ، عہد کو کہتے ہیں اور امن دینا ایک قسم کا عہد ہے۔ اور مسلمان غلام مسلمانوں میں ادنی درجہ میں سے ہے لہذا یہ حدیث شریف اس کے لئے بھی شامل ہے۔ اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں عبد مجور (جس کو جنگ سے روک دیا گیا ہو) شامل نہیں ہے۔

خبردار! مسلمان، کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا اور معاہدہ والا 21ے بھی دورانِ معاہدہ قتل نہیں کیا جائے گا۔ (ابوداؤد، نسائی)

کیونکہ لفظ ادنی یا تو ''دناءت'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی خساست وحقارت کے ہیں۔ یا پھر وہ ''دنو'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی قرب ونزدیکی کے ہیں۔ اور یہاں پہلے معنی مراد نہیں ہیں۔ کیونکہ حدیث شریف میں آپ ﷺ کا ارشاد ''المسلمون تتکافا دماء ھم'' (تمام مسلمانوں کے خون برابر ہیں) تمام مسلمانوں کو شامل کرتا ہے اور اسلام لانے کے بعد خساست وحقارت نہیں رہتی۔

اور دوسرے معنی (قرب) یہ بھی عبد مجور کو شامل نہیں ہے۔ کیونکہ جب وہ جنگ کی صف میں نہیں ہے تو کافروں کی صف سے قریب رہنے والا بھی نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حافظ صاحبؒ نے فتح الباری میں فرمایا کہ اب رہا غلام تو وہ جنگ کرے یا نہ کرے جمہور علماء نے اس کو امن دینے کی اجازت دی ہے۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ جنگ کرے تو اس کا امن دینا جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔

میں یہ بھی کہتا ہوں کہ ان دو جملوں کے درمیان ''یسعی بذمتھم ادناھم'' (ان کی ذمہ داری کو پورا کرنے میں ان میں کا ادنیٰ آدمی بھی کوشش کرے گا) اور ''ویجیر علیھم اقصاھم'' (اور کم درجہ کا آدمی بھی رد کرسکتا ہے) کہ درمیان کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا بظاہر یہ دونوں ایک ہی معنی میں ہیں۔

21ے قولہ ولا یقتل مسلم بکافر ولا ذو عھد فی عھدہ (نہ کوئی مسلمان کسی کافر کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا اور نہ کوئی معاہدہ والا اپنے دوران معاہدہ میں)

علماء کا اتفاق ہے اگر کافر کسی مسلمان کو قتل کردے تو کافر قتل کردیا جائے گا اور مسلمان کسی ذمی کو قتل کردے تو اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ حضرت امام شافعی وامام محمد علیہما الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اس ذمی کے بدلے مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا جبکہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ

رحمۃ اللہ فرماتے ہیں مسلمان ذمی کے بدلے قتل کیا جائے گا البتہ حربی کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال ''النفس بالنفس'' کے عموم سے ہے اور امام صاحبؒ کے منجملہ دلائل میں سے وہ حدیث شریف ہے جس کو امام دارقطنیؒ اور امام بیہقیؒ نے عبدالرحمٰن بن بیلمانیؒ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک معاہد (ذمی) کے بدلے مسلمان کو قتل فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ میں ان لوگوں میں سب سے زیادہ اکرم ہوں جنہوں نے اپنی ذمہ داری کو پورا کیا ہے۔

حضرت امام طحاوی فرماتے ہیں کہ یہ سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی مکمل حدیث ہے اور اس کے جس جملہ میں مومن کو کافر کے بدلے قتل کرنے کی نفی ہے وہ یہ ہے

''لایقتل مؤمن بکافر ولا ذو عهد فی عهده'' حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ''فی عہدہ'' مسلمان کو کسی کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ کوئی معاہد (ذمی) دوران معاہدہ۔

اس سے متعلق حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس جملہ سے جو معنی لئے ہیں وہ محال ہیں۔ کیونکہ اگر یہ معنی مراد ہوں تو یہ لغت کی ایک غلطی ہوگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام لوگوں کے بہ نسبت اس طرح کی غلطی سے بہت پاک ہیں اور اس وقت الفاظ یہ ہوتے ''لا یقتل مؤمن بکافر ولا ذی عهد فی عهده'' (ذی عہد بحالت جری) اور جب کہ الفاظ ایسے نہیں ہیں بلکہ ''ولا ذو عهد فی عهده'' حالت رفعی میں ہے تو اس سے ہمیں یہ بات معلوم ہوئی کہ قصاص میں یہاں ذمی مراد ہے۔ اور یہ عبارت اس طرح ہوئی ''لایقتل مؤمن ولا ذو عهد فی عهده بکافر'' مسلمان اور ذمی جب تک وہ معاہدہ میں ہیں کسی کافر کے بدلہ قتل نہیں کئے جائیں گے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ذمی کافر ہے اور اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ حدیث میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس کافر

کے بدلے مومن کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے وہ کافر غیر ذمی ہے۔اور منجملہ ان امور کے ہے جس میں مسلمانوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں وہ یہ ہے کہ مسلمان کو کافر حربی کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔اور کافر ذمی کو بھی اس کے دوران ذمہ داری کسی حربی کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔اور ہم اس کی مثالیں بکثرت قرآن پاک میں پاتے ہیں۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے" واللائی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتهن ثلاثة اشهر واللائی لم یحضن "(الطلاق)اور تمہاری عورتیں جو حیض سے مایوس ہو چکی ہیں اگر تمہیں شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے۔اور ان

عورتوں کو بھی جن کو ابھی حیض نہ آیا ہو؟ پس اس کے معنی واللائی یئسن من المحیض واللائی لم یحضن ان ارتبتم فعدتهن ثلاثة اشهر ہے(اور وہ عورتیں جو حیض سے مایوس ہو چکی ہیں اور وہ عورتیں جن کو ابھی حیض نہیں آیا ہے اگر تم کو شبہ ہے تو ان کی عدت تین مہینے ہے)اس میں کلمات کی تقدیم وتاخیر ہے۔

پس اسی طرح حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان لا یقتل مومن بکافر ولا ذو عهد فی عهده " ہے اور اس کی مراد واللہ اعلم (اللہ ہی بہتر جانتا ہے)یہ ہے کہ "لا یقتل مومن ولا ذو عهد فی عهده بکافر "کسی مسلمان کو اور نہ کسی ذمی کو جب تک کہ وہ دوران معاہدہ میں ہے کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔پس یہاں بھی کلمات کی تقدیم وتاخیر ہے۔پس جس کافر کے بدلے مومن کے قتل کئے جانے سے منع کیا گیا ہے وہ غیر ذمی غیر معاہد کافر ہے۔

حضرت تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرمائے ہیں کہ اگر اس سے وہ مراد نہ لیں جو اصحاب حنفیہؒ نے لیا ہے تو یہ کلام بے فائدہ رہ جائے گا کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ ذمی کو جب تک وہ اپنی ذمہ داری میں ہے قتل نہیں کیا جائے گا۔(انتھی)

ابن ماجہؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے۔

29/4534 ۔اور طحاویؒ کی ایک روایت میں ہے کہ قیس بن عبادؒ نے کہا میں اور اشترؒ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اور ان سے پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کوئی ایسی وصیت کی ہے جو عام لوگوں کو آپ ﷺ نے نہیں کی ہے۔انہوں نے جواب دیا، نہیں مگر وہی جو میری اس کتاب میں ہے۔ پھر آپ نے اپنی تلوار کی نیام سے ایک کتاب نکالی جس میں ''**المؤمنين تتكافؤ دمائهم**'' الخ: یعنی مسلمانوں کے خون برابر ہیں ان کی ذمہ داری کو ادنیٰ آدمی بھی (پورا کرنے کے لئے) کوشش کرے گا اور یہ اپنے مقابل پر ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔کوئی کسی مسلمان کو کسی کافر کے بدلہ قتل نہیں کیا جائے گا اور معاہدہ والے کو اپنے معاہدے کے دوران بھی قتل نہیں کیا جائے گا اور جس نے (دین میں) کوئی چیز نکالی تو اس کا وبال اس کے نفس پر ہے۔اور جس نے (دین میں) کوئی نئی چیز نکالی یا کسی نئی چیز نکالنے والے (بدعتی) کو پناہ دی تو اس پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ (طحاوی)

اور ہمارے علماء فرماتے ہیں جب احادیث شریفہ میں بظاہر تعارض ہوجائے جیسا کہ امام شافعی، امام مالک، امام احمد رحمہم اللہ وغیرہ نے بخاری شریف کی سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی صحیفہ والی حدیث سے استدلال کیا ہے جس کے متن پر امام طحاویؒ نے کلام کیا ہے تو ایسی صورتوں میں قیاس کی طرف رجوع کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔اور قیاس ہمارا مؤید ہے کیونکہ ذمیوں کے خون اور مال کی حفاظت بالاجماع ثابت ہے۔ اور بکثرت احادیث میں صراحت کے ساتھ یہاں تک آیا ہے کہ مال کی چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔اور ان کی عورتوں کے ساتھ زنا کرنے والے اور ان پر تہمت لگانے والے پر حد جاری کی جائے گی۔پس ان کے خون کی حفاظت میں اس کا قتل کیا جانا بدرجہ اولیٰ ہے۔اور یہ ہمارا مذہب ہے اور امام نخعیؒ و امام شعبیؒ کا بھی یہی قول ہے۔(ماخوذ از رحمۃ الامۃ، مرقات، تنسیق النظام، نیل الاوطار، شرح معانی الآثار)

30/4535۔اور دار قطنی نے اپنی سنن میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ذمی کے بدلہ مسلمان (قاتل) کے قتل کا حکم فرمایا اور آپ ﷺ نے فرمایا میں سب سے زیادہ کریم ہوں ان لوگوں میں جنہوں نے اپنی ذمہ داری کو پورا کیا ہے۔ یہ حدیث متصل اور مرسل دونوں طرح مروی ہے۔اور اس میں جو ابن بیلمانی (کا ذکر) ہے تو ابن حبانؒ نے انہیں ثقہ بتلایا ہے 22ے اور ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے۔اور وہ تابعین میں ایک مشہور آدمی ہیں۔

22ے قولہ وثقہ ابن حبان و ذکرہ فی الثقات وھو رجل معروف من التابعین

(ابن بیلمانی رحمۃ اللہ علیہ) کو ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ثقہ قرار دیا ہے اور ان کا ثقات میں تذکرہ کیا ہے۔اور وہ تابعین میں ایک مشہور ومعروف ہیں۔ جب وہ ایسے ثقہ ہیں تو ان کی حدیث صحیح ہوگی اور مرسل حدیث ہمارے پاس اور امام مالکؒ، امام احمدؒ اور اکثر علماء کے پاس حجت ہے (اس سے استدلال کیا جاتا ہے) حتی کہ امام طبری علیہ الرحمۃ نے اس پر تابعین کا اجماع نقل کیا ہے۔اور فرمایا کہ دوسری صدی کے اوائل تک معاملہ ایسا ہی رہا اس کے بعد حدیث مرسل کے بارے میں قبول نہ کرنے کی ابتداء ہوئی تو اس موقعہ پر یہاں تک کہا گیا کہ مرسل حدیث کو قبول نہ کرنا بدعت ہے۔اور ابن عبدالبر رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص حدیث مرسل کو رد کرے اور قبول نہ کرے تو یقینا اس نے بہت سی سنتوں کو رد کردیا اور ابن بیلمانی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ حدیث مرسل کئی طرق سے مروی ہے "عن ابی حنیفۃ و مالک والثوری"۔امام اعظم، امام مالک اور امام ثوری رحمۃ اللہ علیہم سے مروی ہے اور یہ تینوں حضرات، ربیعۃ رحمۃ اللہ تعالی علیہ سے روایت کئے ہیں۔ یہ ائمہ کرام اس مسئلہ میں اتباع کئے جانے کے لئے کافی ہیں۔اور ابن منکدرؒ اور عبداللہ بن العزیزؒ کی مراسیل سے بھی اس کی متابعت ہوئی ہے۔اس لئے یہ حجت ہے۔مرسل حدیث شریف جب متعدد سندوں سے ثابت ہو اور ان میں کے بعض طرق سے بعض کو قوت حاصل ہوتی ہو تو مرسل ہونا اس کی سند کے لئے قادح نہیں۔(ماخوذ از تنسیق النظام، عقود الجواہر)

31/4536 ۔سیدنا جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں اس آدمی کو معاف نہیں کروں گا 23ؔ جو دیت لینے کے بعد قتل کرے۔(ابوداؤد)۔

32/4537 ۔اور ایک روایت میں ہے اگر وہ اس میں سے کسی چیز کو قبول کرے پھر اس کے بعد زیادتی کرے اس کے لئے دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔(دارمی)

33/4538 ۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حدود مساجد میں قائم نہیں کئے جائیں گے 24ؔ اور باپ سے بیٹے کے بدلے قصاص نہیں لیا جائے گا۔25ؔ (ترمذی، دارمی)

23ؔ قولہ لا اعفی من قتل بعد اخذ الدیة (میں اس آدمی کو معاف نہیں کروں گا جو دیت لینے کے بعد قتل کرے) اس لئے کہ ولی کا حق (دیت لینے سے) بالکل ساقط ہو جاتا ہے۔(درمختار)

24ؔ قولہ لا یقام الحدود فی المساجد حدود مساجد میں قائم نہیں کئے جائیں گے کیونکہ مساجد فرض نمازوں کے لئے اور اس کے متعلقات مثلاً نوافل، ذکر، درس وتدریس وغیرہ کے لئے بنائی گئی ہیں۔(ابن ہمام نے اس کو ذکر کیا ہے اسی طرح مرقات میں ہے)

25ؔ قولہ لا یقاد بالولد الوالد (لڑکے کے بدلے باپ سے قصاص نہیں لیا جائے گا) کتاب ''اختلاف الامة'' میں ہے کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بیٹا جب ماں باپ میں سے کسی کو قتل کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا لیکن جب باپ اپنے بیٹے کو قتل کرے تو اس میں اختلاف ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ باپ کو بیٹے کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بیٹے کے بدلے باپ کو اس وقت قتل کیا جائے گا جبکہ محض قتل کے ارادے سے اس کو لٹا کر قتل کرے۔

34/4539۔ عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے اور وہ سراقہ بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جب کہ آپ ﷺ باپ کا بیٹے سے قصاص لینے اور بیٹے کا باپ سے قصاص نہ لینے کا حکم فرما رہے تھے 26ع۔ (ترمذی)

35/4540۔ حضرت ابو رمثہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اپنے والد کے ساتھ حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ جو تمہارے ساتھ ہے کون ہے تو انہوں نے کہا یہ میرا بیٹا آپ اس پر گواہ رہئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا (تمھیں معلوم ہونا چاہئے) کہ نہ تمہارے اوپر اس کا قصور ہوگا نہ اس پر تمہارا قصور ہوگا۔ (ابوداؤد، نسائی) شرح السنۃ میں اس (حدیث) کی ابتداء میں یہ اضافہ ہے کہ انہوں نے کہا میں اپنے والد کے ساتھ

اور والدہ کا حکم باپ کی طرح سے ہے۔ اور دادا، دادی، نانا، نانی کا حکم ماں باپ کی طرح سے ہے (برجندی بحوالہ مرقات)

اور صاحب درمختار نے کہا ہے کہ یہ حضرات بیٹے کو وجود میں لانے اور حیات دینے کا سبب ہیں لہذا بیٹا ان کو فنا کرنے کا سبب نہیں بن سکتا پس ایسے وقت باپ کے مال میں تین سال کے اندر دیت ادا کرنا ہمارے پاس واجب ہوتا ہے کیونکہ یہ قتل عمد ہے اور قتل عمد میں عاقلہ (یعنی باپ کے رشتہ دار) پر دیت نہیں ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بدل صلح کی طرح فی الفور دیت واجب ہوتا ہے۔ (زیلعی، جوہرۃ)

26ع قولہ یقید الاب من ابنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باپ کا بیٹے سے قصاص لیتے تھے اور بیٹے کا باپ سے قصاص نہیں لیتے تھے۔ اور قود کے معنی قصاص کے ہیں۔ علماء نے فرمایا اس میں حکمت یہ ہے کہ باپ بیٹے کے وجود کا سبب ہے۔ اسی وجہ سے جائز نہیں کہ بیٹا باپ کی فنا کا سبب بنے۔ (لمعات)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے والد نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پشت مبارک میں جو چیز تھی اس کو دیکھا تو کہا کہ آپ ﷺ مجھے اپنی پشت مبارک میں جو چیز ہے اس کے علاج کرنے کی اجازت دیجئے کیونکہ میں طبیب (معالج) ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم رفیق ہو اور طبیب اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

36/4541 ۔ حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے اپنے غلام کو عمداً قتل کر دیا 27ے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو سو کوڑے لگوائے اور ایک سال کے لئے اس کو شہر بدر کر دیا اور مسلمانوں سے اس کے حصے کو ختم کر دیا، اور آپ ﷺ نے اس سے اس کا قصاص نہیں لیا۔ اور اس کو حکم فرمایا کہ وہ ایک غلام آزاد کر دے۔ بیہقیؒ نے اس کو اپنی سنن میں اور دار قطنی نے اپنی سند سے اس کی روایت کی ہے۔

27ے قولہ ان رجلا قتل عبدہ الخ (ایک آدمی نے اپنے غلام کو عمداً قتل کر دیا) اس میں ہمارا مذہب یہ ہے کہ آزاد اگر کسی دوسرے کے غلام کو قتل کر دے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا مگر جب آقا اپنے غلام کو قتل کر دے تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس کا غلام اس کا اپنا مال ہے تو اس کو اپنی ذات کے خلاف مطالبہ کا حق نہیں البتہ اس پر کفارہ واجب ہے۔ (جوھرہ)

پس یہ تمام احادیث ہماری دلیل ہیں۔

امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ فرماتے ہیں آزاد کو غلام کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا اگرچہ کہ وہ دوسرے کا غلام ہو۔ اور ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''الحر بالحر والعبد بالعبد'' آزاد کو آزاد کے بدلے اور غلام کو غلام کے بدلے۔ پس اس میں جو مقابلہ ہے اس کا تقاضہ یہ ہے کہ آزاد کو غلام کے بدلے قتل نہ کیا جائے کیونکہ آزاد مالک ہے اور غلام مملوک ہے دونوں کے درمیان کوئی مساوات نہیں ہے۔ اور قصاص مساوات پر قائم ہے۔

37/4542 ۔ اور بیہقیؒ کی ایک روایت میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک باندی نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس آکر کہا کہ میرے آقا نے مجھ پر تہمت لگائی اور مجھے آگ پر بٹھایا یہاں تک کہ میری شرم گاہ جل گئی چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اس سے فرمایا ''کیا اس نے تجھ پر اس (جلے ہوئے حصہ) کو دیکھا'' اس نے کہا ''نہیں'' تو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: کیا تو نے اس کے لئے کسی چیز کا اعتراف کیا ہے؟ اس نے کہا ''نہیں'' حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا اس کو میرے پاس حاضر کیا جائے،

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اس بات میں تمام نصوص عام ہیں جیسے اللہ تعالی کا ارشاد ہے **وکتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس** اور اللہ تعالی کا ارشاد کتب علیکم القصاص اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ''**العمد قود**'' اور یہ (نصوص) امورِ مذکورہ کے معارض نہیں ہیں کیونکہ ان میں تقابل مقید ہے ہم جو بیان کئے ہیں اس میں تقابل مطلق ہے اور مطلق کو مقید پر محمول نہیں کیا جا سکتا اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ ''**الحر بالحر**'' کا تقابل ''الحر بالعبد'' کے معارض نہیں ہے کیونکہ ان میں عموم کے تحت جتنی چیزیں آئی ہیں ان میں کی بعض چیزوں کا ذکر ہے جو اس عموم کے حکم کے موافق ہیں۔ ان میں سے چند چیزوں کو ذکر کرنے سے باقی چیزوں کی تخصیص لازم نہیں آتی۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس میں الانثی بالانثی، والذکر بالذکر (عورت عورت کے، مرد مرد کے) کے مقابل ہے لیکن یہ مرد کا عورت کے مقابل ہونے کو مانع نہیں ہے۔

اسی طرح ''العبد بالحر'' (غلام، آزاد) کے مقابل ہونے کو بھی مانع نہیں ہے یہاں تک کہ آزاد کے بدلے بالاتفاق غلام کو قتل کیا جاتا ہے۔ پس اسی طرح اس کے عکس (یعنی غلام کے بدلے آزاد) کے لئے بھی مانع نہیں ہے کیونکہ اگر وہ مانع ہو تو اس کے عکس (یعنی آزاد کے بدلے غلام) کے لئے بھی مانع ہوگا۔ (مرقات، ردالمحتار، شروح کنز)

پھر جب حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اس آدمی کو دیکھا تو کہا۔ ''کیا تو اللہ تعالی کا عذاب دیتا ہے'' اس نے کہا اے امیر المؤمنین میں نے اس کو اس کے نفس کے بارے میں تہمت لگائی۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا ''کیا تو نے اس کو اس حالت پر دیکھا۔'' اس شخص نے جواب دیا ''نہیں'' آپ نے پوچھا کیا اس نے تم سے اس کا اعتراف کیا۔ اس نے کہا ''نہیں'' تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ کسی غلام کا اپنے مالک سے قصاص نہیں لیا جائے گا اور نہ کوئی بیٹے کا اپنے باپ قصاص لیا جائے۔ تو میں ضرور تجھ سے اس کا قصاص لیتا پھر آپ نے اس کو سامنے کیا اور اس کو سو (100) کوڑے لگائے اور باندی سے فرمایا ''تو چلی جا۔ تو اللہ تعالی کی راہ میں آزاد ہے۔ اور (اب) تو اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی باندی ہے''

38/4543 ۔ اور ابوداؤدؒ نے روایت نقل کی ہے عمرو بن شعیبؒ، اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک فریادی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا ''یا رسول اللہ ﷺ اس کی ایک باندی'' رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تجھ پر افسوس ہے تجھے کیا ہو گیا۔ تو اس نے کہا ایک شر ہو گیا۔ اس نے اپنے آقا کی ایک باندی کو دیکھ لیا۔ پس وہ اس پر غیرت میں آ گیا اور اس کے آلہ تناسل کو کاٹ ڈالا۔ 28 حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس آدمی کو میرے پاس لے آؤ۔ اس کی تلاش کی گئی اس کو نہیں لاسکے تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائے تو چلا جا کیونکہ تو آزاد ہے تو اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری مدد کس کے ذمہ ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا ''ہر مسلمان پر'' یا فرمایا ''ہر مومن پر'' ہے۔

---

28 قولہ فجب مذاکیرہ (اس کے مذاکیر (شرم گاہ) کو کاٹ دیا)

39/4544 ۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کسی آدمی کو اس کے جسم میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے اور وہ اس کی وجہ سے صدقہ دیتا ہے تو اللہ سبحانہ وتعالی اس کی وجہ سے اس کا درجہ بلند فرماتا ہے اور اس سے ایک گناہ کو مٹادیتا ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

40/4545 ۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے ان پانچ یا سات آدمیوں کو قتل کروادیا جنہوں نے ایک شخص کو دھوکہ سے قتل کردیا تھا اور حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر اہل صنعاء اس پر (قتل پر) آپس میں مدد کرتے تو میں ان سب کو قتل کردیتا۔ 29؎ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی روایت کی ہے اور امام بخاری نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے اسی طرح روایت کی ہے۔

اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ غلام کے کسی حصے کے بدلے میں آزاد کے کسی حصے کو بالاتفاق کاٹا نہیں جائے گا۔ اور اس میں قصاص نہیں ہے ہمارے پاس اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ دونوں کے پاس یہی ہے۔ اس لئے ہدایہ میں ہے کہ مرد اور عورت کے درمیان جان کے سوا دیگر اعضاء میں قصاص نہیں۔ آزاد اور غلام کے درمیان اور دو غلاموں کے درمیان بھی اعضاء میں قصاص نہیں ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ان تمام مسائل میں اختلاف ہے سوائے آزاد کے عضو کے، اس کے بدلے غلام کا عضو کاٹا جائے گا۔

29؎ قولہ لو تما لا علیہ اھل صنعاء لقتلتھم جمیعا لذلک (اگر اس پر تمام اہل صنعاء آپس میں مدد کرتے تو اس کی وجہ سے ان سب کو میں قتل کردیتا)۔ اس لئے ہدایہ میں ہے کہ اگر عمداً کوئی جماعت کسی ایک آدمی کو بھی قتل کرے تو ان سب سے قصاص لیا جائے گا۔

41/4546۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی آدمی کسی آدمی کو پکڑ لے اور دوسرا اس کو قتل کردے تو جس نے قتل کیا ہے اس کو قتل کیا جائے گا (قصاص میں) اور جس نے پکڑا تھا اس کو قید کردیا جائے گا۔ 30ؔ (دار قطنی)

42/4547۔ اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عالی عنہ سے روایت کی کہ آپ نے ایک ایسے آدمی کے بارے میں جو کسی آدمی کو عمداً قتل کر دیا تھا اور ایک دوسرے آدمی نے اس کو پکڑا تھا تو یہ فیصلہ فرمایا کہ قاتل کو قتل کردیا جائے گا اور دوسرے کو قید میں ڈالا جائے گا یہاں تک کہ وہ مرجائے۔ (امام شافعیؒ)

30ؔ قولہ یقتل الذی قتل ویحبس الذی امسک (جس نے قتل کیا ہے اس کو قتل کیا جائے گا اور جس نے پکڑا تھا اس کو قید کردیا جائے گا)۔ اس حدیث میں دلیل ہے کہ جو آدمی مقتول کو قتل کرتے وقت پکڑا اس پر قصاص لازم نہیں اور اس کے اس عمل کو قتل میں شرکت قرار نہیں دیا جائے گا۔ اور یہ کسی آدمی کو ایک جماعت مل کر قتل کرنے کی طرح سے نہیں ہے بلکہ صرف اس کو قید کرنا واجب ہے۔ اور صاحب بحر نے یہ بات شافعیہ اور حنفیہ دونوں جماعتوں کی طرف سے نقل کی ہے۔ اور مذکورہ حدیث واثر سے ان سب نے استدلال کیا ہے اور اللہ تبارک وتعالی کے ارشاد "فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی علیکم" (جو تم پر زیادتی کرے تو تم اس پر ویسی ہی زیادتی کرو جیسا اس نے تم پر کیا) سے بھی اس کا استدلال ہوتا ہے مذکورہ قید کی مدت میں کمی، زیادتی کو جمہور علماء نے حاکم وقت کی رائے کے حوالہ کیا ہے کیونکہ اس میں غرض تادیب ہے موت تک اس کو قید رکھنا مقصود نہیں ہے۔ (نیل الاوطار، ردالمحتار)

(1/165)باب الدیات

دیات کا بیان

اللہ بزرگ و برتر کا فرمان ہے ''ودیة مسلمة الی اهله الا ان یصدقوا'' (4 النساء آیت 92)

یعنی مقتول کے لوگوں کو خون بہا دیا جائے مگر یہ کہ وہ معاف کردیں۔

43/4548۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ اور یہ یعنی چھوٹی انگلی اور انگوٹھا برابر ہیں۔ 1 (بخاری)

44/4549۔ اور ان ہی سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انگلیں برابر ہیں اور دانت برابر ہیں، سامنے کا دانت اور داڑھ برابر ہیں یہ اور یہ برابر ہیں۔ (ابوداؤد)

---

1 قوله هذه وهذه سواء یعنی الخنصر والا بهام یعنی یہ دونوں (چھوٹی انگلی اور انگوٹھا) دیت میں برابر ہیں۔ اگرچہ کہ انگوٹھے کے جوڑ چھوٹی انگلی سے کم ہیں۔ ہر انگلی میں دیت کل دیت کا دسواں حصہ ہے اور یہ دس اونٹ ہیں۔ شرح السنۃ میں ہے کسی انگلی کو کوئی کاٹ دے تو اس میں دس اونٹ واجب ہیں اور اگر انگلی کے کسی پور کو کاٹ دے تو اس میں انگلی کی دیت کا تیسرا حصہ دینا ہوگا۔ سوائے انگوٹھے کے پور کے، اس کی دیت انگلی کی دیت کا نصف ہے کیونکہ انگوٹھے میں صرف دو پور (دو جوڑ) ہوتے ہیں۔ تمام ائمہ اکرام کے پاس ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ (مرقات، ہدایہ)

45/4550۔ اور انہیں سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو اور پاؤں کی انگلیوں کو برابر قرار دیا (ابوداؤد، ترمذی)

46/4551۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے بنی لحیان کی ایک عورت کے پیٹ کے اس بچہ کی دیت میں جو مر کر گر پڑا تھا 2 ایک غلام یا باندی کا فیصلہ فرمایا پھر وہ عورت جس پر غلام کا فیصلہ کیا گیا تھا وہ مرگئی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ اس کی میراث اس کے لڑکوں اور خاوند کی ہے اور دیت اس کے عصبہ (پدری رشتہ داروں) پر ہے (بخاری، مسلم)

---

2 قولہ سقط میتا (مر کر اس کے پیٹ سے گر پڑا تھا) میتا ترکیب میں حال مقیدہ ہے اس لئے جب کوئی کسی (حاملہ) عورت کے پیٹ پر مارنے اور پیٹ کا بچہ مر کر گر جائے تو اس کی دیت ایک غرہ (یعنی غلام یا باندی) ہے اور اگر زندہ گرا پھر مر گیا تو اس میں مکمل دیت دینا ہوگا۔ ابن منذرؒ فرماتے ہیں کہ اہل علم کے درمیان اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ اختلاف ثبوت حیات میں ہے۔ ہر وہ چیز جو حیات پر دلالت کرتی ہے مثلاً آواز کرنا دودھ پینا سانس لینا اور چھینکنا وغیرہ ان تمام چیزوں سے ہمارے مذہب (حنفی) میں حیات ثابت ہوتی ہے۔ لیکن امام شافعی اور امام احمد رحمہا اللہ کے پاس صرف آواز کرنے سے ہی حیات ثابت ہوگی۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس سے حیات کا پتہ چلے مثلاً دودھ پینا، چھینکنا، اور سانس لینا یہ سب آواز کرنے کی طرح حیات پر دلالت کرتے ہیں لیکن صرف کوئی عضو حرکت کرے تو یہ اس کی حیات پر دلالت نہیں ہے کیونکہ عضو کا حرکت کرنا کبھی اختلاج کی وجہ سے یا تنگی سے نکلنے کی وجہ سے بھی ہوتا ہے۔ اور اگر بچہ مر کر نکلے اور پھر ماں مرجائے تو اس ماں کو قتل کرنے کی دیت اور بچے کے مردہ ہو کر نکلنے کا غرہ دینا ہوگا۔ اور صحیح حدیث میں ہے کہ ایسے مسئلہ میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت اور غرہ دونوں کا فیصلہ فرمایا ہے۔

اور اگر اس مار سے ماں کا انتقال ہو جائے پھر اس کے بعد پیٹ کا بچہ زندہ نکل کر مر جائے تو اس پر ماں کی دیت اور بچے کی دیت دونوں واجب ہونگے کیونکہ اس نے دو جانوں کو قتل کیا ہے۔ اور اگر ماں مر جائے اور اس کے بعد بچہ مر کر نکلے تو ایسی صورت میں صرف ماں کی دیت واجب ہے۔ جنین کے بارے میں کوئی چیز دینا نہیں ہے۔ لیکن حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ سے فرماتے ہیں جنین کے بارے میں غرہ ہوگا کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ جنین کی موت بھی اسی مار سے ہوئی ہے اور یہ اس صورت کی طرح ہے جس میں ماں زندہ رہے اور جنین مردہ ہو کر نکلے۔ مگر ہمارا جواب یہ ہے کہ ''ماں کا انتقال'' جنین کی موت کے دو اسباب میں سے ایک سبب ہے کیونکہ ہوسکتا ہے ماں کے مرنے سے اس کا دم گھٹ گیا ہو۔ اس لئے کہ جنین کا سانس لینا ماں کے سانس لینے کے ساتھ ہوتا ہے اور جب شک ہو جائے تو شک کی وجہ سے ضمان واجب نہیں ہوتا۔ اس پر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر جنین مر کر بھی گر جائے تب بھی شک ثابت ہے کیونکہ اس میں جنین کی موت مار کی وجہ سے بھی ہوسکتی ہے اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس میں جان ہی نہ ڈالی گئی ہو۔ اس کے باوجود اس میں ضمان واجب کیا گیا ہے جیسا کہ مذکورہ حدیث میں ہے۔ اس اعتراض کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس صورت میں غرہ کا ضمان خلاف قیاس ہے۔ اور نص سے ثابت ہے جس کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں اور اس میں احتمال ایک ہی وجہ سے ہے اور جو مسئلہ ہمارے زیر بحث ہے وہ الگ ہے۔ اس میں کئی وجوہ سے احتمالات ہیں۔

اس میں جان کے نہ ڈالے جانے کا بھی احتمال ہے۔ اور غذا منقطع ہو جانے کے سبب بھی موت ہوسکتی ہے اور ماں کے انتقال کر جانے سے بھی موت ہوسکتی ہے۔ پس اس مسئلہ کو نہ اس پر قیاس کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس میں ایسی کوئی دلالت ہے لہٰذا یہ مسئلہ اصل قیاس پر قائم رہے گا یعنی ضمان واجب نہیں ہوگا۔

اور اگر جنین بچہ ہے تو مرد کی دیت کا بیسواں حصہ مراد ہے اور اگر جنین بچی ہے تو عورت کی دیت کا دسواں حصہ ہے اور ان دونوں میں سے ہر ایک حصہ پانچ سو (500) درہم ہے۔ جیسا کہ ابن ابی شیبہ، بزار اور ابوداود کی روایت میں ہے۔

حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی رحمہما اللہ اور جو حضرات اس کی مقدار چھ سو درہم مقرر کئے ہیں ان کے خلاف یہ حجت ہے۔ ہمارے پاس یہ دیت عاقلہ (قاتل کے پدری رشتہ داروں) پر ہے اور امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کے پاس مارنے والے کے مال میں ہے کیوں کہ یہ ایک عضو کا بدلہ ہے۔ اور یہ انگلیوں میں سے کسی انگلی کے کاٹے جانے کی طرح ہے۔ اور عاقلہ پر صرف جان کے بدلے کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

اور ہماری دلیل یہ حدیث شریف ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے غرہ کا فیصلہ عاقلہ پر کیا ہے۔ اس کو امام ابوداودؒ اور امام ترمذیؒ نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی ہے۔ اور ابن ابی شیبہؒ نے بھی اس کو حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی ہے اور اس لئے بھی کہ یہ جنین کی جان کا بدلہ ہے۔ حضرت رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے اس کو دیت فرمایا ہے کیوں کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں "تم اس کی دیت دو" اور ان لوگوں نے جو کہا کہ "اندی من لا صاح ولا استھل" (کیا ہم ایسے کی دیت دیں جو نہ چیخا ہے اور نہ ہی آواز کیا ہے) (الحدیث) پھر ہمارے پاس غرہ کی ادائی عاقلہ پر سال بھر میں واجب ہے۔ اور حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جان کی دیت کی طرح (3) تین سال میں اس دیت کی ادائی کی جائے گی۔

اس بارے میں ہماری دلیل حضرت امام محمد رحمتہ اللہ علیہ سے مروی حدیث شریف ہے انہوں نے کہا کہ ہم کو یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے عاقلہ پر سال بھر میں دیت کا ادا کرنا واجب قرار دیا ہے۔ صاحب ہدایہ نے اس کا ذکر کیا ہے اگر چہ کہ انہوں نے اس کا حوالہ نہیں دیا مگر محدثین نے ہدایہ کے احادیث کی تخریج کی ہے۔

47/4552۔ عمرو بن شعیبؒ اپنے والد اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیت مقتول کے وارثوں کے درمیان میراث ہے اور حضرت رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ عورت کی دیت اس کے عصبہ (پدری رشتہ داروں) کے درمیان ہے اور قاتل کچھ بھی میراث نہ پائے گا۔ (ابوداؤد، نسائی)

48/4553۔ اور ابوداؤد نے اپنی سنن میں سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی ہے کہ قبیلہ ہذیل کے ایک آدمی کے تحت (نکاح میں) دو عورتیں تھیں۔ ایک دنے دوسرے کو خیمہ کی چوب (لکڑی) سے مارا اور اس کو قتل کر دیا اور اس کے جنین (پیٹ کے بچہ) کو بھی قتل کر دیا۔ چنانچہ دو آدمیوں نے اس مقدمہ کو حضرت نبی اکرم صلی علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ تو ان دو میں سے ایک نے کہا اس (جنین) کی دیت ہم کیسے دیں جس نے نہ چیخا اور نہ کھایا اور نہ پیا اور نہ

نیز علماء کی ایک جماعت نے فرمایا ہے کہ امام محمد رحمتہ اللہ علیہ کے بلاغات مرفوع احادیث کے حکم میں ہیں۔ اور امام محمد رحمتہ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ جنین کی دیت میں دو شبہ ہیں۔

1۔ جان کا شبہ کیونکہ وہ اپنے طور پر زندہ ہے۔

2۔ جسم کا ایک حصہ ہونے کا شبہ ہے کیونکہ وہ ماں کے ساتھ متصل ہے۔

ہم وراثت کے حق میں شبہ اول پر عمل کیے ہیں اور حق تاجیل یعنی مؤخر کرنے میں دوسرے شبہ پر عمل کیے ہیں۔ اور بدل عضو جب وہ بیسواں حصہ ہوتا ہے تو ایک سال میں اس کی ادائی واجب ہوتی ہے اور یہاں ایسا ہی ہے۔ چونکہ حدیث شریف مطلق ہے اس لئے (500) درہم کے واجب ہونے میں اکثر اہل علم کے پاس جنین کا مذکر ہونا یا مؤنث ہونا دونوں برابر ہیں۔

(مرقات، ہدایہ، عنایہ، تعلیق مجد، شروح کنز)

رونے کی آواز نکالی۔ تو حضور اکرم صلی علیہ وسلم نے فرمایا کیا اس نے بدوی عرب کی مقفّی (قافیہ والی) گفتگو کی طرح گفتگو کیا۔ اور آپ ﷺ نے اس (جنین) کے بارے میں ایک غرہ (غلام یا باندی) کا فیصلہ فرمایا۔ اور اس کو عورت کے عاقلہ (پدری رشتہ دار) پر مقرر فرمایا۔ اس کی روایت ترمذی نے کی ہے اور کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

49/4554۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی علیہ وسلم نے جنین کے بارے میں قاتلہ کے پدری رشتہ دار پر ایک غلام کا فیصلہ فرمایا۔ (ابن ابی شیبہ)

50/4555۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ ہذیل کی دو عورتیں لڑ پڑیں اور ان میں سے ایک نے دوسرے کو پتھر پھینک کر مارا اور اس نے اس کو اور اس کے جنین کو مار ڈالا۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اس کے جنین کی دیت ایک غرہ (غلام یا باندی) ہے۔ اور آپ ﷺ نے مقتولہ عورت کی دیت کا قاتلہ کے عصبہ (پدری رشتہ دار) پر فیصلہ فرمایا۔ اس کی اولاد اور ان کے رشتہ داروں کو آپ ﷺ نے وارث قرار دیا۔ (بخاری، مسلم)

51/4556۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ ایک عورت نے اپنی سوکن کو جو حاملہ تھی خیمہ کی چوب سے مارا۔ اور اس کو قتل کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ ان میں سے ایک عورت قبیلہ بنی لحیان کی تھی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے مقتولہ کی دیت کو قاتلہ کے پدری رشتہ داروں کے ذمہ فرما دیا۔ اور جنین کی دیت، غرہ (ایک غلام یا باندی) مقرر فرمائی۔ (مسلم)

52/4557۔ عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہما نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ ایک عورت نے ایک عورت کو کوئی چیز (لکڑی یا پتھر) (پھینک کر) مار دیا تو

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لڑکے کے بارے میں پانچ سو کا فیصلہ فرمایا اور حذف (یعنی لکڑی یا پتھر سے پھینک مارنے) سے منع فرمایا۔ (مسند بزار)

53/4558۔ زید بن اسلم سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے غرہ کو پچاس دینار کے برابر قرار دیا۔ اور ہر دینار کو دس درہم قرار دیا۔ (ابن ابی شیبہ)

54/4559۔ حضرت ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ غرہ پانچ سو درہم ہے۔ (ابوداؤد)

55/4560۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ ﷺ نے عاقلہ (پدری رشتہ داروں) پر (دیت کی ادائی کے لئے) ایک سال مقرر فرمایا۔

محدثین نے کہا کہ امام محمد کے بلاغات مسند (مرفوع) روایتوں کے حکم میں ہیں۔

56/4561۔ اور حضرت علقمہ اور حضرت اسود سے روایت ہے ان دونوں نے کہا کہ حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ (قتل) شبہ عمد میں 3 پچیس حقے، پچیس جذعے، پچیس بنت لبون اور پچیس بنت مخاض ہیں (ابوداؤد)۔ یہ مرفوع حدیث کی طرح ہے۔ کیونکہ مقداریں رائے سے معلوم نہیں ہوتیں۔

---

3 قولہ فی شبه العمد خمس وعشرون حقة الخ (شبہ عمد میں 25 حقے دیت ہے)

اسی لئے ہدایہ میں ہے کہ شبہ عمد کی دیت سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور سیدنا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے پاس سو اونٹ چار نوعیت کے ہیں (عمر کے اعتبار سے)۔

(1) 25 بنت مخاض (ایک سالہ) (2) 25 بنت لبون (دو سالہ)

(3) 25 حقہ (تین سالہ) (4) 25 جذعہ (چار سالہ)

امام محمد اور امام شافعی رحمہا اللہ فرماتے ہیں کہ سو اونٹ تین نوعیت کے ہیں۔

57/4562۔ حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شبہ عمد کا بدلہ قتل عمد کی طرح سخت ہے لیکن اس کے مرتکب کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ (ابوداؤد)

58/4563۔ حضرت ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کے پاس ایک فرمان لکھا، آپ ﷺ کے فرمان میں یہ تھا کہ جو شخص قصداً کسی مسلمان کو ناحق مار ڈالے (یعنی قتل عمد کا ارتکاب کرے) تو اس کے کئے کا قصاص ہوگا۔ مگر یہ کہ مقتول کے ورثہ راضی ہو جائیں۔ اس میں یہ بھی تھا کہ مقتولہ عورت کے بدلے (قاتل) مرد

---

30 جذعہ 30 حقہ اور

40 ثنیہ یعنی ایسی چالیس حاملہ اونٹنیاں، جن کے پیٹ میں بچے ہوں

کیوں کہ رسول اللہ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خطاء عمد کا مقتول، کوڑے اور لٹھ سے قتل کئے ہوئے کی طرح ہے اور اس کی دیت سو اونٹ ہے جن میں چالیس حاملہ ہوں۔

اور سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ اور سیدنا زید رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت میں تیس حقے، تیس جذعے ہیں اور اس لئے کہ شبہ عمد کی دیت زیادہ سخت ہے ہم نے یہی بات بیان کی ہے۔ اور ان دونوں شیخین کی دلیل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ مسلمان کی جان کی دیت سو اونٹ ہیں اور ان دونوں (امام شافعیؒ و امام محمدؒ) کی حدیث ثابت نہیں ہے کیوں کہ صفت تغلیظ میں صحابہ علیہم الرضوان کا اختلاف ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ بطور تغلیظ چار نوعیت کے اونٹ فرمائے ہیں۔ جیسا کہ مذکور ہوا۔ اور یہ حدیث، مرفوع حدیث کی طرح ہے لہذا اس سے ان کے مقابل میں استدلال کیا جا سکتا ہے۔

کو قصاص میں قتل کیا جائے گا اور یہ بھی تھا کہ جان کی دیت سو اونٹ ہیں ۔4

4قولہ فی النفس الدیۃ الخ (جان کی دیت سو100 اونٹ ہے) قتل عمد میں قصاص نہ لیا جائے تو اس کی جگہ سو اونٹ ہیں اور قتل خطا اور قتل شبہ عمد میں سو اونٹ بالکل متعین ہیں۔ اور کتاب الرحمۃ میں ہے کہ علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے۔ آزاد مسلمان مرد کی دیت جب وہ دیت لینا چاہیں تو قاتل عامد (عمداً قتل کرنے والا) کے مال میں سے سو اونٹ ہیں البتہ اس کو فی الفور یا تاخیر سے دیۓ جانے میں اختلاف ہے

اور امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ فی الفور دینا ہوگا۔ اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تین سال کی مدت میں دینا ہوگا۔

قتل عمد کی دیت میں اختلاف ہے۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت میں چار نوعیت کے اونٹ ہیں۔

25 بنت مخاض	25 بنت لبون	25 حقہ	25 جذعہ

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تین حصوں پر منقسم ہونگے۔

حقہ 30	جذعہ 30	اور خلفہ یعنی حاملہ اونٹنیاں 40

اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک دوسری روایت اس کے موافق ہے، اب رہا شبہ عمد کی دیت امام اعظم اور امام شافعی رحمہما اللہ کے پاس وہ عمد محض کی دیت کی طرح ہے۔ اور اس بارے میں امام مالک رحمۃ اللہ سے روایت مختلف ہیں اور قتل خطا کی دیت تو امام اعظم اور امام احمد رحمہما اللہ کے پاس پانچ نوعیت کے اونٹ ہیں

جذعہ 20، حقہ 20، بنت لبون 20، ابن مخاض 20 بنت مخاض 20 (مرقات)

اور جس کے پاس سونا ہو وہ ایک ہزار دینار دے۔5

5قولہ وعلی اھل الذھب الف دینار (اور جس کے پاس سونا ہے وہ ایک ہزار دینار دے) دینار اور درھم کو دیت میں لیا جاسکتا ہے یا نہیں، اس میں اختلاف ہے، حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں دیت میں اس کو اونٹ ہونے کے باوجود لیا جاسکتا ہے۔ پھر اس بارے میں کہ اونٹ اصل ہیں اور دینار و درہم اس کا بدل ہیں، یا دونوں اصل ہیں۔ اس بارے میں ان دونوں حضرات سے دو دو روایتیں آئیں ہیں۔

اور امام مالک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اونٹ اصل ہیں کیونکہ وہ شریعت کی طرف سے مقرر ہیں۔ اور اونٹوں کے ہوتے ہوئے درہم و دینار کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اونٹ اگر پایا جائے تو اس کا کوئی بدل نہیں ہوسکتا سوائے اس کے دونوں کی رضامندی ہو۔ اگر اونٹوں پر قادر نہ ہو تو امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ سے اس بارے میں دو قول ہیں اور قول جدید میں یہ ہے کہ قبضہ کرتے وقت جو بھی قیمت ہوگی اس کا اعتبار کیا جائے گا خواہ زائد ہو یا کم اور یہ قول (جدید) راجح ہے۔

اور قول قدیم میں جو ضرور تا معمول بہ ہے اس میں یہ ہے کہ اس کا معادلہ 1000 ہزار دینار یا بارہ ہزار درہم سے ہوتا ہے۔ لیکن درہم سے دیت کی اس مقدار کے بارے میں اختلاف ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ دس ہزار درہم فرماتے ہیں۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ بارہ بارہ ہزار درہم فرماتے ہیں۔ کتاب اختلاف الائمہ میں ایسا ہی ہے۔ ظاہر حدیث حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی تائید کرتی ہے کیونکہ حضور علیہ والہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد ہے "وعلی اھل الذھب" اس کی اصل عبارت یہ ہوتی ہے کہ "مائۃ من الابل علی اھل الابل والف دینار اومایقوم مقامھا وھو عشرۃ آلاف درھم علی اھل الذھب" یعنی اونٹ والوں پر سو اونٹ ہیں اور سونا رکھنے والوں پر ہزار دینا ہیں یا اس کے قائم مقام دس ہزار درہم۔ (مرقات)

اور ناک کی 6 دیت جب کہ وہ پوری کاٹی گئی ہو سو اونٹ ہیں اور دانتوں میں دیت ہے 7۔

6 قولہ وفی الانف اذا وعب جدعہ الدیۃ مائۃ من الابل (اور ناک کی دیت جب کہ اس کو مکمل طور پر کاٹ دے، سو اونٹ ہیں) اطراف اعضاء کے بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ جب مکمل طور پر اس کی منفعت کو ختم کردے یا آدمی میں جو خوبصوتی مقصود ہے اس کو پورے طور پر زائل کردے تو مکمل دیت لازم ہے کیونکہ من وجہ یعنی یہ ایک اعتبار سے نفس کو ضائع کرنا ہے اور انسان کی عظمت وحرمت کی غرض سے اس کو پاک جان مکمل طور پر ضائع کرنے کے حکم سے ملادیا گیا ہے۔ اس کی دلیل حضور پاک علیہ وآلہ الصلوۃ والسلام کا زبان اور ناک کے بارے میں مکمل دیت کا فیصلہ فرمانا ہے۔

اور اس (اصل) سے بہت سے جزئیات نکلتے ہیں۔ پس ہم ناک کے بارے میں کہتے ہیں کہ کامل دیت ہوگی۔ کیونکہ اس سے خوبصورتی کو جو مقصود ہے مکمل طور پر ختم کردیا گیا ہے۔

اسی طرح ناک کے نرم حصے یا اس کے سرے کو کاٹ دے تو ایک پوری دیت دینا ہوگا۔ جیسا کہ ہم نے خوبصورتی کو زائل کرنے سے متعلق ذکر کیا ہے۔ اور اگر ناک کے نرم حصے کو بانس کے ساتھ کاٹ دے تو ایک ہی دیت جائے گی کیونکہ یہ پورا ایک عضو ہے۔ (ہدایۃ)

7 قولہ فی الاسنان الدیۃ (دانتوں میں دیت ہے) طیبی نے فرمایا اگر تم یہ کہو کہ اس حدیث میں اور آنے والی حدیث ''وفی الاسنان خمسا خمسا من الا بل'' (دانتوں میں پانچ پانچ اونٹ ہیں) میں کیسے موافقت ہوگی تو اس کے جواب میں میں کہتا ہوں کہ وہاں جمع میں افراد کا اعتبار کیا گیا ہے اور یہاں اس کی حقیقت کا اعتبار کیا گیا ہے۔

اس کی مثال الف لام تعریفی میں ہے کہ اس سے حقیقت جنس اور استغراق دونوں بھی مراد ہوتے ہیں۔ اور اسی لئے ''خمسا'' کو مکرر لایا گیا ہے تا کہ وہ باعتبار اخماس کامل دیت کو شامل ہوجائے۔

اورہونٹوں میں دیت ہے 8

ابن حاجب فرماتے ہیں عرب میں کسی چیز کو دومرتبہ لانا اس لفظ کے معنی مطلوب کے اعتبار سے تمام جنس کی تفصیل کا احاطہ کرنے کے لئے ہوتا ہے، اوراس میں ''پانچ پانچ'' دیت پرزیادتی کوظاہر کرنے کے لئے ہے (مرقات)

8۔قولہ وفی الشفتین الدیۃ الخ (اورہونٹوں میں دیت ہے) اس بات کو جانو کہ بدن انسانی میں جس عضو کا کوئی ثانی نہیں یا اس میں کوئی ایسی صفت ہو جو مقصود ہے تو ان میں کامل دیت ہے اعضاء چارقسم کے ہیں۔

(1)۔تنہا ایک ایک اور وہ تین ہیں ناک، زبان، عضو تناسل اور بدن انسانی میں صفات مقصودہ جوایک ایک ہیں عقل، نفس، قوت شامہ اور قوت ذائقہ ہیں۔

(2) اور ایسے اعضاء جو جوڑ دار ہیں وہ دو آنکھ، دو کان، دو ابرو، دو ہونٹ، دو ہاتھ، عورت کے دو پستان، دو خصیے اور دو پیر ہیں۔ ان دونوں میں پوری دیت ہے اوران میں سے ایک میں آدھی دیت ہے۔

(3) اوروہ اعضاء جو چار چار ہیں وہ آنکھ کی پلکیں ہیں اور ہر پلک میں چوتھائی دیت ہے۔

(4) اور جو اعضاء دس دس ہیں وہ دونوں ہاتھ اور دونوں پیر کی انگلیاں ہیں۔ دس انگلیوں میں کامل ایک دیت ہے۔اور ہر انگلی میں دیت کا دسواں حصہ ہے۔

(5) اور جو اعضاء دس سے زائد ہیں اوروہ ہرایک میں دیت کا بیسواں حصہ ہے۔ (ردالمختار)

اب رہا امام ابوداؤدؒ اور امام نسائیؒ نے جو روایت کی ہے کہ فقراء کے ایک بچہ نے اغنیاء کے ایک بچہ کا کان کاٹ دیا تو اس کے رشتہ دار، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اورانہوں نے عرض کیا کہ ہم فقراء لوگ ہیں تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر کوئی چیز مقرر نہیں فرمائی۔

اور دونوں خصیوں میں دیت ہے۔ اور آلہ تناسل میں دیت ہے اور پیٹھ کی دیت ہے اور دونوں آنکھوں میں دیت ہے اور ایک پیر میں آدھی دیت ہے 9۔

اس میں ہمارے لئے اس بات پر دلیل ہے کہ بچہ کا عمد بھی خطا کے حکم میں ہے کیونکہ اس کی یہ حرکت اس کے اختیار صحیح سے نہیں ہے اسی لئے اس سے قتل میں قصاص نہیں لیا جاتا۔ بلکہ اس میں عاقلہ پر دیت ہوتی ہے۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بچہ کا عمد بھی عمد ہے اور اس پر اس کے مال میں سے دیت واجب ہوگی نیز امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ اس حدیث سے اس بات پر استدلال کئے ہیں کہ خطا کی جنایت اگر وہ فقراء ہوں تو عاقلہ پر لازم نہیں ہے۔

اور امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چونکہ عاقلہ کی حدیث مطلق ہے اور اگر اس کے تنگدست عاقلہ کوئی پیشہ اور کام کرتے ہیں تو ان پر دیت لازم آئے گی۔ (ہدایہ، مرقات، نیل الاوطار)

اور مولانا شیخ محمد محدث تھانوی رحمتہ اللہ علیہ اس حدیث کی تاویل میں فرماتے ہیں ہوسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت کو ان (فقراء) پر فوری طور پر لازم نہیں فرمایا اور فوری طور پر ان سے اسکا مطالبہ نہیں کیا بلکہ سہولت اور وسعت کو اس کی مدت مقرر فرمادی ہو یا شارع علیہ السلام کا یہ حکم ان کے حق میں خاص ہو یا یہ کہ یہ ابتدائی حکم ہو پھر حدیث شریف کا اتنا حصہ منسوخ ہوگیا ہو کیونکہ اس جیسی دوسری مثالوں میں دیت کو جاری کیا گیا ہے، یہ سب اس وقت ہے جب کہ جنایت کا ارتکاب کرنے والا آزاد ہو۔ اور اگر جنایت کرنے والا غلام ہو تو تب بھی اس میں یہی توجیہات رہیں گی مگر اس کی جنایت عاقلہ پر نہیں بلکہ غلام پر ہوگی۔ انتہی

9 وفی الرجل الواحدۃ نصف الدیۃ (اور ایک پیر میں نصف دیت ہے)

حضرت شعبیؒ نے فرمایا کہ بدن میں جو اعضاء جوڑ دار ہیں ان کے ہر دو میں کامل دیت واجب ہوتی ہے جیسے دو آنکھ، دو ہاتھ، دو پیر، دو ہونٹ، دو کان، دو خصیے۔ اور ان دو میں سے ایک ایک میں آدھی دیت ہے۔ (مرقات)

اور دماغ تک پہنچنے والے زخم میں تہائی دیت ہے 10 اور پیٹ کے زخم میں تہائی دیت ہے اور ہڈی ہٹ جانے والے زخم میں پندرہ اونٹ ہیں۔ اور ہاتھ پیر کی ہر ایک انگلی 11 دس اونٹ ہیں۔ اور دانت 12 میں پانچ اونٹ ہیں۔ (نسائی، داری)

---

10 قولہ وفی المامومۃ ثلث الدیۃ دماغ تک پہنچنے والے زخم میں تہائی دیت ہے۔ (ہدایہ)

اور مرقات میں ہے کہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے مقادیر محض تعبدی (غیر قیاسی) ہیں اس کی معرفت کا شریعت کے بیان کے سوا کوئی اور راستہ نہیں ہے۔

11 قولہ وفی کل اصبع الخ (اور ہاتھ، پیر کی انگلیوں میں سے ہر انگلی کی دیت دس اونٹ ہیں) صاحب ہدایہ نے کہا: یہ اسی حدیث کی بناء پر ہے اور انگلیوں کی یہ دیت اس لئے بھی ہے کہ پوری انگلیوں کا کاٹنا جنس منفعت کو ختم کرنا ہے۔ اور ایسی صورت میں کامل دیت ہوتی ہے۔ اور انگلیاں دس ہیں اور کامل دیت ان دس پر تقسیم کی جائے گی۔ (ہدایہ)

12 قولہ وفی السن خمس من الابل: (اور دانت میں (دیت) پانچ اونٹ ہیں یا پچاس دینار یا پانچ سو درہم ہیں۔ کیونکہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ہر دانت میں پانچ اونٹ ہیں یعنی اگر آزاد ہے تو دیت کا بیسواں حصہ ہے۔ اور اگر غلام ہے تو اس کی قیمت کا بیسواں حصہ ہے۔ پس اگر تم کہو کہ ایسی صورت میں تمام دانتوں کی دیت جان کی دیت سے 3/5 بڑھ جاتی ہے۔ چونکہ عام طور پر دانت بتیس (32) ہوتے ہیں تو اس میں دیت (16000) سولہ ہزار درہم واجب ہوتی ہے۔ اور یہ مقدار جان کی دیت پر 3/5 یعنی (6000) چھ ہزار زائد ہے۔

تو میں کہتا ہوں کہ ہاں اس میں کوئی ہرج نہیں کیونکہ یہ خلاف قیاس ہے۔ اور نص سے ثابت ہے۔ جیسا کہ کتاب ''الغایۃ'' وغیرہ میں ہے اور کتاب ''عنایۃ'' میں ہے کہ ایسا عضو جس کو ضائع کرنے پر مقررہ مقدار سے بڑھ کر دیت واجب ہوتی ہو تو بدن میں سوائے دانتوں کے کوئی دوسرا نہیں۔ (درمختار، ردالمحتار)

59/4564۔ اور امام مالکؒ کی روایت میں یہ ہے کہ ایک آنکھ کی 13 دیت پچاس اونٹ ہیں اور ہاتھ میں پچاس اونٹ اور پیر میں پچاس اونٹ ہیں اور ہڈی ظاہر ہونے والے زخم میں پانچ اونٹ ہیں۔

60/4565۔ حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ ایسے زخموں کی دیت جس میں ہڈی ظاہر ہوجائے تو پانچ پانچ اونٹ ہیں۔ اور دانتوں میں (ہر ہر دانت) کی دیت بھی پانچ پانچ اونٹ ہیں۔ (ابوداؤد، نسائی، دارمی) ترمذی اور ابن ماجہ نے (اس حدیث کے) ابتدائی حصہ کی روایت کی ہے۔

61/4566۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے ایک آدمی کے بارے میں چار دیتوں کا 14 فیصلہ فرمایا۔ اس نے ایک آدمی کو مارا تھا جس سے اس کی سماعت، بصارت، اس کا آلہ تناسل اور اس کی عقل چلی گئی

ابوالحارث اور عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمہما اللہ نے روایت کی ہے کہ امام احمد بن حنبل نے اس کو بیان کیا ہے۔ اور ابن ابی شیبہ نے بھی اس کے ہم معنی روایت کی ہے۔

---

13 قولہ وفی العین خمسون الخ (وہ آنکھ میں پچاس اونٹ ہیں) یعنی آنکھ میں جان کی آدھی دیت پچاس اونٹ ہیں (ہدایہ)

14 قولہ انہ قضی فی رجل الخ (ایک آدمی کے بارے میں چار دیتوں کا فیصلہ فرمایا) اس حدیث شریف میں دلیل ہے کہ ان مذکورہ چار چیزوں یعنی سماعت، بصارت، عضو تناسل اور عقل میں سے ہر ایک میں ہمارے پاس اور دیگر فقہاء کے پاس ایک دیت ہے۔

اور صاحب بحر نے اس سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ اس پر اجماع ہے کیونکہ صحابہ میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا ہے۔ (نیل الاوطار)

62/4567۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنی عامر کے دو آدمیوں کی دیت، دو مسلمانوں کی دیت کی طرح 15 ادا فرمائی۔ ان دونوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد تھا۔ (ترمذی)

اسی لئے ہدایہ میں ہے جو شخص کسی عضو پر مارے اور اس کی منفعت ختم کر دے تو اس میں کامل دیت ہے جیسا کہ ہاتھ شل ہو جائے اور آنکھ جب اس کی روشنی ختم ہو جائے تو اس میں کامل دیت ہے۔

اور اسی میں ایک مقام پر یہ ہے کہ اگر کوئی مار کر عقل ضائع کر دے تو اس میں بھی دیت ہے۔ اور کسی کی سماعت یا بصارت، قوت شامہ یا قوت ذائقہ کو زائل کر دے تو اس میں بھی دیت ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک منفعت مقصودہ ہے۔

15 ودی العامریین بدیة المسلمین (یعنی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عامر قبیلہ کے دو آدمیوں کی دیت، دو مسلمانوں کی دیت کی طرح ادا فرمائی) یعنی مسلمان کی اور ذمی کی دیت اگر چہ وہ مجوسی ہو برابر ہے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہودی اور نصرانی کی دیت چھ ہزار (6000) درہم ہے کیونکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "عقل الکافر نصف دیۃ المسلم" کافر کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے۔

اور کامل دیت ان کے (امام مالک کے) پاس بارہ ہزار درہم ہیں۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے نصرانی اور یہودی کی دیت چار ہزار درہم ہیں اور مجوسی کی دیت آٹھ سو درہم ہیں کیونکہ اسی طرح مروی ہے۔ اور یہ ان کا قول قدیم ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اور ایک روایت کے مطابق امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی فرمایا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے "قول جدید" میں سو اونٹ کا ایک ثلث (تہائی) ہے یا یہ نہ ہو تو سو اونٹوں کی ایک تہائی قیمت ہے اور مجوسی کے لئے بھی اسی طرح ہے۔

اور ہماری دلیل سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی حدیث شریف ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو شخصوں کی دیت جن کا آپ ﷺ سے معاہدہ تھا، جب ان کو عمرو بن امیہ ضمریؓ نے قتل کیا تو آپ ﷺ نے سو اونٹ ادا فرمائے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''دیة کل ذی عهد فی عهده الف دینار'' معاہدہ کرنے والے کی دیت جب تک معاہدہ قائم ہے ہزار دینار ہے۔

اور امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ سیدنا ابوبکر و سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر قرار دیتے تھے۔

یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ کفر کا نقص تو عورت اور غلام کے نقص سے زیادہ ہے تو اس کی (کفر کی) دیت اس سے کم ہونی چاہئے۔ اور اس لئے بھی کہ غلامی کفر کا اثر ہے اور جب کفر کے اثر میں دیت کم ہے تو اولیٰ کم ہونا چاہئے۔

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ عورت اور غلام کی دیت کا کم ہونا اس کے عورت ہونے یا غلام ہونے کے نقص کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ صفتِ ملکیت کے نقص کی وجہ سے ہے کیونکہ عورت نکاح کی ملکیت نہیں رکھتی اور غلام مال کی ملکیت نہیں رکھتا جب کہ آزاد مرد ان دونوں کا مالک ہے۔ اسی وجہ سے اس کی قیمت بڑھ گئی اور ان دونوں کی قیمت کم ہوگئی۔ اور اس مفہوم میں کافر، مسلمان کے برابر ہیں تو ضروری ہے کہ اس کا بدل مسلمان کے بدل کے برابر ہو۔ (ماخوذ از شروح کنز)

63/4568۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالی سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر وہ آدمی جس سے عہد ہے جب تک وہ اپنے عہد پر ہے اس کی دیت ہزار دینار ہے۔ (مراسیل ابوداؤد)

64/4569۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الآثار میں ہیثم بن ابوالھیثم رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ تعالی عنہم نے فرمایا ہے معاہد (جس سے معاہدہ ہے) کی دیت آزاد مسلمان کی دیت ہے۔

65/4570۔ حضرت خشف بن مالک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتلِ خطاء کی دیت میں 16ل بیس بنت مخاض، بیس 20 ابن مخاض بیس بنت لبون، بیس جذعہ اور بیس حقہ کا فیصلہ فرمایا۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

16ل قولہ قضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی دیۃ الخطأ الخ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتلِ خطا کی دیت میں جو فیصلہ فرمایا) اس حدیث شریف کی بناپر

قتل خطا کی دیت میں پانچ قسم کے سو اونٹ ہیں (20) ابنِ مخاض (ایک سالہ اونٹ)

(20) بنت مخاض (ایک سالہ اونٹنی) (20) بنت لبون (دوسالہ اونٹنی)

(20) حقے (تین سالہ اونٹ) (20) جذع (چار سالہ اونٹ)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہمارے مذہب کے مطابق ہے البتہ آپ نے فرمایا کہ ابن مخاض (ایک سالہ اونٹ) کے بجائے ابن لبون (دوسالہ اونٹ) واجب ہے اور ان پر ہماری حجت وہ احادیث ہیں جو ہم نے بیان کیا ہے۔ (مأخوذ از التکملۃ وعینی)

اور قول صحیح کے مطابق یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ پر موقوف ہے اور ملا علی قاری نے فرمایا اس حدیث کو موقوف تسلیم کیا جائے تب بھی اس میں حرج نہیں۔ کیونکہ یہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہے اس لئے کہ مقادیر (مقداروں کا تعین) رائے سے معلوم نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ حدیث جب مرفوع اور موقوف دونوں طرح سے مروی ہوتی ہے تو اس کا اعتبار مرفوع میں ہوتا ہے۔

اور حضرت خشف رحمۃ اللہ علیہ کی امام نسائی نے توثیق کی ہے۔ اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر فرمایا ہے۔ اور یہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے، حضرت عمرؓ سے اور اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اس لئے یہ معروف ہیں۔ کیونکہ معروف قرار دیئے جانے کے لئے کم از کم دو سے روایت کرنا ہے۔ حضرت شمنی نے کہا ہے کہ جن صاحب کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کے اونٹوں سے دیت ادا فرمائی ہے اس کے بارے میں ہمارے اصحاب نے یہ جواب دیا ہے کہ آپ ﷺ کا یہ دیت دینا تبرعاً ہے۔ آپ ﷺ نے اس کو حکم نہیں قرار دیا ہے۔

66/4571۔ امام محمد بن حسن رحمہ اللہ نے فرمایا ہم کو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت پہنچی ہے کہ انہوں نے سونا رکھنے والوں [17] پر دیت میں ایک ہزار دینار

---

[17] قولہ فرض علی اھل الذھب فی الدیۃ ألف دینار الخ (انہوں نے سونا رکھنے والوں پر دیت میں ایک ہزار دینار مقرر کیا) جانو اس بات کو کہ اصل دیت میں علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ اور ایک روایت میں حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ صرف اونٹ ہیں اور ما باقی اقسام مصلحت پر مبنی ہیں، شریعت کے مقرر کردہ نہیں ہیں۔ پس اس کی جو قیمت بھی واجب ہوگی۔

اس حدیث سے اور سابق حدیث ''علی اھل الذھب ألف دینار '' سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ تین انواع اونٹ، سونا، اور چاندی اصل ہیں اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے۔ اوران کا تعین یا تو رضامندی سے ہوگا یا قاضی کے فیصلہ سے ہوگا اوراسی پر قاضی حضرات کا عمل ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ اس کا حق قاتل کو ہے۔

اس کا حضرت امام قہستانی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

اور اس سے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ نے صحابہ رضوان اللہ تعالی عنہم کی موجودگی میں جب اس کا فیصلہ فرمایا تو کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا اس لئے یہ اجماع کے قائم مقام ہوگیا۔

امام ابو یوسف، امام محمد اور ایک روایت میں امام احمد رحمہم اللہ نے فرمایا اونٹ، سونا، چاندی اور گائے دوسو اور بکری دو ہزار اور لباس دو سو جوڑے سب اصل ہیں۔ اس اختلاف کا فائدہ قاتل کو اختیار دینے کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اختیار صرف تین قسموں میں سے رہے گا اور صاحبین کے پاس چھ قسموں میں رہے گا۔ اس اختلاف کا فائدہ اس صورت میں ظاہر ہوگا جب کہ قاتل مقتول کے ولی سے دوسو گایوں سے بڑھ کر صلح کرے تو امام صاحب کے پاس یہ جائز ہوگا کیونکہ اس نے دیت کی جنس سے ہٹ کر دوسری چیز پر مصالحت کی ہے لیکن صاحبین کے قول پر یہ جائز نہیں جیسا کہ اگر وہ سو سے زائد اونٹوں پر یا ہزار دینار سے زائد پر مصلحت کرے تو یہ ناجائز ہے اسی طرح یہ بھی ناجائز ہوگا۔

اور بہتر بات تو وہ ہے جس کو امام صاحب نے اختیار کیا ہے جیسا کہ ''المضمرات'' میں ہے کیونکہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالی نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث شریف کے ظاہری معنی کو اختیار کر کے فرمایا ہے کہ دیت کی چھ انواع ہیں کیونکہ

اور چاندی ہو تو دس ہزار درہم مقرر فرمائے تھے۔ 18 (بیہقی۔ بسند امام شافعی رحمہ اللہ)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دیت کی چھ قسمیں کی ہیں اور ہر قسم کی ایک مقدار مقرر کی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ایک وقت میں ان سب کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ پس اس سے ہم کو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس سے مراد ہر قسم کی مقدار کو بیان کرنا ہے۔

اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ دیت اونٹ، درہم اور دینار میں سے دی جائے گی اور اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی مشہوری احادیث موجود ہیں۔

اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ نے گائے، بکری اور کپڑوں کے جوڑے کو شرع میں اختیار فرمایا تھا کیونکہ ان کا مال یہی تھا۔ چونکہ دیت میں ان کے لئے ان چیزوں کی ادائی آسان تھی۔ ان پر سہولت کی خاطر آپ نے اس کو اختیار کیا۔

اس سے راوی کو یہ گمان ہوا کہ آپ کا یہ بیان ان قسموں میں دیت کی مقدار مقرر کرنے کے لئے تھا۔ پس جب وظائف اور عطایا جاری ہوئے تو ان کے اکثر اموال درہم، دینار اور اونٹ تھے۔ پس آپ نے دیت کا فیصلہ اسی میں سے فرمایا۔ پھر گائے، بکری کو دیات میں کوئی دخل نہیں ہے۔ یہ چیزیں مکانات، غلام، باندیوں کے درجے میں ہیں۔ اسی طرح اونٹ کو بھی اس میں شمار نہیں کیا جانا چاہئے تھا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احادیث اس بارے میں مشہور ہیں۔ اس کی وجہ سے ہم خاص طور پر اونٹ میں قیاس کو چھوڑ دیتے ہیں۔

(ماخوذ از مرقات، نیل الاوطار، ردالمحتار، بنایہ، ہدایہ مبسوط)

18 قوله: ومن الورق عشرة آلاف درهم، (اور چاندی ہو تو دس ہزار درہم)

حضرت شمنی فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس دیت سونا ایک ہزار دینار یا چاندی دس ہزار درہم یا اونٹ ایک سو ہیں۔

اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے چاندی بارہ ہزار درہم ہے اور حضرت امام مالک، حضرت امام احمد اور حضرت امام اسحاق رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔ کیونکہ چاروں اصحاب سنن نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے یہ روایت تخریج کی ہے۔ قبیلہ بنی عدی کے ایک صاحب قتل کیے گئے تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دیت بارہ ہزار درہم مقرر فرمائی۔

اور ہماری دلیل جو امام ثوری کا اور حضرت امام شافعی کے اصحاب میں سے ابوثور کا بھی قول ہے۔ امام بیہقی کی روایت ہے جو حضرت امام شافعی کی سند سے ہے کہ انہوں نے کہا ہم کو امام محمد بن حسن نے بیان فرمایا کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ سے یہ روایت پہنچی ہے کہ انہوں نے سونا رکھنے والوں کے لئے دیت میں سونے کے ایک ہزار دینار اور چاندی میں دس ہزار درہم مقرر کیئے ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ سے جو مروی ہے اس کی تاویل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے درہم کا فیصلہ فرمایا تو اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتداء عہد میں چھ درہم کا وزن چھ مثقال کے مساوی تھا اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانے تک یہ وزن قائم رہا۔ پھر اس کے بعد چھ درہم کا وزن سات مثقال کے برابر ہوگیا۔

حضرت تاج الشریعۃ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس روایت کردہ حدیث شریف کی تاویل یہ ہے کہ آپ نے بارہ ہزار درہم کو جو واجب فرمایا ہے تو وہ چھ مثقال کے وزن کے اعتبار سے تھے جو سات مثقال کے حساب سے دس ہزار درہم ہوتے ہیں۔ (ماخوذ از مرقات وبنایۃ)

67/4572۔ حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے علاج کیا جب کہ وہ طبیب ناتجربہ کار ہو تو وہ (تاوان کی ادائی کا) ضامن ہے 19۔ (ابو داؤد، نسائی)

---

19 قولہ فھو ضامن : یعنی وہ معالج اس کی دیت کا ضامن ہے اور چونکہ مریض کی اجازت تھی اس لئے قصاص اس سے ساقط ہو جائے گا اور طبیب کی جنایت اکثر فقہاء کے پاس عاقلہ (پدری رشتہ دار) پر ہے۔ (ماخوذ از لمعات ومرقات)

خلاصۂ کلام جیسا کہ بذل المجہود میں ہے معالج (ڈاکٹر) جب اپنے ہاتھ سے کسی چیز کا علاج کرے مثلاً رگ کاٹے یا جلد چیرے یا کسی آلہ سے داغ دے یا اپنے ہاتھ سے دوا پلائے اور اس کو منھ میں ڈالے اور وہ عضو تلف ہو جائے تو اس کی جنایت سے ڈاکٹر پر دیت لازم آئے گی۔ لیکن جب ڈاکٹر اس کے لئے کوئی نسخہ لکھ دے اور مریض کے لئے اس کی وضاحت کر دے اور اس کو مریض اپنے ہاتھ سے کھائے تو اس کے لئے کوئی ضامن نہیں ہے۔

(2/166) باب

مالا یضمن من الجنایات

ان جرائم کا بیان جنکا تاوان نہیں

68/4573۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چوپائے کے زخمی کردینے کا ضمان (تاوان) نہیں 1

---

1 قولہ العجماء جرحها جبار (چوپائے کے کسی کو زخمی کردینے کا ضمان (تاوان) نہیں) اس سے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے استدلال کیا ہے اس بات پر کہ جانور دوسرے کے مال کو خراب کردے اور اس کے ساتھ اس کا مالک نہ ہو تو اس پر ضمان نہیں خواہ رات میں ہو یا دن میں۔

اور اگر اس کے ساتھ اس کا مالک ہو اور اس کو پیچھے سے ہانک رہا ہو تو ہر حالت میں تلف شدہ کا اس پر ضمان ہے اور اگر اس کا مالک سامنے ہو یا اس پر سوار ہو تو اس پر ان چیزوں کا ضمان ہے جن کو چوپائے نے منہ یا ہاتھ سے تلف کیا ہے۔

اور جس کو (چوپائے) نے پیر سے تلف کیا ہے اس کا ضمان نہیں ہے البتہ اگر ساتھ رہنے والا اس کو تلف کرنے پر ابھارے یا اس کا قصد کرے تو ایسی صورت میں چونکہ اس کی طرف سے زیادتی پائی جارہی ہے اسی لئے وہ ضمان دے گا۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جانور دن میں اگر دوسرے کا مال تلف کردے اور مالک ساتھ نہ ہو تو اس پر ضمان نہیں ہے اور اگر مالک اس کے ساتھ ہو خواہ سوار ہو

کان میں ہلاک ہو جانے کا ضمان نہیں 2 اور کنویں میں گرنے سے ہلاک ہو جانے کا ضمان نہیں۔ (بخاری، مسلم)

69/4574۔ حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ میں جیشِ عسرت (غزوہ تبوک) میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد میں شریک رہا۔ اور میرا ایک نوکر تھا جس کی ایک شخص سے لڑائی ہوگئی۔ ان میں سے ایک نے دوسرے کا ہاتھ کتر دیا۔ جس کا ہاتھ کترا گیا تھا اس نے اپنے ہاتھ کو کترنے والے کے منہ میں اس طرح کھینچا کہ اس کا سامنے کا دانت اُکھڑ کر گر گیا وہ شخص

یا پیچھے سے ہانک رہا ہو یا سامنے ہو یا وہ جانور اس کے پاس ٹھہرا ہوا ہو ہر حالت میں اس پر ضمان ہے خواہ ہاتھ سے تلف کرے یا پیر سے یا منہ سے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ العجماء جرحها جبار مطلق ہے اور عام ہے، اس کے عموم پر عمل کرنا ضروری ہے البتہ زیادتی ہو تو وہ اس سے خارج ہے۔ (ماخوذ از عمدۃ القاری والمسوی)

اور التعلیق المجد میں ہے کہ ضمان کا نہ ہونا زخم کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ تمام نقصانات بھی اس کے ساتھ شامل ہیں۔

حضرت عیاض رحمۃ الہ علیہ فرماتے ہیں کہ زخم جو خاص طور پر ذکر کیا گیا وہ اکثریت کے اعتبار سے ہے یا یہ کہ وہ دوسرے اور نقصانات کے لئے ایک مثال کے طور پر ہے۔

2 قولہ: والمعدن جبار والبئر جبار (کان میں ہلاک ہو جانے کا ضمان نہیں اور کنویں میں گرنے کی وجہ سے ہلاک ہو جانے کا ضمان نہیں) اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی آدمی کو اجرت پر کان کھودنے کے لئے لگائے اور وہ کنواں یا کان اس کھودنے والے کے اوپر گر جائے اور اس کی جان لے لے تو اس کا ضمان نہیں ہے کیونکہ یہ قتل براہ راست اس کی طرف سے نہیں ہے، نہ اس کے سبب سے ہے۔ (ماخوذ از موطا امام محمد، التعلیق المجد)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے اس کے دانت کا تاوان نہیں دلایا۔3 اور آپ ﷺ نے فرمایا: کیا وہ شخص اپنا ہاتھ تیرے منہ میں چھوڑے رکھتا، تاکہ تو سانڈ کی طرح اس کو چباڈالے۔ (بخاری ومسلم)

70/4575۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا یارسول اللہ ﷺ آپ ہی فرمایئے اگر کوئی شخص میرے پاس میرا مال چھین لینے آئے (تو کیا میں اپنا مال اس کے حوالہ کردوں)۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں! تم اس کو اپنا مال لینے نہ دو۔ اس نے عرض کیا اگر وہ مجھ سے لڑے تو

3**قولہ فاھدر ثنیۃ** (دانت کا کوئی تاوان نہیں دلایا) اس میں علماء کا اختلاف ہے ایک جماعت یہ کہتی ہے: کوئی آدمی کسی کا ہاتھ کتر ڈالے اور وہ ہاتھ کو کترنے والے کے منہ سے کھینچ لے اور اس کا کھینچنا کترنے والے کے کسی دانت کو اکھاڑ دے تو اس دانت کی اس پر کوئی دیت نہیں۔ سیدنا ابوبکر اور سیدنا شریح رضی اللہ عنہما سے اسی طرح کی روایت ہے اور یہ قول کوفیین کا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم کا ہے اور ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ جس کو کترا گیا ہے اگر وہ کترنے والے کو کسی دوسری جگہ زخمی کردے تو اس پر اس کا ضمان آئے گا ابن ابی لیلیٰ اور امام مالک رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ وہ دانت کی دیت کا ضامن ہے اور اس باب کی یہ حدیث پہلے حضرات یعنی حنفیہ وشافعیہ کی دلیل ہے۔ (عمدۃ القاری)

اور نیل الاوطار میں ہے کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جنایت اگر مجنی علیہ (جس پر زیادتی کی گئی ہو) پر خود اس کے کسی سبب سے ہو جیسے مذکورہ قصہ یا اس جیسا کوئی واقعہ ہو تو اس میں قصاص اور تاوان نہیں ہے اور جمہور کا مذہب یہی ہے لیکن اس میں یہ شرط ملحوظ رہے گی کہ جس کو کترا گیا ہے اسے اپنے ہاتھ کو یا کسی اور عضو کو اس سے آسان طریقہ سے چھڑا لینے کی قدرت نہ ہو اور یہ کترنا اس کے لئے تکلیف دہ ہو۔ مگر ظاہر حدیث سے اس کا شرط نہ ہونا معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ شرط قواعد کلیہ کی بناء پر قید لگانے کے باب سے ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا تم بھی اس سے لڑو۔ اس نے عرض کیا، بتلایئے اگر وہ مجھے مار ڈالے؟ آپ نے فرمایا (ایسی صورت میں) تم شہادت کا درجہ پاؤگے۔ اس نے عرض کیا اگر میں اس کو مارڈالوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ دوزخ میں جائے گا۔ 4 (مسلم)

---

4 قولہ قال ارأیت ان قتلتہ قال ھو فی النار (آپ بتلائیں اگر میں اس کو مارڈالوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ دوزخ میں جائے گا) اس حدیث کی رو سے ناحق کسی کا مال لینے کا ارادہ رکھنے والے کو قتل کردینا جائز ہے خواہ مال تھوڑا ہو یا زیادہ کیونکہ حدیث کا حکم عام ہے اور یہ جمہور علماء کا قول ہے بعض اصحابِ امام مالک کا قول یہ ہے کہ اگر وہ معمولی سی چیز کو طلب کیا ہے تو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ لیکن ان کا قول درست نہیں اس معاملہ میں جمہور کا قول ہی درست ہے۔ اور اس حدیث شریف سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مال چُرانے والے کو جب قتل کردیا جائے تو اس میں اس کے لئے نہ دیت ہے اور نہ قصاص۔ اور یہ بھی مسئلہ کہ مدافعت کرنے والا اگر اس میں قتل ہوجائے تو وہ شہید ہے۔ (عمدۃ القاری) اور مرقات میں ہے اکثر علماء یہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی آدمی کے مال یا جان کو فوت کرنے یا اس کے بیوی بچوں کو ضرر پہنچانے کا ارادہ کیا گیا ہو تو اس آدمی کو اجازت ہے کہ اس ارادہ کرنے والے کو اچھے طریقے سے اس کی مدافعت کرے اگر وہ بغیر لڑائی کے باز نہ آئے اور اس وقت اس کو قتل کردے تو اس پر کوئی چیز واجب نہیں۔

درمختار میں ہے جو آدمی کسی کے محارم پر زیادتی کرے تو ایسے آدمی کو قتل کرنے کی اس کو اجازت ہے۔ اور اگر وہ ایسی صورت میں اپنے لئے گواہ نہ پائے تو دنیا کے احکام میں تو اس سے قصاص لیا جائے گا اور آخرت کے احکام اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

اور اسی کتاب میں ایک دوسرے مقام پر ہے کہ کوئی غیر آدمی کسی کے پاس رات میں داخل ہو اور اس کے گھر سے مال چرا کر لے جارہا ہے اور مالک مکان اس کا پیچھا کرکے مار ڈالے تو ایسی صورت میں اس پر کوئی چیز واجب نہیں۔ کیونکہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

71/4576۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے: انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو اپنے مال کی حفاظت میں قتل کیا جائے تو وہ شہید ہے (بخاری، مسلم)

72/4577۔ سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی اپنے دین کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کیا جائے تو وہ شہید ہے۔ اور جو اپنے خون (جان) کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کیا جائے وہ بھی شہید ہے اور جو اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کیا جائے وہ بھی شہید ہے 5 اور جو کوئی اپنے گھر والوں کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کیا جائے وہ بھی شہید ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

کا ارشاد پاک ہے ''قاتل دون مالک'' اپنے مال کی حفاظت کے لئے تم لڑ سکتے ہو۔

اور اگر وہ مال لینے کے ارادہ سے آیا اور اس کو قتل کرنے کے سوا دفع کرنے کی کوئی صورت نہ ہو اور وہ اس کو مال لینے سے پہلے ہی قتل کر دے تو بھی اس کا یہی حکم ہے۔ ''صدرالشریعۃ''۔

5 قولہ ومن قتل دون مالہ فھو شہید (اور جو اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے تو وہ شہید ہے) در مختار میں ہے کہ اپنے مال کی حفاظت میں قتال کرنا جائز ہے اگر چہ کہ مال نصاب سے کم ہو اور اسی طرح لڑنے والے کو قتل کر دینا بھی جائز ہے کیونکہ حدیث شریف ''من قتل دون مالہ فھو شہید'' (جو اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کیا جائے وہ شہید ہے) مطلق ہے۔ (فتح القدیر)

73/4578۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر کوئی تمہارے گھر میں جھانکے اور تم نے اسے اجازت نہیں دی ہے اور پھر اگر تم کنکر مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دو 6 تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔ (بخاری و مسلم)

امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک یہ حدیث شریف اس بات پر محمول ہے کہ کوئی آدمی کسی کے گھر کے دروازے میں سے دیکھے اور وہ اس کی آنکھ پھوڑ دے تو اس پر کوئی تاوان نہیں دے گا بشرطیکہ بغیر آنکھ پھوڑے اس کو ہٹانا ممکن نہ ہو اور اگر آنکھ پھوڑے بغیر اس کو ہٹانا ممکن ہو تو تاوان دینا پڑے گا

---

6 **قولہ ففقأت عینہ ماکان علیک من جناح** (پس تم اس کی آنکھ کو پھوڑ دو تو تم پر کوئی حرج نہیں) کتاب "القنیۃ" میں ہے کہ جو کوئی کسی آدمی کے گھر کے دروازہ میں نظر ڈالے اور وہ آدمی اس کی آنکھ کو پھوڑ دے تو اس پر کوئی ضمان نہیں ہے جب کہ بغیر آنکھ پھوڑے کے اس کو دفع کرنا ممکن نہیں تھا اور اگر بغیر آنکھ پھوڑے اس کو دفع کرنا ممکن ہو تو ضمان ہوگا۔

امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں دونوں صورتوں میں بھی ضامن نہیں ہوگا اور اگر اپنا سر اندر داخل کیا (گھر والے نے) اس کو پتھر سے مار کر سر پھوڑ دیا تو بالاتفاق اس پر ضمان نہیں ہے۔ اختلاف صرف گھر کے باہر سے دیکھنے والے کے بارے میں ہے۔ (در مختار)

اور ردالمختار میں اور معراج الدرایۃ میں ہے: جو آدمی کسی انسان کے گھر میں دیکھے گھر کے سوراخ یا دروازے کے شگاف یا اس جیسی چیز سے دیکھے تو گھر کا مالک اس کو لکڑی سے چبھو کر یا کنکر پھینک کر اس کی آنکھ پھوڑ دے تو ہمارے پاس وہ اس کا تاوان دے گا۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ضمان نہیں دے گا، ان کی دلیل سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرمائے اگر کوئی آدمی بغیر اجازت کے تم پر جھانکے تو تم اس کو کنکر سے مار کر آنکھ پھوڑ دو تو تم پر کوئی حرج نہیں۔ اور ہماری دلیل حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم

74/4579۔ سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان میں دروازے کے سوراخ سے جھانکا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مدریٰ (کنگھی جس سے سلائی جڑی ہوتی ہے) تھی جس سے آپ ﷺ اپنا سر مبارک کھجا رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر میں جانتا کہ تو مجھے دیکھ رہا ہے تو میں یہ مدریٰ تیری آنکھ میں گھونپ دیتا۔ اور فرمایا: اجازت حاصل کرنا نگاہ کی حفاظت کے لئے ہے۔ (بخاری، مسلم)

ارشادگرامی فی العین نصف الدیة (آنکھ میں نصف دیت ہے) اور یہ عام ہے اور اس لئے کہ محض کسی کی طرف دیکھنا اس کو نقصان پہنچانے کو جائز نہیں کرتا جیسا کہ کوئی آدمی کھلے ہوئے دروازے میں سے دیکھ لے اور جیسا کہ گھر میں چلے جائے اور دیکھ لے یا اس کی بیوی کی شرمگاہ کے علاوہ کسی حصہ کو مس کرے تو (اس کے جرم پر) اس کی آنکھ نکال دینا جائز نہیں ہے اور اس لئے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد لا یحل دم امرئی مسلم الا باحدی ثلاث النفس بالنفس و الثیب الزانی والمارق لدینہ التارک للجماعة ''(تین چیزوں میں کسی ایک چیز کے بغیر کسی مسلمان کا خون کرنا جائز نہیں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اس کی عصمت (جان کی سلامتی) کے ساقط نہ ہونے کا مقتضی ہے۔ اور حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو روایت ہے اس سے مقصود اس طرح کے عمل کو سختی سے روکنا ہے۔ انتہی

اور حضرت شمنی رحمتہ اللہ علیہ سے اسی طرح مروی ہے وقولہ کما لو دخل بیتہ الخ (جیسا کہ کسی کے گھر میں چلے جائے) یہ اس قول کے مخالف ہے جس کو صاحب درمختار نے ذکر کیا ہے مگر یہ کہ ان کی ذکر کردہ صورت کو محمول کیا جائے ایسی صورت پر جس کے بغیر اس کو دفع کرنا ممکن ہو۔ اور یہاں جو مسئلہ ہے وہ اس صورت میں ہے جب کہ اس کو دفع کرنا اس کے بغیر بھی ممکن ہے''فلیتامل '' اس کو غور سے سمجھو واللہ تعالی اعلم۔

75/4580۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اجازت لینے سے پہلے کسی کے گھر میں پردہ ہٹا کر اپنی نگاہ ڈالی اور اس گھر والوں کی ستر کو دیکھے تو وہ ایسے جرم کا مرتکب ہوا جسکا کرنا اس کے لئے جائز نہیں تھا۔ اور جس وقت اس نے نگاہ ڈالی اگر اس وقت کوئی آدمی اس کے سامنے آ کر اس کی آنکھ پھوڑ دے تو آنکھ پھوڑنے والے کو میں سرزنش نہیں کرونگا۔ ہاں اگر کوئی مرد کسی ایسے دروازے پر سے گذرے جس پر نہ کوئی پردہ پڑا ہوا ہو اور نہ بند ہے اور اس کی نظر گھر کے اندر کے آدمیوں پر پڑ جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ بلکہ گناہ تو گھر والوں پر ہوگا۔ (ترمذی)

76/4581۔ سیدنا عبداللہ مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ پتھر پھینک کر مار رہا ہے تو انہوں نے کہا کہ مت پھینکو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پتھر پھینک کر مارنے سے منع کیا اور فرمایا ہے کہ اس سے نہ کوئی شکار کیا جاسکتا ہے اور نہ کسی دشمن کو مارا جا سکتا ہے البتہ وہ کبھی دانتوں کو توڑ دیتا ہے اور آنکھوں کو پھوڑ دیتا ہے۔

(بخاری ومسلم)

77/4582۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی ہماری مسجد یا ہمارے بازار میں گذرے اور اس کے پاس تیر ہوں۔ تو اس کی نوک کو پکڑ رکھے۔ ایسا نہ ہو کہ کسی مسلمان کو اس سے کچھ نقصان پہنچے۔ (متفق علیہ)

78/4583۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی پر ہتھیار سے اشارہ نہ کرے، کیا خبر کہ شاید شیطان اس کے ہاتھ سے کھینچ لے، تو یہ دوزخ کے گڑھے میں گر جائے۔ (متفق علیہ)

79/4584۔ اور انہیں سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنے بھائی کو کسی لوہے کی چیز سے اشارہ کرے تو فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اسے (ہاتھ میں سے) رکھ دے اگرچیکہ وہ اس کا حقیقی بھائی ہو۔ (بخاری)

80/4585۔ حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنھم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں جس نے ہم پر ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (متفق علیہ) اور امام مسلم نے یہ زیادہ کیا کہ "جو ہم کو دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں ہے"۔

81/4586۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ہم پر تلوار سونت لے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (مسلم)

82/4587۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنھما حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جہنم کے سات دروازے ہیں، ان میں سے ایک دروازہ ان کے لئے ہے جو میری امت پر تلوار اٹھائے یا آپ ﷺ نے فرمایا "محمد (ﷺ) کی امت پر" (امام ترمذیؒ نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے)

83/4588۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے نیام تلوار لینے دینے سے منع فرمایا۔ (ترمذی وابوداؤد)

84/4589۔ حضرت حسنؒ نے حضرت سمرۃ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو انگلیوں کے درمیان تسمہ کاٹنے سے منع فرمایا۔ 7 (ابوداؤد)

---

7 قولہ نھی ان یقد السیر بین اصبعین (آپ ﷺ نے تسمہ کو دو انگلیوں کے درمیان رکھ کر کاٹنے سے منع فرمایا) تسمہ کٹنے کے بعد چاقو پھسل کر یعنی دونوں انگلیوں کا درمیانی حصہ نہ کٹ جائے۔ ابن ملک نے فرمایا کہ ان دونوں حدیثوں میں جو منع وارد ہے وہ تنزیہی اور شفقت کے طور پر ہے۔ (مرقات)

85/4590۔ حضرت ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہشام بن حکیم، ملک شام میں چند کسانوں رے پاس سے گذرے جنھیں دھوپ میں کھڑا کیا گیا تھا، اوران کے سروں پر تیل ڈالا گیا تھا۔ انھوں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ کہا گیا کہ ان لوگوں کو خراج کے بارے میں سزا دی جارہی ہے۔ تو ہشام نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالی ان لوگوں کو سزا دے گا جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں۔ (مسلم)

86/4591۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمہاری عمر دراز ہو تو قریب ہے کہ تم ایسی قوم دیکھو گے جن کے ہاتھوں میں گائے کی دم جیسی کوئی چیز ہوگی۔ وہ صبح کرینگے اللہ کے غضب میں اور شام کریں گے اللہ کی ناراضگی میں۔

87/4592۔ ایک اور روایت میں ہے کہ وہ شام کرینگے اللہ کی لعنت میں۔ (مسلم)

88/4593۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ و نے فرمایا کہ دوزخیوں کی دو قسمیں ہیں (ان جیسی) میں نے نہیں دیکھا، ایک وہ قوم جن کے ساتھ گائے کی دم طرح کوڑے ہونگے جن سے وہ لوگوں کو مارینگے، اور دوسری وہ عورتیں جو لباس پہن کر بھی ننگی ہونگی، مائل کرنے والی، مائل ہونے والی، جن کے سرموٹی اونٹنیوں کے کوہان کی طرح ہلتے ہونگے، وہ نہ جنت میں جائیں گی اور نہ اس کی خوشبو پائیں گی حالانکہ اس کی خوشبو اتنی اتنی مسافت سے محسوس کی جاتی ہے۔ (مسلم)

89/4594۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں کوئی کسی کو مارے تو چہرے پر مارنے سے بچے کیونکہ اللہ تعالی نے آدم علیہ السلام کو اس کی صورت پر پیدا فرمایا ہے۔ (بخاری و مسلم)

(3/167) باب القسامة

قسامت (قسم کھانا) کا بیان 1

90/4595۔ حارث بن ازمع رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: ایک آدمی قبیلہ وادعہ اور ایک دوسرے قبیلہ کے درمیان مارا گیا۔ اور لاش وادعہ

1۔ قولہ: القسامة قاف (ق) کے زبر سے ہے۔ قسامہ سے مراد وہ قسمیں ہیں جو اس محلہ والوں سے لی جاتی ہیں جس محلہ میں مقتول پایا گیا ہو۔ یہ ہمارے پاس ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے پاس وہ قسمیں ہیں جو قاتل کا علم نہ ہونے کی وجہ سے مقتول کے ان اولیاء سے لی جاتی ہیں جو اس کے خون کے دعویدار ہیں۔

قسامہ کا سبب: محلہ یا قائم مقام محلہ میں مقتول کا پایا جانا۔

قسامہ کا رکن: ان کا یہ کہنا ہے ''باللہ ما قتلناہ و لا علمنالہ قاتلا'' اللہ کی قسم ہم نہ اس کو قتل کئے ہیں اور نہ ہم کو اس کے قاتل کا کوئی علم ہے۔

قسامہ کی شرط: قسم کھانے والے کا مرد، آزاد اور عاقل ہونا۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: قتل خطا کے قسامہ میں عورتیں شامل ہوں گی جب قتل عمد کے قسامہ میں شامل نہیں ہونگی۔

قسامہ کا حکم: قسم کھانے کے بعد دیت کے وجوب کا فیصلہ کرنا خواہ دعویٰ قتل عمد کا ہو یا قتل خطاء کا قسامہ کی حدیث شریعت کے اصول میں سے ایک اصل اور دین کے احکام میں سے ایک اہم ضابطہ قانون ہے۔ اور بندوں کے مصالح کا ایک اہم رکن ہے۔ صحابہ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین اور تمام اہل علم نے اسی کو اختیار کیا ہے اگرچہ اس حدیث سے استدلال کے طریقے میں قدرے اختلاف ہے۔

سے قریب تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وادعہ سے فرمائے تم میں سے پچاس آدمی اللہ کی قسم کھائیں کہ ہم قتل نہیں کئے اور ہم قاتل کو بھی نہیں جانتے پھر تم کو دیت دینا ہوگا۔ تو آپ سے حارث نے کہا ہم قسم کھائیں اور جرمانہ (دیت) بھی دیں۔ تو آپ نے فرمایا ہاں۔ (طحاوی اور ابن ابی شیبہ عبدالرزاق اور بیہقی نے اس کے ہم معنی روایت کی ہے)

بعض قائلین نے اس امر میں اختلاف کیا کہ اگر قتل عمد ہو تو اس سے قصاص واجب ہوگا یا نہیں۔ اہل علم کی اور ایک جماعت نے وجوب قصاص کا حکم فرمایا اور یہ قول امام مالک، امام احمد، امام اسحاق کا اور امام شافعی رحمہم اللہ کا قول قدیم ہے۔ فقہاء کوفہ اور امام شافعی کے قول راجح کے مطابق قصاص واجب نہیں ہوگا بلکہ دیت واجب ہوگی۔

قسامہ کے بارے میں اختلاف ہے کہ قسم کون کھائے گا۔ امام مالک، امام شافعی اور جمہور نے فرمایا ورثہ قسم کھائیں گے اور ان کے قسم کھانے کی وجہ سے حق واجب ہو جائے گا۔ امام اعظمؒ کے اصحاب نے فرمایا پچاس اہلیان شہر سے قسم لی جائے گی اور ولی ان میں سے پچاس کا انتخاب کرے گا۔ وہ قسم کھائیں گے کہ اللہ تعالی کی قسم ہم نے اس کو قتل نہیں کیا اور ہم اس کے قاتل کو بھی نہیں جانتے۔ جب وہ قسم کھالیں تو ان پر اور اہل محلہ اور ان کے عاقلہ پر دیت کا فیصلہ کیا جائے گا۔ (مرقات)

2؎ قولہ فقال عمر لوادعة یحلف خمسون رجلا الخ (حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے وادعہ کے لوگوں سے فرمایا: تم میں سے پچاس آدمی اللہ کی قسم کھائیں) یعنی ہمارے پاس مقتول کا ولی قسم نہیں کھائے گا اگرچیکہ شائبہ رکھتا ہو۔ اور حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر وہاں کوئی شائبہ ہے تو مقتول کے اولیاء سے پچاس قسمیں لی جائیں گی خواہ دعوی قتل عمد کا ہو یا قتل خطاء کا اور مدعی علیہ پر دیت کا فیصلہ کیا جائے گا۔ یہی قول صحیح ہے اور ان کے قول قدیم میں ہے کہ جب وہ قسم کھائے کہ انہوں نے عمداً قتل کیا ہے تو اس کا قصاص لیا

جائے گا۔ امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ تعالی کا یہی قول ہے۔ اور اگر مقتول کے اولیاء قسم کھانے سے انکار کریں تو اہل محلہ سے قسم لی جائے گی اگر وہ قسم کھالیں تو بری ہو جائیں گے اور اگر وہ قسم کھانے سے انکار کریں تو ان پر دیت کا فیصلہ دیا جائے گا۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف دو موقعوں پر ہے

1۔ ہمارے پاس مدعی قسم نہیں کھائے گا بر خلاف ان کے۔

2۔ اہل محلہ کا، قسم کے ذریعہ سے بری ہونے کے مسئلہ میں

لوث سے مراد ایسا قرینہ حالیہ ہے جس سے دل میں مدعی کا سچا ہونا معلوم ہوتا ہے اس طور پر وہاں کسی خاص معین آدمی پر قتل کی علامت ہو یا کوئی واضح بات ہو جو مدعی کے حق میں کھلی دشمنی کے پائے جانے کی گواہی دے یا کسی عادل آدمی کی گواہی یا غیر عادل لوگوں کی ایک جماعت کی گواہی اس بات پر ہو کہ اس محلہ والوں نے اس کو قتل کیا ہے۔ لوث، (شائبہ) کی شرط اس لئے ہے کہ اگر کسی قسم کا شائبہ نہ ہو تو ان کا مذہب ہمارے ہی مذہب کی طرح ہے۔

ہمارے دلائل میں وہ احادیث شریفہ ہیں جن کا ذکر متن میں آیا ہے۔ و نیز ہماری دلیل حضور علیہ والہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے "اگر لوگوں کو ان کے دعوی کی بناء پر فیصلہ دے دیا جائے تو کتنے لوگ کتنے ایک لوگوں کے جان اور مال کا دعوی کریں گے۔ لیکن مدعی علیہ پر قسم ہے"۔ اس حدیث شریف میں آپ ﷺ نے جان و مال کے مقدمات میں یکسانیت رکھی ہے اور ان دونوں میں ایک ہی طریقہ سے فیصلہ فرمایا۔

ہوسکتا ہے کوئی یہ کہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہمارے موافق ہیں کیونکہ آپ نے جاہلیت کے دور میں ابوطالب کے قسامہ کی حدیث لائی ہے اور ان کی قسامت ہمارے قسامت کے موافق ہے۔ اور شاید امام بخاری اس بات کا اشارہ دینا چاہتے ہیں کہ یہ قسامت اسی طرح برقرار ہے جس طرح وہ جاہلیت کے دور میں تھی۔ اور اس طرح کا واقعہ حضور علیہ وال الصلاۃ والسلام کے زمانہ میں ایک ہی ہوا ہے۔ لیکن اس بیان میں اختلاف ہے۔ (ماخوذ از شروح کنز، العرف الشذی)۔ اس کی مزید تفصیل ہے جو اس کو جاننا چاہتا ہے وہ بذل المجھود اور شرح معانی الآثار دیکھے۔ (باب القسامۃ) ختم شدہ

91/4596۔ اور امام بیہقی کی ایک روایت میں سلیمان بن یسار سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے قسامت میں مدعی علیہم کی قسموں سے آغاز کیا۔

92/4597۔ امام طحاوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ علیہم الرضوان کی جماعت کی موجودگی میں اس کا فیصلہ فرمائے ان میں سے کسی نے بھی انکار نہیں کیا پس یہ اجماع ہوگیا۔

93/4598۔ اور ابن ابی شیبہ امام زہری سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قسامت میں مدعی علیہ پر قسم کا فیصلہ فرمائے۔

94/4599۔ بزار کی روایت میں ہے جو ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ انصار آئے اور عرض کئے ہمارے ساتھی خون میں لت پت ہوگئے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا یہ لوگ ان کے قاتل کو جانتے ہیں تو انہوں نے کہا نہیں جانتے سوائے اس کے کہ یہود نے ان کو قتل کیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائے کہ ان میں سے پچاس آدمیوں کا انتخاب کرو پس وہ اللہ تعالی کی مضبوط قسم کھائینگے پھر تم ان سے دیت لو چنانچہ وہ (ایسا ہی) کئے۔

95/4600۔ اس کی تائید مسلم شریف کی حدیث سے ہوتی ہے جو ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھما سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر لوگوں کو ان کے دعوی کے مطابق فیصلہ دے دیا جائے تو لوگ کتنے ایک لوگوں کے جان و مال کا دعوی کرینگے لیکن قسم مدعی علیہ پر ہے۔

باب

(4/168) اهل الردة 1 والسعاة بالفساد

(مرتدین اور فساد کے لئے کوشاں رہنے والوں کا بیان)

اللہ بزرگ و برتر کا فرمان ہے وما كان الله ليضل قوما بعد اذهداهم حتى يبين لهم مايتقون ٥

ترجمہ: اللہ تعالی کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ کردے 2 تاکہ ان کے لئے ان چیزوں کو بیان کردے جن سے ان کو بچنا ہے۔ (سورۃ توبہ آیت 115)

---

1 قولہ اهل الردة اهل ردت سے مراد مرتد ہیں خواہ مرد ہوں کہ عورت۔ مرتد کے لغوی معنی پلٹ جانے والا ہے اور شرعی معنی دین اسلام سے پلٹ جانے والا ہے۔

ردت کا رکن:۔ ایمان لانے کے بعد زبان پر کلمہ کفر لانا ہے۔

ثبوتِ ارتداد کے لئے شرط:۔ عقل، ہوش وحواس، رضا ورغبت ہے۔ مجنون، مدہوش، جس کی عقل میں فتور ہو، نا سمجھ بچہ اور جو نشے میں ہو اور وہ جس کو ارتداد پر مجبور کیا گیا ہو، ایسے تمام لوگوں کے ارتداد کا لحاظ نہیں۔ بالغ ہونا یا مرد ہونا ثبوتِ ارتداد کے شرائط میں نہیں ہے۔

2 قولہ وما كان الله ليضل الخ اس آیت کریمہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ لوگوں پر دلائل قائم کرنے اور ان کے دلائل کے باطل ہونے کو واضح کرنے کے بعد ہی ان کو قتل کرنا واجب ہوتا ہے۔ یہ آیت کریمہ اس کی دلیل ہے کیونکہ یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تبارک وتعالی اپنے بندوں کا اس وقت تک مؤاخذہ نہیں کرتا جب تک وہ ان کو وہ سب کچھ نہ بتادے جو ان کو کرنا ہے اور جو ان کو چھوڑنا ہے۔ (عمدۃ القاری)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے تمتعوا فی دارکم ثلاثة ایام۔
ترجمہ: تم اپنے گھروں میں تین دن (تک) فائدہ اٹھالو۔ (سورہ ہود 65)
اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے انما جزاء الذین یحاربون الله ورسوله ویسعون فی الارض فساداً ان یقتلوا اویصلبوا اوتقطع ایدیهم وارجلهم من خلاف اوینفوا من الارض ذلک لهم خزی فی الدنیا ولهم فی الاخرة عذاب عظیمo الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیهم فاعلموا ان الله غفور رحیمo (سورہ مائدہ 5/33۔34)

اس کے سوانہیں کہ جولوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد کے لئے دوڑتے پھرتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ وہ قتل کئے جائیں یا سولی پر چڑھا دیئے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیئے جائیں یا وہ جلاوطن کئے جائیں یہ تو ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لئے بڑا عذاب ہے مگر جولوگ تمہارے قابو میں آنے سے پہلے توبہ کرلیں (تو ان سے تعرض نہ کرو) اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ خوب بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔ (5 مائدہ آیت 34,33)

96/4601۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس چند بے دین (مرتد) لائے گئے تو آپ نے ان کو جلا دیا یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو معلوم ہوئی تو انہوں نے کہا اگر میں ہوتا تو ان کو نہیں جلاتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منع فرمانے پر کہ تم اللہ کے عذاب (کی طرح) سے عذاب مت دو، میں ضرور ان کو قتل کر دیتا اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو آدمی اپنا دین [3] بدل دے تم اس کو قتل کردو۔ (بخاری)

---

[3] قوله: من بدل دينه فاقتلوه۔ ہمارے پاس یہ حدیث شریف اس بات پر محمول

ہے کہ اگر وہ مہلت طلب نہ کرے تو فوری قتل کردیا جائے گا جیسا کہ ظاہر روایت میں ہے۔ اور اگر اس پر اسلام پیش کرنے کے بعد غور و فکر کے لئے مہلت طلب کرے تو تین دن اس کو قید کیا جائے گا۔ اگر اس مدت میں توبہ کرلے تو ٹھیک ہے ورنہ قتل کردیا جائے گا۔ (وقایہ) اور قدوری میں بھی ہے کہ اس جیسے معاملہ میں احادیث مشہورہ کی بناء پر اس کو تین دن کی مہلت دینا ضروری ہے اور مبسوط میں بھی اس کے وجوب کا حکم ہے۔ صاحب مبسوط نے کہا کہ اگر وہ مہلت مانگتا ہے تو تین دن کی مہلت دی جائے گی کیونکہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس (مرتد) کو کسی قسم کا شبہ پیدا ہوگیا ہے۔ لہٰذا اس کے شبہ کو دور کرنا ہم پر ضروری ہے یا وہ حق معلوم کرنے کے لئے غور و فکر کی ضرورت محسوس کرتا ہے تو ایسی صورت میں بھی مہلت دینا ضروری ہے اور جب وہ مہلت طلب کرے تو امام کے ذمہ ہے کہ اس کو مہلت دے۔ اور شریعت نے غور و فکر کے لئے تین دن کی مدت مقرر کی ہے۔ جیسا کہ خیار شرط کے مسئلہ میں ہے۔ پھر انہوں نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس باب میں مذکور حدیث شریف جس سے مہلت دینا واجب معلوم ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ممکن ہے اس نے مہلت طلب کی ہو۔ نیز سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اظہار براءت کرنا بھی مہلت کے وجوب کا متقاضی ہے۔

اور حضرت امام شافعیؒ کے دو اقوال میں صحیح قول یہ ہے کہ اگر وہ فی الحال توبہ کرے تو ٹھیک ہے ورنہ حضرت معاذؓ کی حدیث کی بناء پر اس کو قتل کردیا جائے اور کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "من بدل دینه فاقتلوه" میں مہلت دینے کی کوئی قید نہیں ہے۔ ابن منذر نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ اس کا جواب ابھی گزر چکا ہے۔ (ماخوذ از عمدۃ الرعایۃ، مبسوط، وقایہ، فتح القدیر)

کتاب رحمت الامۃ میں مذکور بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ کرام اس بات پر متفق ہیں کہ جو آدمی اسلام سے مرتد ہوجائے تو اس کو قتل کردینا واجب ہے۔ البتہ اختلاف اس امر میں ہے

کہ کیا اس کو فوری قتل کرنا ضروری ہے یا اس کو توبہ کے لئے کہا جائے گا، پھر کیا توبہ کا موقعہ دینا واجب ہے یا مستحب ہے اور اگر اس کے باوجود وہ توبہ نہ کرے تو اس کو مہلت دی جائے گی یا نہیں۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کو توبہ کا موقعہ دینا واجب نہیں ہے فوری قتل کیا جائے گا۔ البتہ وہ خود مہلت طلب کرے تو اس کو تین دن کی مہلت دی جائے گی۔ اور امام اعظمؒ کے بعض اصحاب کا قول ہے کہ اگرچیکہ وہ مہلت طلب نہ کرے مگر مہلت دینا مستحب ہے۔

اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس کو توبہ کے لئے کہنے کے وجوب کے بارے میں دو قول ہیں۔ راجح قول کے مطابق اس کو توبہ کرنے کے لئے کہنا واجب ہے اور مہلت دینے سے متعلق دو قول ہیں۔ قول راجح یہ ہے کہ اس کو اگرچیکہ وہ مہلت طلب کرے مہلت نہیں دی جائے گی اگر وہ ارتداد پر اصرار کرے تو فوری قتل کردیا جائے گا۔ اور فتح القدیر میں ہے کہ ایام مہلت جو تین دن مقرر کئے گئے ہیں اس لئے کہ یہ مدت عذر کو قبول کرنے کے لئے مقرر کی گئی ہے۔ کیونکہ حبان بن منقذ کی حدیث میں ہے کہ غور وفکر کرنے کے لئے خیار کی مدت تین دن مقرر کی گئی ہے تاکہ وہ دھوکہ نہ کھا جائے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عبد صالح (حضرت خضر علیہ السلام) کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا تھا اس میں یہ ہے کہ اگر میں آپ سے اس کے بعد پوچھوں تو آپ مجھے اپنے ساتھ مت رکھئے ان سالتک عن شیئی بعدھا فلا تصاحبنی الی قولہ قد بلغت من لدنی عذرا یہ تیسرا موقعہ تھا۔ اور تعلیق المجد میں ہے یہ تحدید اللہ تعالی کے اس فرمان سے ہے تمتعوا فی دارکم ثلاثۃ ایام (سورہ ہود 65) تم اپنے گھر میں تین دن تک فائدہ اٹھالو۔

97/4602 ۔ امام مالکؒ، حضرت عبدالرحمٰن بن محمد بن عبداللہ بن عبد قاری سے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک صاحب حاضر ہوئے پس آپ نے ان سے لوگوں کی بابت دریافت کیا تو انہوں نے آپ کو بتلایا پھر ان سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کیا تمہارے پاس مغربیۃ کے متعلق کچھ خبر ہے تو انہوں نے عرض کیا جی ہاں وہ ایک ایسا آدمی ہے جو اسلام لانے کے بعد کافر ہو گیا تھا۔ آپ نے فرمایا پھر تم نے اس کے ساتھ کیا کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے اس کو قریب کیا پھر اس کی گردن اڑا دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا تم نے اس کو تین دن تک قید کیوں نہیں کیا اور ہر دن اس کو ایک روٹی کھلاتے اور اس سے توبہ کرنے کے لئے کہتے شاید کہ وہ توبہ کر لیتا اور اللہ تعالی کے حکم کی طرف لوٹ آتا۔ پھر حضرت عمرؓ نے کہا اے اللہ میں نہ اس وقت موجود تھا، اور نہ میں نے اس کا حکم دیا اور وہ بات جب مجھے پہنچی تو میں اس سے راضی بھی نہیں ہوا۔ (مالک)

98/4603 ۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن کی طرف روانہ کیا تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا۔ کہ جو کوئی آدمی اسلام سے برگشتہ ہو جائے تو تم اس کو اسلام کی دعوت دو پس اگر وہ توبہ کرلے تو اس کی توبہ قبول کرلو۔ اور اگر وہ توبہ نہ کرے تو اس کی گردن ماردو اور جو کوئی عورت اسلام سے برگشتہ ہو جائے تو اس کو دعوت دو اور اگر وہ توبہ کرلے تو اس کی توبہ قبول کرلو اور اگر وہ انکار 4 کرے تو اس کا سر مونڈھ دو۔ (معجم طبرانی بسند حسن)

---

4 قولہ و ان ابت فاستبتھا (اور اگر وہ انکار کرے تو اس کا سر مونڈھ دو) تمام ائمہ کرام کا اتفاق ہے کہ مرتد مرد کو قتل کیا جائے جب کہ وہ اسلام کی طرف نہ لوٹے اور کفر ہی پر جما رہے۔ اور مرتدہ عورت کے قتل کے بارے میں اختلاف ہے امام شافعی رحمۃ اللہ نے اس کو

99/4604۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو صدقہ کرنے پر ابھارتے اور مثلہ کرنے سے منع فرماتے تھے۔ 5(ابوداؤد، نسائی بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ)

مرتد مرد کی طرح قرار دیا اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا مرتدہ کو قتل نہ کیا جائے یعنی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "من بدل دینه فاقتلوه" (جو کوئی اپنا دین بدل ڈالے اس کو قتل کردو) کے عموم سے عورت مستثنیٰ ہے پس امام صاحب کے پاس عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ امام صاحب کی دلیل اس حدیث شریف کی عمومیت ہے "نهى عن قتل النساء والصبيان" آپ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا و نیز متن کی مذکورہ حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ (مأخوذ از مرقات، عمدۃ القاری، رحمۃ الامۃ)

5قوله وينهانا عن المثلة حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو مثلہ کرنے سے منع فرماتے تھے۔ درمختار میں ہے "ونهينا عن غدر و غلول و عن مثلة بعد الظفر بهم و اما قبله فلا بأس بها" اور ہم کو منع کیا گیا ہے دھوکہ دینے اور خیانت کرنے سے اور ان پر قابو پالینے کے بعد مثلہ کرنے سے بھی البتہ ان پر قابو پانے سے پہلے اس میں کوئی حرج نہیں۔

شامی نے کہا کہ امام زیلعیؒ نے فرمایا ہے یہ اچھا ہے اور اس کی نظیر آگ میں جلانا ہے اور فتح القدیر میں مثلہ کے جائز ہونے کو ان پر قابو پانے سے پہلے کے ساتھ مقید کیا گیا ہے جب کہ یہ صورتِ حال جنگ میں پیش آئے۔

جیسے کوئی مقابلہ میں لڑنے والا وار کر کے کان کاٹ دے پھر وار کر کے آنکھ پھوڑ دے پھر وار کر کے ہاتھ اور ناک کاٹ دے۔ (انتہی) اسی طرح "بذل المجھود" میں ہے اور مرقات میں ہے کہ حضرت ابن الملک نے فرمایا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا مثلہ سے منع فرمانے کے بعد قبیلہ عکل کے لوگوں سے جو کچھ آپ نے کیا ہے وہ یا تو اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے بھی چرواہوں کے ساتھ ویسا ہی کیا تھا۔ یا اس وجہ سے کہ ان کا جرم نہایت سنگین تھا۔ کیوں کہ وہ مرتد ہوگئے اور خونریزی کئے اور ڈاکہ زنی بھی کئے پھر اموال چھین لئے۔ اور امام کو اختیار ہے کہ وہ کسی سیاست و مصلحت کی بناء پر مختلف سزاؤں کو جمع کرسکتا ہے۔

100/4605۔ حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قبیلہ عکل کے چند لوگ آ کر اسلام لائے۔ مدینہ کی آب و ہوا ان کو ناموافق ہوئی تو آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ زکوۃ کے اونٹوں کے پاس جائیں، اوران کا پیشاب اور دودھ پئیں 6۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور صحت مند ہو کر مرتد ہوگئے اور اونٹوں کے چرواہوں کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو ہانک کر لے گئے۔ آپ ﷺ نے ان کو پکڑنے کے لئے ان کا پیچھا کروایا۔ پس ان کو لایا گیا۔ آپ ﷺ نے ان کے ہاتھ پیر کاٹے اوران کی آنکھوں میں سلائیاں پھیریں پھران کو داغ نہیں دیا گیا یہاں تک وہ مر گئے۔

101/4606۔ اور ایک روایت ہے کہ انہوں (صحابہؓ) نے ان کی آنکھوں میں گرم سلائی پھیری۔

102/4607۔ ایک روایت میں ہے سلائیاں لانے کا حکم فرمایا پس ان کو گرم کیا گیا، ان کی آنکھوں میں پھیرا اوران کو پتھریلی زمین میں ڈال دیا وہ پانی مانگتے رہے مگران کو پانی نہیں دیا گیا یہاں تک کہ وہ مر گئے۔

6قولہ فیشر بوا من ابوالھا و البانھا پس وہ ان کے پیشاب اور دودھ پئیں حضرت ابن الملک نے فرمایا اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ مسافروں کے لئے صدقہ کے اونٹوں کا دودھ پینا جائز ہے اور بوقت ضرورت حرام شئے کے ذریعہ علاج بھی جائز ہے اور بعض علماء نے شراب کے ذریعہ علاج کو اسی پر قیاس کیا ہے مگر اکثر حضرات نے اس سے منع کیا ہے کیونکہ طبائع کا اس کی طرف میلان رہتا ہے برخلاف دیگر نجاستوں کے (کہ ان کی طرف طبائع کا میلان نہیں ہوتا) ہمارے ائمہ میں سے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے البتہ امام اعظم رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ نجس ہے اور نجس (ناپاک) سے علاج کرنا جائز نہیں ہے۔

امام محمد اور شافعی رحمہما اللہ کے قول کے مطابق ماکول اللحم (جن جانوروں کا گوشت کھایا جاسکتا ہے جیسے اونٹ، گائے، بکری وغیرہ ان کا پیشاب پاک ہے۔

امام بیہقی نے کتاب معرفت میں فرمایا اس حدیث کو منسوخ ہونے پر محمول کیا جائے گا جیسا کہ ابن سیرین اور قتادہ سے مروی ہے اور یہی بات حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، یا اس حدیث کو محمول کیا جائے گا 7 اس بات پر کہ آپ نے ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو انہوں نے چرواہوں کے ساتھ کیا تھا۔

103/4608۔ اور امام حاکم کی ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ایک نیک صحابی کی تدفین سے فارغ ہوئے انہیں عذاب قبر میں مبتلا پایا۔ آپ ﷺ ان کی اہلیہ کے پاس تشریف لائے اور ان کے اعمال کے بارے میں دریافت فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ وہ بکریاں چرایا کرتے تھے اور ان کے پیشاب سے احتیاط نہیں کرتے تھے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر ارشاد فرمایا پیشاب سے بچتے رہو کیونکہ اس سے اکثر عذاب قبر ہوتا ہے۔ امام حاکم نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے اور تمام محدثین اس کی صحت پر متفق ہیں۔

دیگر حضرات نے اس حدیث شریف کے بارے میں فرمایا کہ یہ منسوخ ہے۔ (ماخوذ از مرقات، عمدۃ الرعایہ)

اور نور الانوار میں ہے کہ حاکم کی حدیث میں عرینین کی حدیث کے منسوخ ہونے کی دلیل ہے۔ اس طرح سے کہ عرینین کی حدیث میں مثلہ کا جو ذکر آیا ہے وہ بالاتفاق حاکم کی حدیث سے منسوخ ہے کیونکہ مثلہ ابتداء اسلام کا واقعہ ہے۔

7 قولہ اویحمل علی انہ فعل بھم مافعلوا بالرعاء (آپ ﷺ نے ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو انہوں نے چرواہوں کے ساتھ کیا تھا) یہ مثلہ نہیں ہے اس لئے کہ مثلہ وہ ہے جو ابتداء ہو اور وہ کسی کے بدلہ میں نہ ہو۔ (عمدۃ الرعایہ)

104/4609 ۔ حضرت عبدالرحمن بن عبداللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے آپ ﷺ ضرورت کے لئے تشریف لے گئے۔ ہم نے ایک سرخ رنگ کا پرندہ دیکھا جس کے ساتھ دو بچے تھے۔ ہم نے اس کے دونوں بچوں کو پکڑ لیا تو وہ پھڑ پھڑانے لگا۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کس نے اس کے بچوں سے اس کو تکلیف پہنچائی۔ تم اس کو اس کے بچے واپس کردو 8 اور آپ ﷺ نے چیونٹیوں کا گھر دیکھا جس کو ہم نے جلا دیا تھا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا اس کو کس نے جلایا ہے۔ ہم نے عرض کیا "ہم نے" آپ ﷺ نے فرمایا آگ سے عذاب دینا کسی کے لئے سزاوار نہیں سوائے آگ کے پروردگار کے۔ 9 (ابوداؤد)

---

8 ردوا ولدها الیها (تم اس کو اس کے بچے اس کو واپس کردو) یہ امر استحبابی ہے کیونکہ پرندوں کے بچے کا شکار جائز ہے (مرقات)

9 لاینبغی ان یعذب بالنار الارب النار ۔ (آگ سے عذاب دینا کسی کے لئے سزاوار نہیں سوائے آگ کے پروردگار کے) ہدایہ کتاب الکراہیہ میں ہے کسی آدمی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے غلام کے گلے میں لوہے کا ایسا طوق ڈالے جس کی وجہ سے وہ سر نہ ہلا سکے جیسا کہ ظالموں کی عادت ہے۔ یہ ممانعت اس لئے ہے کہ یہ دوزخیوں کی سزا ہے اور یہ مکروہ ہے۔ جس طرح آگ سے جلانا مکروہ ہے اسی طرح یہ بھی مکروہ ہے۔ صاحب ردالمحتار نے کتاب الجہاد میں قتال کی کیفیت کے تحت جو درمختار میں وحرقھم کے ضمن میں ہے جو بیان کیا ہے وہ یہ ہے۔

لیکن جلانا یا غرق کرنا اس کا جواز جیسا کہ شرح السیر میں ہے مقید ہے اسی صورت میں ہوگا کہ ان پر اس کے سوا کسی اور طریقہ سے بڑی مشقت اٹھائے بغیر قابو پانا ممکن نہ ہو۔ اگر ان پر قابو پا سکیں تو پھر یہ (جلانا ڈبونا) ناجائز ہے۔

105/4610 ۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا آگ سے سزا صرف اللہ ہی دیتا ہے۔ (بخاری)

106/4611 ۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہوں کہ آخر زمانے میں ایک قوم نکلے گی جو کم عمر اور عقل کے کھوٹے ہوں گے لوگوں کے اچھے کلام پیش کریں گے اور ایمان ان کے حلق سے آگے نہیں جائے گا جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ تم ان سے جہاں بھی ملو ان کو قتل کردو۔ 10 کیونکہ ان کے قتل میں، قتل کرنے والے کے لئے قیامت کے دن ثواب ہے۔ (متفق علیہ)

---

10 قولہ فاقتلوھم (ان کو قتل کردو) ۔ ان کو قتل کرنا ہمارے پاس اس لئے نہیں کہ مرتد ہوگئے ہیں بلکہ ان کی بغاوت کی وجہ سے ہے۔ امام کی اطاعت سے نکل جانے والوں کی تین (3) قسمیں ہیں۔

1۔ **قطاعِ طریق (ڈاکو)**: ان کا حکم آئندہ آئے گا۔

2۔ **بغاۃ (باغی لوگ)**: جیسا کہ فتح القدیر میں ہے یہ مسلمان قوم ہے امام عدل کے خلاف بغاوت کئے ہیں۔ لیکن وہ خوارج کی طرح مسلمانوں کا خون کرنا اور ان کی عورتوں کو قیدی بنانا جائز نہیں سمجھتے ہیں۔ مطلب یہ کہ یہ لوگ تاویل کرکے امام کے خلاف بغاوت کئے ہیں۔ ورنہ وہ قطاع طریق ہیں۔

3۔ **خوارج**: وہ ایک ایسی قوم ہے جن کو طاقت حاصل تھی اور امام کے خلاف یہ تاویل کرتے ہوئے بغاوت کی کہ وہ کفر و معصیت کے اعتبار سے باطل پر ہے۔ اور اپنی تاویل کے ذریعہ امام کے خلاف جنگ کرنا ضروری قرار دیتے ہیں۔ اور ہم (مسلمانوں) کے خون اور مال کو حلال سمجھتے ہیں اور ہماری عورتوں کو قیدی بنالیتے ہیں اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ علیہم

الرضوان کو کافر قرار دیتے ہیں اور یہاں وہ خوارج مراد ہیں جو سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ کے خلاف خروج کیے ہیں کیونکہ ان کے اور باغیوں کے درمیان مدار فرق یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے خون کو اوران کی عورتوں کو کافر قرار دے کر قیدی بنانا جائز سمجھتے ہیں۔ کیونکہ عورتوں کو بغیر کفر کئے کہ گرفتار نہیں کیا جاتا۔

خوارج کے تعین میں ویکفرون اصحاب نبینا صلی اللہ علیہ وسلم (اور وہ ہمارے نبی ﷺ کے اصحاب کو کافر قرار دیتے ہیں) یہ قول شرط نہیں ہے بلکہ یہ اُن خوارج کا بیان تھا جنہوں نے سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ کے خلاف بغاوت کی تھی ورنہ خوارج کے بارے میں صرف اتنی بات کافی ہے کہ جس امام کے خلاف وہ خروج کرتے ہیں اس کو کافر سمجھتے ہیں جیسا کہ ہمارے زمانہ میں عبدالوہاب کے متبعین کے بارے میں ہے جو نجد سے ظاہر ہوئے تھے۔ اور حرمین شریفین پر قبضہ کر لئے تھے اگرچیکہ وہ حنبلی مذہب کی طرف اپنی نسبت رکھتے ہیں لیکن ان کا اعتقاد ہے کہ وہی مسلمان ہیں اور جو ان کے اعتقاد کے خلاف ہیں وہ مشرک ہیں۔ اسی لئے وہ اہل سنت والجماعت کے قتل کو اوران کے علماء کے قتل کو جائز قرار دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ 1233 ھ میں اللہ تعالی نے ان کی قوت کو توڑ دیا اور ان کے شہروں کو اجاڑ دیا اور مسلمانوں کی فوجوں کو اُن پر ظفر مندی عطا فرمائی۔ (ردالمختار باب البغاوۃ)

فتح القدیر میں تحقیق سے لکھا ہے کہ ان کا حکم باتفاق فقہاء باغیوں کا حکم ہے اور خواہر زادہ نے ہمارے اصحاب سے جو نقل کیا ہے اس حدیث شریف میں دلیل ہے وہ " جنگ کا آغاز کرنے سے پہلے ہم آغاز کردیں گے۔ کیونکہ اگر فی الحقیقت ان کے جنگ کا انتظار کیا جائے تو بعض دفعہ مدافعت کرنا ممکن نہیں رہتا۔ اس حکم کا مدار ضرورتِ دفع شر پر ہے اور یہی اس کی دلیل ہے۔

107/4612 ۔ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عنقریب میری امت میں اختلاف اور تفرقہ ہوگا۔ اور چند لوگوں کی ایسی جماعت نکلے گی جو گفتگو تو بہت اچھی کرے گی مگر کام بُرے کرے گی۔ وہ قرآن پڑھیں گے لیکن وہ ان کے ہنسلی سے آگے نہیں بڑھے گا۔ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے پھر واپس نہیں آئینگے یہاں تک کہ تیر اپنے کمان میں واپس آجائے وہ بدترین مخلوق اور بدطینت ہیں۔

خوشخبری ہے ان حضرات کے لئے جوان کو قتل کریں اور ان کے لئے جن کو وہ لوگ قتل کریں۔ وہ کتاب اللہ کی طرف بلاتے ہوں حالانکہ وہ کسی چیز میں بھی ہم میں سے نہیں ہیں۔ جونکہ انکو قتل کرے گا تو وہ اللہ سے ان سب میں قریب تر رہے گا۔ (صحابہؓ نے) عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ان کی نشانی کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا سر منڈھانا ہے۔ (ابوداؤد)

امام قدوری نقل کئے ہیں کہ ان سے پہلے آغاز نہ کرے یہاں تک کہ وہ آغاز کریں فقہاء کے کلام سے مذہب اول ظاہر ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ فی الحقیقت جنگ کا آغاز نہ کریں تو قتال جائز نہیں اور جس کسی کو امام ان سے جنگ کے لئے طلب کرے اس کو قبول کرنا ضروری ہے کیونکہ جو امور معصیت نہیں ہیں ان میں امام کی اطاعت کرنا فرض ہے۔ پھر کس قدر ضروری ہو جاتی ہے امام کی اطاعت ان امور میں اگر وہ قدرت رکھتا ہے تو اس کی اطاعت ان پر واجب ہو جاتی ہے ورنہ قدرت نہ ہو تو ایسے وقت گھروں میں بیٹھے رہنا ضروری ہو جاتا ہے۔ ان واقعات کو جو جماعت صحابہ علیہم الرضوان سے مروی ہیں کہ وہ فتنوں کے زمانوں میں (گھروں میں) بیٹھ گئے تھے۔ اور بعض دفعہ ان میں سے بعض حضرات کو اس جنگ کے جائز ہونے میں تردد تھا۔ ان کو اسی پر محمول کیا جائے گا۔

108/4613۔ شریک بن شہابؒ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں تمنا کرتا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کسی صحابی سے میں ملاقات کروں اور خوارج کے بارے میں ان سے دریافت کروں پس ابو برزہؓ سے عید کے دن ان کے چند ساتھیوں کے ساتھ میری ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے کہا کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوارج کا ذکر کرتے سنا ہے تو انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کانوں سے سنا ہوں اور اپنی آنکھوں سے آپ ﷺ کو دیکھا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ مال لایا گیا تو آپ ﷺ نے اس کو تقسیم کیا اور سیدھے اور بائیں جانب جو اشخاص تھے ان کو عطاء فرمایا اور جو پیچھے تھے ان کو کچھ نہیں دیا۔ آپ ﷺ کے پیچھے سے ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا یا محمد (ﷺ) آپ نے تقسیم میں انصاف نہیں کیا۔ وہ کالا تھا اور اس کے بال کٹے ہوئے تھے۔ اس پر دو سفید کپڑے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت غصہ میں آکر فرمایا خدا کی قسم تم میرے سوا کسی کو مجھ سے زیادہ انصاف کرنے والا نہیں پاؤ گے۔ پھر فرمایا آخری زمانے میں ایک قوم نکلے گی یہ انہی میں سے ہے۔ وہ قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کی ہنسلی سے آگے نہیں جائے گا۔ وہ اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے باہر نکل جاتا ہے۔ ان کی نشانی سر منڈھانا ہے۔ وہ ہمیشہ نکلتے رہیں گے اور ان میں کا آخری مسیح دجال کے ساتھ نکلے گا۔ جب تم ان لوگوں سے ملو گے۔ تو ان کو بد اخلاق اور بدطینت پاؤ گے۔ (نسائی)

109/4614۔ حضرت ابوغالب سے روایت ہے کہ ابو امامہؓ نے دمشق کے راستہ میں چند سروں کو لٹکتے ہوئے دیکھا تو فرمایا (یہ) دوزخ کے کتے ہیں اور آسمان کے نیچے بدترین مقتول ہیں۔ اور بہترین مقتول وہ لوگ ہیں جن کو انہوں

نے نقل کیا ہے پھر یہ آیت تلاوت فرمائی یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ۔ جس دن چند چہرے روشن ہوں گے اور چند چہرے سیاہ ہوں گے (3 آل عمران 106)۔ابوامامہؓ سے پوچھا گیا کیا آپ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے۔انہوں نے کہا اگر میں آپ ﷺ سے ایک مرتبہ، دو مرتبہ، تین مرتبہ (یہاں تک کہ انہوں نے سات مرتبہ تک گنایا) نہ سنتا تو میں تم سے اس کو بیان نہ کرتا۔

(ترمذی، ابن ماجہ۔امام ترمذی نے اس کو حدیث حسن فرمایا)

110/4615۔حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی آدمی میری امت کے درمیان تفرقہ ڈالتے ہوئے نکلے تو تم اس کی گردن مار دو۔11 (نسائی)

111/4616۔حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت دو فرقوں میں بٹ جائے گی اور ان دونوں کے درمیان سے ایک جماعت مارقہ (دین سے نکل جانے والی) ظاہر ہوگی اور لوگوں میں جو سب سے زیادہ حق پرست ہوگا وہ ان کو قتل کرنے کا ذمہ لے گا۔(مسلم)

---

11 قولہ فاضر بوا عنقہ امام نووی نے فرمایا اس حدیث شریف میں اس بات کا حکم ہے کہ جو آدمی امام (خلیفہ) کے خلاف بغاوت کرے جب کہ وہ مسلمانوں کی جماعت میں پھوٹ ڈالنے کا ارادہ رکھتا ہو یا اس طرح کے کام کے لئے نکلا ہو تو اس سے جنگ کی جائے۔اور پہلے اس کو روکا جائے اس کے باوجود وہ باز نہ آئے تو اس سے جنگ کی جائے اور اس کو قتل کئے بغیر اس کا شر ختم نہ ہوتا ہو ایسی صورت میں اس کو قتل کر دیا جائے تو اس میں کوئی ہرجانہ نہیں ہے۔(مرقات)

112/4617۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا، تم میرے بعد کافروں کی طرح نہ ہو جاؤ کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔ (متفق علیہ)

113/4618۔ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب دو مسلمان آپس میں ملیں اور ان میں سے کوئی اپنے دوسرے بھائی پر ہتھیار اٹھائے تو وہ دونوں جہنم کے کنارے پر پہنچ جاتے ہیں اور جب ان میں سے کوئی اپنے دوسرے ساتھی کو قتل کرتا ہے وہ دونوں اس میں داخل ہو جاتے ہیں۔

114/4619۔ اور ان ہی سے روایت ہے کہ جب دو مسلمان اپنی تلواروں کے ساتھ ایک دوسرے سے مدبھیڑ کرتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں ہوتے ہیں۔ میں نے عرض کیا یہ تو قاتل ہے مگر مقتول کا کیا معاملہ ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیونکہ وہ اپنے ساتھی کے قتل کرنے پر حریص تھا۔ 12 (متفق علیہ)

---

12 قولہ کان حریصا علی قتل صاحبہ ابن الملک نے کہا ہے اس حدیث میں یہ ہے کہ حرام کام پر حرص کرنا بھی قابل مواخدہ کاموں میں سے ہے۔ ان میں سے ہر ایک اگر قتل کا ارادہ رکھتا ہے تو وہ اس کو قتل کرنے کی طرح ہے جب کہ انکا مقصود اپنی طرف سے مدافعت کرنا نہ ہو البتہ ان میں سے کوئی مدافعت کی غرض سے دوسرے کو قتل کردے جب کہ اس کو قتل کئے بغیر مدافعت کے لئے کوئی صورت نہ تھی تو ایسی صورت میں وہ قابل گرفت نہیں۔ کیونکہ ایسی صورت میں قتل کی شرعاً اجازت ہے۔ (مرقات)۔ اور ردالمحتار میں ہے کہ حدیث شریف "جب دو مسلمان تلوار لے کر آپس میں ملیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں جائیں گے" یہ حکم اس وقت ہے جب کہ دونوں کا لڑنا محض حمیت اور عصبیت (بے جا طرف داری) کی بنیاد پر ہو جیسا کہ دو گاؤں والوں اور دو محلے والوں میں ہوتا ہے ان کا لڑنا محض دنیا طلبی اور اقتدار کے لئے ہو۔

115/4620 ۔ حضرت ابن ابی لیلی سے روایت ہے انہوں نے کہا ہم کو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے بیان کیا کہ وہ حضرت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چل رہے تھے۔ ایک صاحب ان میں سے سو گئے ان کے ساتھ جو رسی تھی اس کے پاس دوسرے صاحب جا کر اس کو پکڑ لئے تو یہ ڈر گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ دوسرے مسلمان کو خوف زدہ کرے۔ (ابوداؤد)

116/4621 ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بردہ ہلال بن عویمر اسلمی کو رخصت کیا پس چند لوگ آئے اور وہ اسلام لانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ ابو بردہؓ کے ساتھیوں نے (لاعلمی کی وجہ سے) ان کا راستہ روکا 13 جبرئیل علیہ السلام

---

13 **فقطع علیهم اصحاب ابی بردة الطریق** اس کے معنی یہ ہیں کہ گزرنے والوں کو اور مسافروں کو راستہ سے روکا۔ یہ عبارت کسی چیز کو حذف کرنے اور اس کا مفہوم ملحوظ رکھنے کے باب سے ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس عبارت میں ''الطریق'' سے راستہ گزرنے والے مراد ہیں۔ اور یہ محل کہہ کر حال یعنی جگہ کہہ کر جگہ میں رہنے والے مراد لینے کے باب سے ہوگا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں ''الطریق'' ''فی الطریق'' کے معنی میں ہے اور اس کو ''السرقة الکبری'' ''بڑی چوری کہا جاتا ہے۔ کتاب بنایہ میں ہے جانو اس بات کو کہ لوٹ لینے والوں کے حکم سے متعلق چند شرائط ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ ان کو اس قدر شوکت وقوت ہو کہ گزرنے والوں کو اس کی مدافعت کرنے کی قوت نہ ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ شہر سے دور ہو۔ تیسری شرط یہ ہے کہ دارالاسلام میں ہو۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ مال مقدار نصاب ہو۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ مال والوں میں ڈاکوؤں کا کوئی حرمت والا رشتہ دار نہ ہو اور اگر ان کے درمیان حرمت والا رشتہ ہو تو ہاتھ کاٹا نہیں جائے گا۔ چھٹی شرط یہ ہے کہ توبہ کرنے سے پہلے ان کو پکڑ لیا گیا ہو۔ (عمدۃ الرعایۃ)

کتاب رحمۃ الامہ میں ہے قاطع طریق کی حد سے متعلق ائمہ کے مابین اختلاف ہے۔
حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد رحمہم اللہ تعالی کے پاس ان کی حد آیت میں مذکورہ ترتیب کے مطابق ہے۔اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے پاس اس ترتیب کے مطابق نہیں ہے بلکہ اس میں امام کو قتل کرنے، قید کرنے، سولی پر چڑھانے اور مخالف جانب سے ہاتھ پیر کاٹنے اور قوت توڑ دینے کا حق اجتہاد حاصل ہے۔ پھر ترتیب کے قائلین کے مابین کیفیت ترتیب میں اختلاف ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر مال لے کر قتل بھی کردیں تو امام کو اختیار ہے خواہ مخالف سمت سے ہاتھ پیر کاٹے خواہ ان کو قتل کرے اور سولی دے خواہ صرف قتل کردے اور سولی نہ دے۔اور سولی کا طریقہ امام اعظم سے مشہور قول کے مطابق یہ ہے کہ زندہ سولی پر لٹکادے اور نیزے سے اس کا پیٹ پھاڑ دے یہاں تک وہ مرجائے اور تین دن سے زیادہ سولی پر لٹکائے نہ رکھے۔
اور اگر وہ قتل کریں لیکن مال نہ لیں تو امام ان کو بطور حد قتل کردے گا اور اولیاء مقتول کے معاف کرنے کی پرواہ نہ کرے۔اور اگر وہ کسی مسلمان یا ذمی کا مال لیں اور لیا ہوا مال ان کی جماعت پر تقسیم کردیا جائے تو ہر ایک کو دس درہم یا اس کی قیمت کے مطابق ملتا ہے تو امام مخالف سمت سے ان کا ہاتھ، پاؤں کاٹ دے گا۔
اور اگر وہ کسی کو قتل نہیں کئے اور مال لینے سے پہلے گرفتار کرلئے گئے تو امام ان کو قید کرے گا یہاں تک کہ وہ توبہ کریں یا مرجائیں۔اور ان کی قوت توڑ دینے کا یہی طریقہ ہے۔
اور امام مالک رحمہ اللہ فرمائے ہیں اگر محاربین پکڑے جائیں تو امام اپنی رائے اور اجتہاد سے مناسب سزا دے گا۔جو آدمی ان میں سے صاحب رائے اور قوت والا ہے اس کو قتل کرے اور جو صرف قوت والا ہو تو اس کی صرف قوت توڑ دی جائے خلاصہ یہ ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس امام کو اختیار ہے خواہ ان کو قتل کرے اور سولی دے اور ہاتھ پیر کاٹ

دے اور اگر وہ قتل نہ کریں اور مال بھی نہ لئے ہوں تو امام اپنی رائے کے مطابق ان کو اور ان کے جیسے لوگوں کو اس طرح کے عمل سے روکنے کے لئے مناسب تجویز کرے گا۔ اور نفی یعنی قوت کو توڑنے کا طریقہ ان کے پاس یہ ہے کہ وہ جس شہر میں ہیں وہاں سے دوسرے شہر میں نکال دئے جائیں اور وہاں ان کو قید کردیا جائے اور سولی کا طریقہ امام مالک کے پاس امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے طریقہ کے مطابق ہے۔ امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما فرمائے کہ اگر ان کو کسی آدمی کے قتل کرنے یا مال چھین لینے سے پہلے پکڑ لیا جائے تو ان کی قوت توڑ دی جائے۔ اور نفی یعنی قوت کو توڑ دینے کے طریقہ سے متعلق ان میں اختلاف ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمائے ان کی قوت توڑنے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر وہ بھاگ جائیں تو ان کا پیچھا کیا جائے۔ اور حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں ایک روایت تو اسی طرح کی ہے۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ بھگایا جاتا رہے گا ان کو کسی ایک شہر میں جمنے کا موقعہ نہیں دیا جائے گا۔

اور اگر وہ مال لیں اور کسی کو قتل نہ کئے ہوں تو دونوں ائمہ نے فرمایا کہ ان کے ہاتھ پیر مخالف جانب سے کاٹے جائیں گے۔ پھر ان کو چھوڑ دیا جائے گا۔

اگر وہ قتل کریں اور مال بھی چھین لیں تو دونوں نے فرمایا کہ ان کو قتل کرنا اور سولی دینا قطعی طور پر ضروری ہے۔ اور اگر وہ قتل کریں لیکن کسی کا مال نہ لئے ہوں تو دونوں ائمہ کے پاس ان کا قتل ضروری ہے اور قتل کے بعد سولی پر لٹکانا بھی ہے۔ اور بعض شافعیہ کے پاس زندہ حالت میں سولی پر لٹکایا جائے گا پھر قتل بھی کیا جائے گا۔ سولی کی مدت امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ کے پاس تین دن ہے۔ اور امام احمد رحمۃ اللہ کے پاس کم از کم اتنی دیر کہ اس کو سولی دینا کہا جاسکے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حد کا حکم لے کر آئے کہ جو کسی کو قتل کرے اور مال چھین لے 14 تو اس کو سولی دی جائے اور جو آدمی کسی کو قتل کرے اور مال نہ لے تو اس کو قتل کر دیا جائے اور جو مال چھین لے اور قتل نہ کرے تو اس کا ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دئے جائیں۔ اور جو آدمی مسلمان ہو کر آئے تو اس کے زمانہ شرک میں جو کچھ اس سے ہوا اسلام اس کو مٹا دے گا۔

محاربین کے قتل سے متعلق مقدار نصاب کا اس میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ تعالی کے پاس مقدار نصاب کا اعتبار ہے جب کہ امام مالک رحمہ اللہ اس کا اعتبار نہیں کئے ہیں۔

اور اگر کئی محاربین جمع ہوں اور ان میں سے بعض نے قتل کیا اور مال کو لیا اور بعض ان کے مددگار بنے تو کیا ان سب پر محاربین کے احکام جاری ہوں گے یا نہیں۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ تعالی نے فرمایا ہے کہ مدد کرنے یا پشت پناہی کرنے پر ان کے احکام تمام حالتوں میں محاربین کی طرح ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مدد کرنے اور پشت پناہی کرنے پر قید اور جلاء وطن وغیرہ کے ذریعہ تعزیر کی جائے گی۔

14 قولہ من قتل واخذ المال صلب۔ صاحب نورالانوار نے کہا ہے بیشک اللہ تعالی نے محاربین اور فسادیوں یعنی ڈاکوؤں کے لئے چار سزائیں بیان کی ہیں جن میں سے ایک سزا نہ دی جاسکے تو اس کے بعد کی دی جائے گی۔ 1۔ قتل کرنا 2۔ سولی دینا 3۔ ہاتھوں اور پیروں کو مخالف جانب سے کاٹنا 4۔ ان کی قوت توڑنا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کلمہ ''او'' اپنی حالت پر ہے لہذا امام کو ان سزاؤں کے درمیان اختیار رہے گا لیکن ہمارے پاس حرفِ ''او'' کلمہ ''بل'' کے معنی میں ہے۔ جو اضراب کے لئے آتا ہے کیونکہ ڈاکہ زنی کے جرائم چار قسموں پر تھے یعنی 1۔ صرف مال لے لینا۔ 2۔ صرف قتل کرنا 3۔ قتل کرنا اور مال لے لینا دونوں ایک ساتھ۔

4۔ مال لئے اور قتل کے بغیر ڈرانا دھمکانا پس ان چار جرموں کے بالمقابل چار سزائیں ذکر کی گئیں۔

البتہ اصحاب عقل وفہم کے فہم ودانش پر اعتماد کرتے ہوئے نص قرآن میں جرائم کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اور اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ سزا جرم کے بقدر ہوتی ہے اگر جرم سخت ہو تو سزا بھی سخت ہوگی اور اگر جرم ہلکا ہو تو سزا بھی ہلکی ہوگی۔ اور حکیم مطلق کے شایان شان نہیں کہ وہ سخت ترین جرم کو ہلکے جرم کی طرح کردے یا اس کے برعکس معمولی جرم کو سخت ترین جرم کے برابر کردے۔ اب نظم قرآن کا مفہوم اس طرح ہوگا۔

ان یقتلو اذا قتلوا فقط وہ صرف قتل کریں تو انہیں قتل کیا جائے گا۔ او یصلبوا اذا ارتفعت المحاربة ان کو سولی دی جائے گی جب کہ محاربہ سخت ہوجائے جان کو قتل کرنے اور مال کو لوٹ لینے کی وجہ سے۔

ان کے ہاتھ پیر کاٹ دئے جائیں گے جب کہ وہ صرف مال لے لیں۔ ان کی قوت توڑ دی جائے گی اگر وہ راستہ کو خوفناک بنادیں (اور راہ گیروں کو دہشت زدہ کردیں) اور یہ بیان بعینہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہوا ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کو رخصت کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ نہ ان کی مدد کریں اور نہ ان کے خلاف مدد کریں پس کچھ لوگ اسلام کا ارادہ کرکے حاضر ہوئے تو ابو بردہ کے ساتھیوں نے ان کا راستہ روکا۔ چنانچہ جبریل علیہ السلام ان کے بارے میں حد کا حکم لے کر آئے کہ جو کوئی قتل کرے اور مال لوٹ لے اس کو سولی دی جائے گی اور جو قتل کرے اور مال نہ لے تو اس کو صرف قتل کیا جائے گا اور جو مال لوٹے اور قتل نہ کرے تو اس کے ہاتھ پیر مخالف جانب سے کاٹے جائیں گے۔ اور جو صرف خوفزدہ کرے تو اس کو جلاوطن کردیا جائے گا۔ لیکن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے سولی دینے کے حکم کو صرف اسی حالت کے ساتھ خاص کیا ہے، یہ نہیں کہ یہ حالت صرف

117/4622 ۔اور عطیہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت میں ہے جو حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جو کوئی راستہ کو خوفناک بنائے 15 وہ قتل نہ بھی کرے اور مال نہ بھی لوٹے تو اس کی قوت توڑ دی جائے۔(قید کر دیا جائے گا)۔

(امام محمد نے اس کو امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت کی ہے۔اور امام شافعی رحمہ اللہ نے کتاب ''الام'' میں اس کی روایت کی ہے اور محدث عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، امام بیہقی رحمہم اللہ اور دیگر حضرات نے بھی اس کی روایت کی ہے۔)

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے ارشاد ''صلب'' (اس کو سولی دی جائے گی) کے بارے میں فرمایا سولی اسی حالت کے ساتھ خاص ہے (اس کے سوا دیگر حالتوں میں سولی نہیں ہے) البتہ ایسی حالت میں سزا صرف سولی کے ساتھ خاص نہیں ہے کہ اس حالت میں بجز سولی کے کوئی دوسری سزا درست ہی نہ ہو۔

سولی کے ساتھ ہی خاص ہے کہ اس حالت میں سولی کے سوا کوئی اور چیز جائز ہی نہ ہو۔ بلکہ آپ نے امام کے لئے چار سزاؤں میں اختیار رکھا ہے۔اگر وہ چاہے تو ہاتھ پیر کاٹے پھر قتل کرے یا سولی دے اور اگر وہ چاہے تو قتل کرے یا بغیر کاٹے کے سولی دے کیونکہ جنایت میں اتحاد و تعدد (اس کے ایک یا ایک سے زیادہ ہونے) کا احتمال ہے لہذا اس میں دونوں جہتوں کا لحاظ رکھا جائے گا۔(انتہی)

اور قمر الاقمار میں ہے مؤلف کے قول ''تحتمل الاتحاد و التعدد'' کا مفہوم یہ ہے کہ پہلی صورت چونکہ اس میں صرف ڈاکہ ڈالنا ہی ہے لہذا سزا بھی ایک ہی ہوگی اور دوسری صورت مال لینے اور جان کو قتل کرنے کی ہے اس لئے سزا بھی متعدد ہوگی۔ چنانچہ قطع، ہاتھ پیر کاٹنے مال لوٹنے کا بدلہ ہے اور قتل کرنا قتل کرنے کا بدلہ ہے۔

15 قولہ من أخاف الطریق ولم یقتل ولم یاخذ المال نفی (جو کوئی راستہ کو خوفناک بنائے وہ قتل نہ بھی کرے اور مال نہ بھی لوٹے) صاحب نور الانوار نے فرمایا ہے

1۔ قطع کرکے قتل کردے　یا　2۔ قطع کرکے سولی پر چڑھائے
یا 3۔ اگروہ چاہے تو قتل کردے　یا 4۔ بغیر ہاتھ کاٹے کے صرف سولی پر چڑھائے۔

کیونکہ جنایت اتحاد اور تعدد کا احتمال رکھتی ہے لہٰذا اس میں دونوں جہتوں کی رعایت رکھی جائے گی۔

118/4623۔ حضرت امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں حضرت ابراہیمؒ سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا ہے اگر وہ مال نہ بھی لے اور قتل بھی نہ کرے تو بھی اس کو تکلیف دہ سزادی جائے گی اور قید کیا جائے گا آنکہ وہ ٹھیک ہوجائے۔

''نفی'' سے مراد جلاء وطن کرنا نہیں ہے۔ جیسا کہ ظاہر الفاظ سے اس کا وہم ہوتا ہے۔ بلکہ ''نفی'' سے مراد زمین کے اوپر ان کی قوت توڑ دینا ہے اس طرح کہ ان کو قید کردیا جائے یہاں تک کہ وہ توبہ کریں یعنی زمین کی آبادی میں وہ سرگرم نہ رہنے پائیں۔

اور ردالمحتار میں ہے آیت شریفہ (5 مائدہ 33) میں ''نفی'' سے مراد قید کردینا ہے کیونکہ تمام زمین سے نکال دینا اور دور کردینا تو محال ہے ایک شہر سے کسی دوسرے شہر کی طرف نکال دے تو ان سے دوسرے شہر والوں کو اذیت وتکلیف ہوسکتی ہے۔ پس اب قید کے سوا کوئی صورت باقی نہیں رہی۔ اور قید کیے ہوئے شخص کو بھی زمین سے نکالا ہوا کہتے ہیں کیونکہ وہ دنیا کی پاکیزہ چیزوں اور اس کی لذتوں سے بہرہ اندوز نہیں ہوسکتا اور اپنے دوست واحباب اور عزیزوں سے مل نہیں سکتا۔ اور کمالین میں ہے نفی کے معنی امام شافعیؒ کی تفسیر کے مطابق ایک شہر سے نکال کر دوسرے شہر کو بھیج دینا ہے اور امام اعظم کے پاس اس کے معنی قید کرنا ہے اور اس کو آپ نے ابراہیم نخعیؒ سے روایت کیا ہے۔

119/4624 ۔ عتبہ بن فرقد سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے عمر بن خطابؓ سے کہا کہ میں نے سواد کی زمین میں سے کچھ زمین خریدی ہے۔ 16 تو عمرؓ نے فرمایا تم اس میں اس زمین کے (پہلے) مالک کی طرح ہو۔

کتاب المعرفۃ میں ہے کہ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بات تو وہی ہے جو حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے (کہ خراجی زمین خریدی جاسکتی ہے) کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت خباب بن ارت حضرت حسین بن علی اور حضرت شریح کی زمینات خراجی تھیں۔

120/4625 ۔ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ خثعم کی طرف ایک فوجی دستہ روانہ فرمایا تو اس قبیلہ کے کچھ لوگ سجدہ کر کے (اسلام کی) حفاظت میں آ گئے مگر تیزی سے ان کا قتل ہو گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ بات پہنچی تو آپ ﷺ نے ان کے لئے آدھی دیت کا حکم فرمایا 17

---

16 ۔ قولہ انی اشتریت ارضا الخ (میں نے زمین خریدی ہے)

اسی لئے ہدایہ میں ہے کہ مسلمان کسی سے خراجی زمین خرید سکتا ہے۔ اور اس سے خراج لیا جائے گا اور یہ بات صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ نے خراجی زمینوں کو خریدا پھر وہ اس کا خراج ادا کرتے رہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایسی زمین کا خریدنا اور اس سے خراج حاصل کرنا اور مسلمان کا اس کو ادا کرنا بغیر کراہیت کے درست ہے۔ (انتھی)۔

17 ۔ قولہ **فامر لھم بنصف العقل** یہ خطائی القصد ہے (یعنی سمجھنے میں غلطی ہے) اور وہ اس طرح کہ کسی آدمی کو حربی سمجھ کر مارا مگر وہ مسلم تھا ایسی صورت میں ہمارے پاس کامل دیت ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی یہی فرمایا خطابی نے کہا ہے حضور علیہ والہ الصلاۃ والسلام نے اس میں کامل دیت اس لئے نہیں دلائی کہ انہوں نے کافروں کے درمیان اقامت پذیر رہ کر خود اپنے خلاف مدد کی ہے۔

اور فرمایا میں مشرکین کے درمیان قیام پذیر مسلمان سے بری ہوں۔ صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ) کیوں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ان دونوں کی آگ ایک دوسرے کو دکھائی نہ دے۔18 (ابوداؤد)

اس کی مثال اس آدمی کے جیسی ہے جو اپنی جنایت اور دوسرے کی جنایت سے ہلاک ہو جائے تو ایسی صورت میں دیت میں سے اس کی جنایت کا حصہ ساقط ہو جاتا ہے۔

(ہدایہ، رحمۃ الامۃ، مرقات)

18 قولہ لا تتراءی ناراھما (دونوں کی آگ ایک دوسرے کو دکھائی نہ دے)

عالمگیری میں ہے ان میں سے کسی کو بھی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ مسلمانوں کے شہروں میں سے کسی شہر میں کوئی گھر یا مکان خریدے اسی طرح ان میں سے کسی کو اجازت نہیں دی جاسکتی کہ مسلمانوں کے شہروں میں سے کسی شہر میں سکونت اختیار کرے امام حسن بن زیاد نے اسی روایت کو اختیار کیا ہے۔

اور عام کتابوں کی روایت کے مطابق ان کو دارالاسلام میں قیام کرنے کی اجازت دی جاسکتی۔ بشرطیکہ وہ عرب کا کوئی شہر جیسے سرزمین حجاز نہ ہو۔ کیونکہ ان کو یہاں سکونت پذیر رہنے کی اجازت نہیں دی جائے گی، محیط میں اسی طرح ہے۔

شمس الائمہ امام حلوائی فرماتے ہیں یہ اجازت اس وقت ہے کہ جب کہ ان کی تعداد کم ہو ان کے قیام پذیر رہنے سے کوئی تعطل پیدا نہ ہو اور مسلمانوں کی کسی جماعت کی قلت کا باعث نہ بنے لیکن جب وہ تعداد میں زیادہ ہوں اور ان کے رہنے سے تعطل یا مسلمانوں کی قلت ہوتی ہو تو ان کو مسلمانوں کے درمیان رہنے سے روک دیا جائے گا۔ اور ان کو حکم دیا جائے گا کہ وہ ایسے حصے میں رہے جہاں مسلمانوں کی جماعت نہ ہو۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی امالی میں یہ بات موجود ہے۔ انتھی۔

121/4626 ۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان غفلت سے قتل کردینے کو روکتا ہے مومن غفلت سے قتل نہیں کرتا ۔ 19 (ابوداؤد)

درمختار میں ہے تمرتاشی نے شرح الجامع الصغیر میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے اس قول کو نقل کرنے کے بعد کہ ان کو حکم دیا جائے گا کہ وہ مسلمانوں کے شہروں میں ان کے جو مکانات ہیں بیچ دیں اور وہاں سے نکل جائیں، شہر کے باہر قیام پذیر ہوں۔ تاکہ ان کا کوئی خاص محلہ نہ رہے۔

امام نسفیؒ سے نقل کرتے ہوئے یہ صراحت کی ہے کہ مذکورہ بالا ممانعت کا مطلب یہ ہے کہ ان کا شہر کے اندر کوئی ایسا خاص محلہ نہ ہو کہ جس میں ان کو مسلمانوں کی طرح کوئی قوت ہو۔ اب رہا ان کا مسلمانوں کے درمیان مغلوب ہو کر رہنا تو یہ ممنوع نہیں ہوگا۔ (فتاوی اسکوبی)

19 لایفتک مؤمن ای کامل الایمان یعنی کامل مؤمن دھوکے سے قتل نہیں کرتا کیونکہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جب کسی غافل کافر کے پاس سے گزرتے تو وہ اس کو متنبہ کرتے اگر وہ اسلام کی دعوت دینے کے بعد انکار کردیتا تو اس کی وجہ سے اس کو قتل کردیتے تھے۔ ہدایہ میں ہے جب مسلمان دارالحرب میں داخل ہوتے اور کسی شہر یا قلعہ کا محاصرہ کرلیتے تو اسلام کی طرف ان کو دعوت دیتے اور ''مرقات'' میں ہے اگر اعتراض کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا محمد بن مسلمہؓ خزرجی کو صحابہؓ کی جماعت کے ساتھ کعب بن اشرف کی طرف روانہ کیا اور انہوں نے اس کو قتل کردیا۔ سیدنا عبداللہ بن عتیکؓ اوسی کو چند صحابہؓ کے ساتھ رافع کی طرف اور سیدنا عبداللہ بن انیس جہنی کو سفیان بن خالد کی طرف روانہ کیا تھا تو اس حدیث میں اور ان قضایا میں جس میں آپ ﷺ نے اس طرح قتل کا حکم فرمایا تھا کس طرح تطبیق ہوگی؟ تو (اس کے جواب میں) ہم کہیں گے ہوسکتا ہے غفلت میں

122/4627۔ جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب غلام شرک کی طرف بھاگے [20]

قتل کرنے کی ممانعت ان واقعات کے بعد کی ہو اور یہی بات ظاہر ہے۔ کیونکہ پہلا واقعہ تیسرے سال کا ہے، دوسرا واقعہ چوتھے سال کا اور تیسرا جنگ خندق کے بعد پانچویں سال کا ہے۔ اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا ساتویں سال جنگِ خیبر کے موقعہ پر ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہو کیونکہ اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو معصوم بنایا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ واقعہ حکم آسمانی ہو کیونکہ ان مقتولین کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غدر اور عہد شکنی کرنا ظاہر ہو چکا تھا اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسی گفتگو سے پیش آئے تھے جس کا ذکر تک جائز نہیں ہے۔ آپ ﷺ کے ساتھ ان کی ایذا رسانی اور ان کا آپ ﷺ کے خلاف حد درجہ بھڑکانا بہت زیادہ ہو چکا تھا۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ قاضی نے اسی صورت کو اختیار کیا ہے اور اس کی تلخیص کرتے ہوئے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان ایسے غلط کام سے روکتا اور اس کو حرام قرار دیتا ہے۔ کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اس طرح کا کام کرے کیونکہ مقصود اگر مسلمان کو قتل کرنا ہے تو ظاہر ہے (کہ وہ ناجائز ہے) اگر وہ کافر ہے تو اس کو پہلے سے پہلے آگاہ کرنا اور توبہ کے لئے مہلت دینا ضروری ہے۔ کیونکہ مقصود بالذات قتل کرنا نہیں ہے بلکہ طلب کمال ہے۔ اور بقدر امکان اسلام کے لئے آمادہ کرنا ہے۔ اور یہ ایسی صورت میں ہے کہ وہاں کوئی دوسری دینی وجہ نہ ہو۔ اور اگر کوئی دوسری وجہ ہے مثلاً جب یہ معلوم ہو کہ وہ اپنے کفر پر ہے اور مسلمانوں کے قتل پر حریص ہے اور اس کے لئے کسی بھی موقع کی تاک میں رہتا ہے۔ اور اس کے سوا اس کو روکنے کی کوئی صورت کارگر نہ ہو تو ایسی صورت میں کوئی حرج نہیں۔

[20] قولہ اذا بق العبد الی اھل الشرک یعنی اسلام سے مرتد ہو جائے یا مشرکین کی طرف بھاگ جائے۔ اگر وہ مشرکین کی طرف بھاگا ہے کہ وہ شرک کی طرف لوٹ رہا ہے تو اس پر اس کی سزا جاری ہوگی۔ اس کا خون حلال ہوگا اس کا قتل جائز ہوگا۔ لیکن جب وہ اسلام پر باقی رہے تو اس وقت اس حکم کو تشدید اور تغلیظ پر محمول کریں گے (بذل المجھود)

تو اس کا خون حلال ہے۔ 21ے (ابوداؤد)

123/4628 ۔ سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک یہودی عورت سخت سست کہتی اور آپ کی گستاخی کیا کرتی تھی۔ چنانچہ ایک صاحب نے اس کا گلا گھونٹ دیا یہاں تک کہ وہ مرگئی تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خون باطل قرار دیا 22ے (تاوان نہیں لگایا)۔ (ابوداؤد) اور یہ قتل سیاست پر محمول کیا جائے گا اور اس سے عقد ذمہ ختم نہیں ہوتا ہے کیونکہ

21ے قولہ فقد حل دمہ اس کا خون حلال ہے یعنی اگر اس کو کسی نے قتل کیا تو وہ ضمان نہیں دے گا اگرچہ کہ وہ مرتد نہ ہوا ہو۔ اسی طرح لمعات میں ہے۔

اور مرقات میں ہے کہ اس کے قاتل پر کوئی چیز نہیں ہے اور اگر اس کے ساتھ مرتد ہو جائے تو وہ بدرجہ اولی قتل کیا جائے گا۔

حضرت علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے اور یہ اگر اپنے دین سے مرتد نہ بھی ہو تو اس نے مشرکوں کے پڑوس میں جا کر اور دارالاسلام چھوڑ کر ایسی حرکت کی ہے جس کی بناء اس کا خون حلال ہوا یعنی اس کا بدلہ نہیں ہے۔

جب کہ پہلے گزر چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا یترای ناراھما (ان دونوں کی آگ ایک دوسرے کو دکھائی نہ دے)

22ے قولہ فابطل النبی صلی اللہ علیہ وسلم دمہا (نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خون باطل قرار دیا) حضرت مظہر نے فرمایا اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ ذمی اگر اللہ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے دین کے بارے میں زبان درازی سے باز نہ آئے تو وہ حربی مباح الدم ہے۔ (جس کا خون حلال ہے) اور اپنے ذمہ کے معاہدہ کو توڑ دینا ہے اور اسی کو امام شافعی نے اختیار کیا ہے۔ اور ہمارے اصحاب (حنفیہ) کے پاس اس کی وجہ سے اس کا ذمہ نہیں ٹوٹے گا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ بھی ہے کہ اگر کوئی

مسلمان نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہے تو اس کا ایمان باطل ہو جاتا ہے تو اسی طرح اس کی وجہ سے ذمی کا بحالت ذمہ امان بھی ختم ہو جائے گا۔ اور ہم کہتے ہیں کہ بلاشبہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت سست کہنا یا اس جیسے کوئی گستاخانہ کلمات کہنا کفر ہے اور وہ اپنے کفر پر قائم ہے اور اس کا یہ کفر عقدِ ذمہ کے منافی نہیں ہے۔

جس طرح اس کا سابقہ کفر عقدِ ذمہ کے مانع نہیں ہے اسی طرح اس کا حالیہ کفر بھی ذمہ کا مانع نہیں ہوگا۔ اور اس بات پر وہ احادیث بھی شاہد ہیں جو کتب صحاح میں ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے یہودی آپ ﷺ کو برا بھلا کہا کرتے اور السام علیکم کہتے تھے۔ اور السام کے معنی موت ولعنت کے ہیں۔ اس کے باوصف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی طرف کوئی التفات نہیں فرماتے تھے۔ و نیز ہماری دلیل وجحت ذوالخویصرہ کی بھی حدیث ہے۔

اور یہودیہ کی اس حدیث میں اس کے عہد ذمہ کے ٹوٹ جانے کی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ اس کو سیاسی مصلحت پر محمول کیا جائے گا۔

صاحب ردالمحتار نے فرمایا ہے کہ میں نے حافظ ابن تیمیہؒ کی کتاب ''الصارم المسلول'' میں دیکھا ہے کہ حنفیہ کے اصول میں ہے کہ جن چیزوں میں ان کے پاس قتل نہیں ہے جیسے غیر دھاری دار آلہ سے قتل کرنا۔ اور عورت کی شرمگاہ کے علاوہ میں جماع کرنا۔ جب ان کو بار بار کیا جائے تو امام کو حق حاصل ہے کہ اس کے مرتکب کو قتل کر دے اور اسی طرح اگر وہ اس میں مصلحت سمجھتا ہے تو اس کو مقررہ حد سے زیادہ سزا دے۔ اور اس قسم کے جرائم میں قتل سے متعلق حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ سے جو روایات آئی ہیں ان کو حنفی حضرات اس بات پر محمول کرتے ہیں کہ آپ نے اس میں کوئی مصلحت سمجھی ہے۔ اور وہ حضرات اس کو سیاسۃ قتل کرنا کہتے ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ امام کو اختیار ہے کہ جو جرائم کہ وہ بار بار کرنے سے ایسے بڑے ہو جاتے ہوں کہ ان جیسے جرائم میں قتل کا حکم ہے۔ تو اس کے مرتکب کو وہ تعزیراً قتل کر سکتا ہے اسی لئے اکثر

حضرات نے فتوی صادر کیا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو ذمی سب وشتم کرتے جائے تو اس کو قتل کردیا جائے گا اگرچہ کہ وہ پکڑے جانے کے بعد اسلام قبول کرے اور انہوں نے یہ کہا ہے کہ اس کا یہ قتل کیا جانا سیاستہ ہے۔ حضرت علامہ عینی رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برا بھلا کہنے والے کو قتل کردینا ہی میرے پاس مختار ہے۔

امام ابن ہمام رحمہ اللہ نے بھی آپ کی متابعت کی ہے اور خیر رملی رحمہ اللہ نے بھی اسی پر فتوی دیا ہے کہ تعزیراً قتل کیا جائے گا اور فرمایا کہ اس سے ذمہ کے ختم نہ ہونے سے اس کو قتل نہ کرنا لازم نہیں آتا کیونکہ ذمہ کو توڑنے کے سلسلہ میں انھوں نے جو بحث کی ہے اس کا خلاف مذھب ہونا مسلم ہے۔ البتہ قتل کے بارے میں انہوں نے جو بحث کی ہے۔ تو اس میں کوئی مخالفت نہیں۔

جب تم کو یہ معلوم ہو چکا کہ تعزیراً قتل کیا جاسکتا ہے تو پھر اگر کوئی نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سب وشتم کرے تو اس کو بھی تعزیراً قتل کیا جائے گا۔ خاص طور پر جب کہ وہ علانیہ طور پر یا بار بار ایسا کیا ہو۔ بلکہ ایسے شخص کا سیاستہً قتل واجب ہونے کی فقہاء نے صراحت کی ہے۔

ابو السعود مفتی روم نے یہی فتوی دیا ہے بلکہ اکثر حضرات حنفیہ نے یہی فتوی دیا کہ جب وہ اکثر نازیبا کلام کرے جیسا کہ ہم نے الصارم المسلول کے حوالہ سے اوپر ذکر کیا ہے۔ اور امام ابن ہمام کے کلام اذا اظھرہ یقتل بہ (جب وہ علانیہ ایسا کرے تو اس کی وجہ سے اس کو قتل کردیا جائے گا) کا یہی مطلب ہے۔ پس آپ کا یہ کلام مخالف مذہب نہیں ہے۔

صاحب شفاء رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ تمام لوگ جنھوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں عیب لگایا یا آپ ﷺ کی ذات مقدسہ میں یا آپ ﷺ کے نسب مبارک میں یا آپ ﷺ کے دین حنیف میں یا آپ ﷺ کے خصال جمیلہ میں سے کسی خصلت طیبہ میں تنقیص کی یا آپ ﷺ کی شان عظیم میں نازیبا الفاظ سے عیب لگانے یا بغض وعناد کے

124/4629۔ امام احمد اور امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے ایک یہودی گزرا اور اس نے ''السام علیک'' کہا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''وعلیک'' فرمایا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم جانتے ہو یہ کیا کہتا ہے؟ اس نے ''السام علیک'' (تجھ پر موت آئے) کہا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا ہم اس کو قتل نہ کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں جب اہل کتاب تم کو سلام کریں تو تم وعلیکم کہہ دو

اور پہلے گزر چکا ہے کہ ذوالخویصرہ نے کہا تھا یا رسول اللہ عدل کیجئے پھر بھی آپ ﷺ نے اس کے قتل سے منع فرمایا۔

125/4630۔ حضرت سیدنا جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جادوگر کی سزا تلوار سے مار دینا ہے۔ 23ے (ترمذی)

طور پر یا آپ ﷺ کی شان کو گھٹانے کے لئے کسی چیز سے تشبیہ دی یا آپ ﷺ کی طرف آپ ﷺ کے منصب عظیم سے کم کسی چیز کی بطور مذمت کرے یا اپنے قول و فعل وغیرہ سے آپ ﷺ کی شان کو ہلکا ظاہر کرے یا آپ ﷺ پر آئی ہوئی ابتلاآت کی وجہ سے، یا آپ ﷺ پر طاری بعض بشری عوارض کی وجہ سے آپ ﷺ کی تحقیر کرے تو ایسا آدمی حقیقت میں آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والا ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ وہ قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔ اور اس پر صحابہ کرامؓ کے عہد سے آج تک تمام اہل علم اور اصحاب فتوی ائمہ کا اجماع ہے۔

(ماخوذ از مرقات، شرح الوقایہ، عمدۃ الرعایہ، نیل الاوطار، در مختار، ردالمختار وغیرہ)

23ے قولہ حد الساحر ضربۃ بالسیف (جادوگر کی سزا تلوار سے مار دینا ہے)۔

صاحب ردالمختار نے فرمایا فتح القدیر میں ہے جادو کے حرام ہونے میں اہل علم کے درمیان کوئی

اختلاف نہیں ہے اور اس کے جائز ہونے کا اعتقاد کفر ہے اور ہمارے اصحاب (احناف)، امام مالک، امام احمد رحمہم اللہ سے مروی ہے جادو کے سیکھنے اور کرنے سے آدمی کافر ہوجاتا ہے خواہ اس کی حرمت کا عقیدہ رکھے یا نہ رکھے۔ اس کو قتل کردیا جائے گا۔ اس بارے میں مرفوع حدیث موجود ہے۔ حد الساحر ضربة بالسیف یعنی تلوار سے اس کو قتل کردینا۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اس کو قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی وہ کافر ہوگا مگر یہ کہ وہ اس کو جائز سمجھے۔

اور ''خانیہ'' میں ہے ایک شخص نے میاں بیوی میں تفریق ڈالنے کی غرض سے شعبدہ بازی کی۔ تو علماء نے کہا ہے کہ وہ مرتد ہے اور اس کو قتل کردیا جائے گا۔ اگر وہ اس شعبدہ کو مؤثر سمجھتا ہے اور اس کے ذریعہ میاں بیوی میں تفریق کا عقیدہ رکھتا ہے تو وہ کافر ہے۔

اور تفسیر مدارک میں ہے حضرت شیخ ابومنصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جادو کو مطلقاً کفر کہنا غلطی ہے بلکہ اس کی حقیقت کے بارے میں بحث کرنا ضروری ہے اگر اس میں ایمان کے شروط میں سے کسی لازم اور ضروری چیز کا رد ہے تو یہ کفر ہے ورنہ نہیں۔ پھر جو جادو کفر ہے اس پر مردوں کو قتل کیا جائے گا عورتوں کو نہیں۔ اور جو جادو کہ کفر نہیں ہے لیکن اس میں جان کو ہلاک کرنا ہے اس کا حکم ڈاکوؤں کی طرح ہے اور اس میں مرد و زن برابر ہیں۔

اور اگر وہ توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی اور جو کہتے ہیں کہ توبہ قبول نہیں کی جائے گی تو وہ غلط ہے کیونکہ فرعون کے جادوگروں کی توبہ قبول کی گئی ہے۔ انتہی

(16) کتاب الحدود 1

مقررہ سزاؤں کا بیان

اللہ بزرگ وبرتر کا ارشاد ہے الزانیة و الزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائة جلدة ولا تأخذکم بھما رأفة فی دین الله ان کنتم تؤمنون بالله والیوم الآخر ولیشھد عذابھما طائفه من المؤمنین

---

1 قولہ الحدود (حدود) حد ایسی سزا ہے جو اللہ تعالی کے حق کے بطور مقرر کی گئی ہے۔

عقاب اور عقوبت میں فرق

ارتکاب جرم کے باعث انسان کو جو تکلیف آخرت میں لاحق ہوتی ہے اس کو عقاب کہا جاتا ہے۔ اور جو تکلیف دنیا میں لاحق ہوتی ہے اس کو عقوبت کہا جاتا ہے۔

حد کا رکن ...... حد کو قائم کرنے کے لئے امام یا اس کا نائب ہونا

شروط حد ﴾ شروط حد میں یہ ہے کہ جس پر حد قائم کی جارہی ہے وہ صاحب اعتبار (ذی عقل و باہوش) صحت مند ہو لہذا دیوانے پر اور اس پر جو حالت نشہ میں ہو حد قائم نہیں کی جائے گی اسی طرح بیمار اور ضعیف الخلقت پر جب تک وہ صحتمند نہ ہوجائیں، حد قائم نہیں کی جائے گی۔

اسباب حدود ﴾ زنا کا ارتکاب یا تہمت لگانا یا شراب نوشی کرنا۔

زانیہ 2 اور زانی پس تم ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور تم کو ان دونوں پر اللہ کے دین میں ترس نہ آئے۔ اگر تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ اور حاضر رہے ان دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت۔ (24۔النور 2)

حدود کی حکمت جس پر حد قائم کی جارہی ہے اس کا آئندہ باز رہنا۔

اور حد کی تعریف میں مقرر کئے جانے کی قید تعزیرات سے احتراز کے لئے ہے کیونکہ تعزیر کی مقدار شریعت میں مقرر نہیں ہے بلکہ یہ حاکمِ وقت کی رائے کے حوالے ہے اور اللہ تعالی کے حق کے بطور قید لگا کر قصاص سے احتراز مقصود ہے کیونکہ قصاص دلوں کی شفاء کے لئے ہے اور یہ قصاص بندوں کا حق ہے۔

تقدیرات (شریعت کی طرف سے مقرر کردہ سزاؤں وغیرہ) کی چار قسمیں ہیں

1۔ ان میں سے ایک تقدیر وہ ہے جس میں کمی زیادتی نہیں ہوسکتی تو وہ حدود ہیں۔

2۔ دوسری تقدیر جس میں کمی وزیادتی ہوسکتی ہے۔ جیسے اللہ تعالی کا ارشاد ہے وما تدری نفس ماذا تکسب غدا اور کوئی نفس نہیں جانتا وہ کل کیا کمائے گا...... کیونکہ کوئی نفس نہیں جانتا کہ وہ آج آنے والے وقت میں اور پرسوں کیا کمائے گا۔

3۔ وہ تقدیر جس میں زیادتی نہیں ہوسکتی البتہ کمی ہوسکتی ہے جیسے خیار شرط امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس (تین دن سے زیادہ کا خیار نہیں رہے گا البتہ تین دن سے کم کی شرط کرسکتے ہیں)

4۔ وہ تقدیر ہے جس میں کمی نہیں ہوسکتی زیادتی ہوسکتی ہے۔ جیسے مدت سفر (قصر کے لئے تین دن کی مسافت) (ماخوذ از شروح کنز)

2 قولہ الزانیۃ والزانی الخ (زانیہ اور زانی) آزاد مرد اور آزاد عورتوں کے لئے سزا دو قسم کی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

فلما جاء امرنا جعلنا عالیھا سافلھا و امطرنا علیھا حجارۃ من سجیل منضود ٥ مسومۃ عند ربک

جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے اس بستی کو اوپر نیچے کر دیا اور اس پر مسلسل سخت پتھر برسائے جو آپ کے رب کے پاس نشان زدہ تھے۔ (11۔ ہود 83,82)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

والذین یرمون المحصنات ثم لم یأتوا باربعۃ شھداء فاجلدوھم ثمانین جلدۃ ولا تقبلوا لھم شھادۃ ابدا ٥ واولئک ھم الفاسقون ٥ الا الذین تابو امن بعد دلک واصلحوا فان اللہ غفور رحیم ٥ اور جو لوگ تہمت لگاتے ہیں پاک دامن عورتوں پر پھر وہ چار گواہ نہ لائیں تو تم ان کو اسی (80) کوڑے مارو اور تم ان کی گواہی کبھی قبول مت کرو اور یہی لوگ فاسق ہیں مگر جو لوگ اس کے بعد توبہ کر لیں اور (اپنی) اصلاح کر لیں تو یقیناً اللہ بہت معاف کرنے والا، نہایت مہربان ہے (24۔ النور 5,4)

1۔ سو کوڑے لگانا جس کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے۔

2۔ شادی شدہ کے لئے رجم۔ (سنگسار کرنا) جو سورۂ احزاب میں مذکور تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد اذا زنی الشیخ و الشیخۃ فارجمو ھما البتۃ نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم ٥ اور ایک روایت میں البتہ کے بعد" بما قضیا من اللذۃ" زائد ہے۔

جب شیخ یا شیخہ (شادی شدہ) زنا کرے تو قطعی طور پر ان دونوں کو سنگسار کرو ان کی شہوت رانی کی وجہ سے۔ اللہ کی طرف سے بطور عبرت ناک سزا، اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

اور یہ آیت منسوخ التلاوت ہے۔ جیسا کہ محدث ابوعبید، امام حاکم اور دیگر حضرات نے روایت کی ہے۔ اور امام بخاری اور امام مالک موطا میں اور اسی سند سے امام محمد نے موطا میں

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ آپ نے اپنی آخری حیات میں دوران خطبہ ارشاد فرمایا تم آیتِ رجم کے بارے میں ہلاک ہونے سے بچو مبادا کہ کوئی کہنے والا ایسا کہے کہ ہم اللہ کی کتاب میں دو حدوں کو نہیں پاتے ہیں۔ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رجم کئے ہیں اور ہم رجم کئے ہیں اور یقیناً اس ذات کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ کہیں گے کہ عمر (رضی اللہ عنہ) نے اللہ کی کتاب میں اضافہ کردیا ہے تو یقیناً میں اس کو لکھتا۔ **الشیخ والشیخة فارجموھما البتة** یقیناً ہم نے اس کی قرأت کی ہے۔

امام مالک نے بھی ان سے روایت کی ہے۔ آپ نے فرمایا رجم اللہ کی کتاب میں ثابت ہے شادی شدہ مرد اور عورتوں پر جب وہ زنا کریں اور اس پر دلیل قائم ہو یا حمل قرار پایا ہو یا اعتراف کرلیا جائے۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا **لا یحل دم امریٔ مسلم الا باحدی ثلاث رجل زنی بعد احصان فانه یرجم ورجل خرج محارب باللہ ورسوله فانه یقتل اویصلب او ینفی من الارض و رجل قتل نفسه فانه یقتل بھا** (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی وغیرہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کسی مسلمان کا خون حلال نہیں سوائے تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت کے۔

1۔ ایسا آدمی جو شادہ شدہ ہونے کے بعد زنا کرے تو اس کو رجم کیا جائے گا۔

2۔ ایسا آدمی جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے جنگ کرنے نکلے اس کو قتل کیا جائے گا یا سولی دی جائے گی۔ یا زمین میں اس کو بے قوت کردیا جائے گا۔

3۔ اور ایسا آدمی جو کسی نفس کو قتل کرے تو اس کی وجہ سے اس کو قتل کیا جائے گا۔

امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام ابن ماجہ، امام نسائی اور دوسروں نے متقارب الفاظ کے ساتھ مختلف سندوں سے اس کی روایت کی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ رجم شادی شدہ قرآن پاک اور بکثرت احادیث شریفہ اور آثار صحابہ سے ثابت ہے بلکہ اس پر اجماع ہوا ہے۔ (عمدۃ الرعایۃ)

1/4631 ۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم اللہ کے مقرر کردہ حدود کو، رشتہ دار ہو یا اجنبی سب پر جاری کرو۔ اللہ کے معاملہ میں تم کو کسی ملامت کرنے والے کی ملامت نہ روکے۔ (ابن ماجہ)

2/4632 ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ کے مقرر کردہ حدود میں سے کسی حد کو جاری کرنا اللہ کے شہروں میں چالیس راتوں کی بارش سے بہتر ہے۔

3/4633 ۔ سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے انہوں نے کہا جب میری براءت نازل ہوئی تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر اس کا ذکر فرمایا اور جب آپ منبر سے اترے تو دو مردوں اور ایک خاتون کے بارے میں حکم فرمایا اور ان کو حد لگائی گئی <u>3</u> (ابوداؤد)

<u>3</u> **فضربو احدھم** (پس ان کو ان کی حد لگائی گئی) یہاں اس سے تہمت لگانے کی حد مراد ہے۔ کتاب رحمۃ الامۃ میں ہے ائمہ کرام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جب آزاد، عاقل، بالغ اور صاحب اختیار مسلمان صراحتاً زنا کی تہمت لگائے کسی ایسے آزاد، عاقل بالغ پاکباز مسلمان مرد پر جس پر زنا کی حد نہیں لگی ہے یا کسی آزاد، عاقلہ، بالغہ پاکدامن مسلمان خاتون پر جو لعان نہیں کی اور نہ اس پر حد زنا لگی ہے اور وہ (تہمت لگانے والا) دارالحرب میں نہیں ہے اور جس پر تہمت لگائی گئی ہے وہ حد کو قائم کرنے کا اپنی طرف سے مطالبہ کرے تو اس پر اسی (80) کوڑے حد لازم آئے گی اور اسی (80) سے زائد نہیں لگائی جائے گی۔ اور غلام کی حد تہمت لگانے میں تمام فقہاء کرام کے پاس آزاد آدمی کی حد کا نصف ہے۔ 12

4/4634۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ قبیلہ بنی بکر بن لیث کے ایک آدمی نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر چار مرتبہ اقرار کیا کہ ایک عورت سے اس نے زنا کیا4 تو آپ ﷺ نے اس کو سو کوڑے لگانے کا حکم فرمایا۔ وہ غیر شادی شدہ تھا۔ پھر آپ ﷺ نے اس سے اس عورت کے متعلق گواہ طلب کیے تو اس عورت نے کہا کہ خدا کی قسم یارسول اللہ ﷺ اس نے جھوٹ کہا تو آپ ﷺ نے تہمت کی حد (80) کوڑے لگانے کا حکم فرمائے۔ (ابوداؤد)

ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر جلاوطن کرنا ضروری ہوتا تو رسول اللہ صلی علیہ وسلم اس کو چھوڑتے نہیں تھے۔

5/4635۔ اوراس کی تائید اس روایت سے ہے جس کو محدث عبدالرزاق نے، اور امام محمد بن حسن نے کتاب الآثار میں ابراہیم نخعی سے روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا ان (زانی، زانیہ) کے فتنے کو ختم کرنے کے لئے ان دونوں کی قوت توڑ دینا کافی ہے۔

6/4636۔ اور ایک روایت میں جو امام محمد بن حسن نے ابراہیم نخعی سے کی ہے انہوں نے کہا اس کی قوت توڑ دینا اس کے فتنہ کو ختم کردینے کے لئے کافی ہے۔

---

4 قولہ: انه زنى بامراة و كان بكرا فجلده النبى صلى الله عليه وآله وسلم مائة الخ تم یہ بات یاد رکھو کہ زانیہ اور زانی کبھی شادی شدہ ہوتے ہیں اور کبھی غیر شادی شدہ ہوتے ہیں۔ حدیث شریف میں کوڑے لگانے کا مذکورہ حکم یہ غیر شادی شدہ کے لئے ہے۔ اور پھر یہ بات کہ غیر شادی شدہ کے لئے ہمارے پاس صرف کوڑے لگانا ہے یعنی غیر شادی شدہ کی حد ہمارے پاس صرف کوڑے لگانا ہے۔ اور نفی (شہر بدر کرنا) دونوں کو جمع نہیں کیا جائے گا۔ شہر بدر کرنا حد میں داخل نہیں ہے بلکہ یہ امر سیاسی ہے اور امام کی رائے کے حوالے ہے وہ چاہے تو کرے اور چاہے تو نہ کرے۔

اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا غیر شادی شدہ کی مکمل حد نفی کے ساتھ ہے یعنی ایک سال کے لئے شہر بدر کرنا بھی (حد میں) ہے یعنی کوڑے لگانے کے بعد زانی اور زانیہ کے درمیان ایک سفر کی مسافت کی دوری پیدا کرنا۔ نفی حدِ زنا کا (امام شافعی کے پاس) ایک حصہ ہے اور دونوں کا مجموعہ مکمل حد ہے۔

ہماری دلیل یہ حدیث شریف اور سورہ نور کی آیت کریمہ ہے کیونکہ وہ آیت حد کے بیان کے لئے ہے۔ اور مقام بیان میں کسی چیز کے بارے میں سکوت اختیار کرنا اس کے مکمل ہونے کی دلیل ہے۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے ''فاجلدوا'' (تو تم کوڑے مارو) کو جزا قرار دیا ہے۔ اور جزا نام ہے مکمل بدلے کا۔ پس مکمل حد صرف کوڑے لگانا ہے۔

اور ایک سال کے لئے جلاوطن کرنے کا قول کتاب اللہ پر زیادتی ہے۔ اور زیادتی ہمارے پاس نسخ ہے اور نسخ خبر واحد سے درست نہیں۔

اس باب میں زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ نفی (جلاوطن کرنا) حد کے طور پر نہیں بلکہ اس کو امر سیاسی قرار دیا جائے۔ علماء اصول نے ایسا ہی بیان کیا ہے۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں کوڑے اور نفی دونوں کا ذکر ہے۔ اور اس کی موافقت میں وہ حدیث ہے جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بیان کئے ہیں ''ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قضی فیمن زنی ولم یحصن بنفی عام و باقامۃ الحد علیہ'' یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر غیر شادی شدہ زنا کرے تو اس کے لئے ایک سال کے لئے جلاوطن کرنے اور اس پر حد قائم کرنے کا فیصلہ فرمایا۔

حضرات حنفیہ نے اس کا جواب یہ دیا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ جن احادیث کو بیان کئے ہیں وہ منسوخ ہیں اور بخاری شریف کی اس حدیث سے یہ حکم معلوم ہوتا ہے کہ شہر بدر کرنا

واجب حد میں داخل نہیں ہے کیونکہ نفی پر حد کا عطف کیا گیا ہے۔ پس اس کو محمول کیا جائے گا کہ آپ ﷺ بطور زجر و سیاست یہ عمل فرمائے ہیں۔

اور اسی پر محمول کیا جائے گا امام ترمذی وغیرہ کی روایت کو کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے زانی کو کوڑے لگایا اور ایک سال کے لئے شہر بدر کیا۔ اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا قول جس کی محدث عبدالرزاق نے تخریج کی ہے ''کفی بالنفی فتنہ'' ''جلاوطن کرنا فتنہ کو ختم کرنے کے لئے کافی ہے'' اس کی تائید کرتا ہے۔

اور حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ سے امام عبدالرزاق نے بیان کیا ہے کہ ربیعہ بن امیہ بن خلف کو شراب نوشی کی سزا میں جلاوطن کئے تھے تو ہرقل سے جا ملا اور عیسائیات کو اختیار کرلیا تو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا اب اس کے بعد میں کسی مسلمان کو شہر بدر نہیں کروں گا۔

اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان کا شہر بدر کرنا ایک سیاسی و تعزیری امر تھا۔ حد کے طور پر نہیں کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ جیسے خلیفہ حد کے قائم نہ کرنے پر قسم نہیں کھا سکتے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جلاء وطن کئے جانے کا ثبوت رسول اللہ صلی علیہ وسلم اور کبار صحابہ سے بلاشبہ قولاً و فعلاً ثابت ہے۔ لیکن ان روایات میں اس بات پر کوئی دلالت نہیں کہ یہ جلاء وطن کیا جانا حد کا ایک جز ہے۔ اور صرف کوڑے لگانا مکمل حد ہے پس مناسب بات یہی ہے کہ صرف کوڑے لگانے سے حد قرار دیا جائے جیسا کہ آیت کریمہ میں اس پر دلالت موجود ہے اور جلاء وطن کئے جانے کو جو کہ احادیث سے ثابت ہے سیاسی اور تعزیری امر قرار دیا جائے اور اگر وہ حدیث جس میں شادی شدہ زانی کو رجم کرنے اور کوڑے لگانے کا بیان ہے اسی (سیاست) پر اس کو بھی محمول کیا جائے تو یہ کوئی بعید بات نہیں۔ پس اس سے متعصبین کا حنفیہ کے خلاف یہ کہنا باطل ہو جاتا ہے کہ انہوں نے تغریب (شہر بدر کرنے) کے بارے میں مروی احادیث صحیحہ کی مخالفت کی ہے اور

7/4637۔ عبدالرزاق نے ابن میسب سے روایت کی ہے انہوں نے کہا کہ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے ربیعہ بن امیہ بن خلف کو شراب نوشی کی سزا میں خیبر کی طرف شہر بدر کر دیا تو وہ ہرقل (بادشاہ روم) سے جاملا اور نصرانی بن گیا تو سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا اس کے بعد اب میں کسی مسلمان کو شہر بدر نہیں کرونگا۔

امام محمد نے کتاب الآثار میں فرمایا ہے کہ ہم سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ کے قول کو اختیار کرتے ہیں۔

8/4638۔ حضرت سعید بن سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں محلّہ کے ایک آدمی کو لے کر آئے۔ جو اپاہج و بیمار تھا اور وہ اہل محلّہ کی باندیوں میں سے کسی کے ساتھ بدفعلی کرتے ہوئے پایا گیا تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کھجور کے شاخوں کا ایک گٹھا لو 5 جس میں سو چھڑیاں ہوں اور اس کو اس سے ایک مرتبہ مارو۔ اس کی روایت شرح السنہ میں ہے۔

(امام ابن ماجہ نے اس کے ہم معنی روایت کی ہے)

یہ بات بھی ظاہر ہوگئی کہ حنفیہ نے اس باب میں تمام آیات واحادیث پر عمل کیا ہے اور ہر ایک کو مناسب مقام میں رکھا ہے۔ اور جو کوئی یہ خیال کرتا ہے کہ جلاوطن کرنا حد کا ایک جز ہے اور آیت میں جو مذکور ہے وہ حد کا ایک حصہ ہے تو اس کو واضح دلیل لانا چاہئے۔

(تفسیرات احمدیہ، تعلیق مجد، عمدۃ الرعایۃ، شروح کنز)

5 قولہ خذوا لہ عثکالا فیہ مائۃ شمراخ الخ درمختار اور ردالمحتار میں ہے مریض زنا کرے تو اس کو رجم کیا جا سکتا ہے اور اس کے صحت یاب ہونے تک کوڑے نہیں لگائے جائیں گے مگر اس کے اچھے ہونے کی امید ختم ہو جائے تو اس پر کوڑے اس طرح لگائے جائیں کہ خفیف انداز میں مارا جائے جو اس کے لئے قابل برداشت ہو۔

9/4639۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ماعز بن مالک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کئے یہ کمبخت 6 زنا کیا ہے 7۔ آپ اس پر حد قائم کیجئے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لوٹا دیا پھر وہ دوسری مرتبہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کو اسی طرح فرمایا۔ پھر وہ تیسری مرتبہ حاضر ہوئے تو آپ نے ان کو اسی طرح فرمایا پھر چوتھی مرتبہ وہ حاضر ہو کر عرض کئے کہ یہ کمبخت زنا کیا ہے آپ اس پر حد قائم کر دیجئے۔

فتح القدیر میں ہے ایسی بیماری جس سے شفاء کی امید نہ ہو جیسے سل کی بیماری یا کمزور اعضاء کا ہو تو ہمارے پاس اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس سو کاڑیوں کے مٹھے سے ایک مرتبہ مارا جائے گا اور اس کے لئے تمام کاڑیاں بدن سے لگنا ضروری ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ کاڑیوں کا پھیلا ہوا ہونا ضروری ہے اور عثکال اور عثکول کھجور کے خوشہ کو کہتے ہیں۔

6 قولہ ان لاخر یعنی خیر کے مقامات سے پیچھے رہنے والا۔ اس کنایہ سے انہوں نے اپنی ذات مراد لی ہے۔ (تمسیق النظام)

7 قولہ قد زنی فاقم علیہ الحد فردہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ زنا گواہ اور اقرار سے ثابت ہوتا ہے۔ اور اقرار یہ ہے کہ بالغ عاقل اپنے نفس پر اپنی چار مجلسوں میں زنا کا چار مرتبہ اقرار کرے۔ اور جب بھی اقرار کرے قاضی اس کو واپس لوٹا دے بالغ اور عاقل ہونے کی شرط لگانا اس لئے ہے کہ بچے اور دیوانے کا قول غیر معتبر اور حد کو واجب نہیں کرتا۔ اور چار مرتبہ کی شرط ہمارا مذہب ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک مرتبہ اقرار کافی ہے۔ دوسرے تمام حقوق کی طرح۔ نیز امام شافعی اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ نے عسیف (مزدور) کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

اور ہماری دلیل حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار مجلسوں میں چار مرتبہ (زنا کا) اقرار مکمل ہونے تک حد کو مؤخر فرمایا۔ اگر

ایک مرتبہ اقرار کافی ہوتا چار مرتبہ کی ضرورت نہ ہوتی اور آپ ﷺ حد کے واجب ہونے کی خاطر اس کو مؤخر نہ کرتے اور اس لئے بھی کہ اُس کی شہادت کا نصاب زائد تعداد کے ساتھ خاص ہے۔ لہٰذا زنا کے معاملہ میں اس کے سنگین ہونے کی وجہ سے اقرار کو چار مرتبہ ضروری قرار دیا گیا ہے تا کہ مؤمن کی ستر پوشی ہو سکے۔ (مأخوذ ہدایہ وبنایہ) اور کتاب ''تنسیق النظام'' میں ہے کہ بکثرت روایت سے چار مرتبہ اقرار کا وجوب ثابت ہے ورنہ کس طرح خیال کیا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چار مجالس میں اقرار ہونے تک اقامت حد کو، واجب ہونے کے باوجود مؤخر کرتے رہے اور اس سے اعراض کرتے رہے اور ان کو واپس کر دیتے رہے جیسا کہ مسلم شریف کی روایت میں ہے۔

اب رہا مزدور کی حدیث (یعنی مزدور جو زنا کا مرتکب ہوا تھا) کی حدیث میں ''یا انیس ان اعترفت اربع مرات'' (اے انیس اگر وہ عورت چار مرتبہ اقرار کرے) یہ الفاظ نہیں ہیں۔ لیکن کسی چیز کا ذکر نہ ہونے سے اس چیز کا فی الواقع نہ ہونا لازم نہیں آتا۔ اور امام طحاوی نے فرمایا ان تمام روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ زنا کی حد کے واجب ہونے کے لئے اقرار زنا کا چار مرتبہ ہونا ضروری ہے۔ جو اس طرح اقرار کرے گا اس پر حد جاری ہوگی اور جو اس سے (چار مرتبہ سے) کم اقرار کرے گا تو اس پر حد جاری نہیں ہوگی۔ امام اعظم، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا یہی قول ہے اور سیدنا علی مرتضی رضی اللہ تعالی عنہ نے بھی شراحہ ہمدانیہ کے معاملہ میں اسی پر عمل کیا کیونکہ انہوں نے ان کو چار مرتبہ واپس کیا۔

اور امام طحاوی رحمتہ اللہ علیہ نے عسیف کی حدیث کے بارے میں فرمایا کہ آپ ﷺ کے ارشاد ''اے انیس اس عورت کے پاس جاؤ اگر وہ اقرار کرے تو اس کو رجم کر دو'' اس میں چار مرتبہ ذکر نہیں ہے تو ہوسکتا ہے حضرت انیس کو حد زنا کے وجوب کے لئے اعتراف کا جو طریقہ ہے وہ معلوم رہا ہو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز وغیرہ کے معاملہ میں صحابہ کو یہ بات بتائی تھی اور انیس کو یہ بات معلوم ہے کہ کس اقرار سے حد واجب ہوتی ہے اسی لئے آپ ﷺ نے ان کو اس کا حکم دیا ہو۔

تو آپ ﷺ نے ان کے بارے میں اپنے صحابہ سے دریافت فرمایا کیا تم ان کی عقل میں کچھ فتور پاتے ہو تو انھوں نے کہا ''نہیں'' تو آپ ﷺ نے فرمایا ان کو لے جاؤ اور رجم کردو۔ 8

---

8 قولہ فارجموہ لانہ کان محصنا (ان کو رجم کردو کیونکہ وہ شادی شدہ تھے) شادی شدہ کے بارے میں رجم متواتر المعنی احادیث واخبار سے ثابت ہے اگرچیکہ اس کی تفصیلات خبر واحد یا مشہور سے آئی ہیں۔ اور اس کی تائید الشیخ والشیخۃ اذا زنیا (الآیۃ) کی قرأت سے ہوتی ہے اگرچیکہ یہ آیت منسوخ التلاوۃ ہے اور یہ مجموعہ اللہ تعالی کے ارشاد الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما (الایۃ) کے عموم کے لئے شادی شدہ کے حق میں مخصص ہے اور غیر شادی شدہ اپنی حالت پر اس جلد (کوڑے مارنے) کے حکم میں باقی رہے گا۔ اور یہ مجموعہ قطعی متواتر ہے جو اس کا ناسخ بن سکتا ہے۔ کتب صحاح میں سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا قول مروی ہے جس کو آپ نے اپنے خطبہ میں فرمایا تھا۔ وایم اللہ لو لا ان یقول الناس زاد عمر فی کتاب اللہ لکتبتھا۔ اللہ کی قسم اگر اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ کہیں گے کہ عمر نے اللہ کی کتاب میں اضافہ کردیا ہے تو میں اس کو ضرور لکھدیتا۔ پھر حضرت ماعز بن مالک اسلمی کی حدیث جس کی اصحاب صحاح ستہ نے تخریج کی ہے اور امام مالک اور دوسروں نے بھی مختلف الفاظ اور مختلف مضامین کے ساتھ مطول اور مختصر بکثرت صحابہؓ سے روایت کی ہے۔ جیسے حضرت عبادہ بن صامت، ابن عباس، ابو ہریرہ، ابو سعید، بریدۃ بن الخصیب اسلمی، اور جابر بن عبداللہ وغیرہ رضی اللہ تعالی عنھم اجمعین اور یہ حدیث مشہور ہے جس سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے۔ اور اس کی بکثرت روایتیں ہیں اور صحیحین وغیرہ میں متعدد روایتیں موجود ہیں کہ جن سے زنا کا اپنے اوپر اقرار کرنے والے کے لئے چار مرتبہ گواہی کا شرط ہونا ظاہر ہے۔ ابوداؤد شریف میں نعیم بن ہزال کی حدیث میں ہے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا انک قد قلتھا اربع مرات الخ (تم تو اس کا 4 مرتبہ اقرار کرکے بتلاؤ کس کے ساتھ یہ حرکت کی ہے تو انہوں نے کہا فلاں خاتون کے ساتھ)

راوی نے کہا کہ ان کو لے جایا گیا اور پتھروں سے سنگسار کیا گیا اور جب ان کے قتل میں دیر ہونے لگی تو وہ بہت پتھر والے ایک مقام میں جا کر ٹھہر گئے تو مسلمان ان کے پاس پہنچ کر ان کو پتھروں سے سنگسار کئے یہاں تک کہ ان کو قتل کر دئے۔

جب یہ خبر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے فرمایا کیوں تم ان کا راستہ چھوڑ نہیں دئے۔ 9 لوگ ان کے بارے میں مختلف ہو گئے کسی کہنے والے نہ کہا یہ ماعز کو خود کو ہلاک کر لئے "

اور یہ بھی اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ ایسا ہی ضروری اور واجب ہے جیسے کہ مزنیہ (جس کے ساتھ زنا کیا گیا) کے بارے میں سوال ضروری ہے و نیز اس طرف اشارہ ہے کہ یہ وجوب حد کے ارکان میں سے ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو کرتے تھے کہ غامدیہؓ (خاتون) اور حضرت ماعز بن مالکؓ اپنے اعتراف کر لینے کے بعد اگر رجوع کر لیتے یا راوی نے یہ کہا اپنے اعتراف کر لینے کے بعد وہ دونوں پھر لوٹ کر نہ آتے تو آپ ﷺ ان دونوں کو طلب بھی نہ کرتے۔ آپ ﷺ نے تو ان دونوں کو رجم کا حکم چوتھی مرتبہ میں فرمایا۔ اور اس طرح کی کتب صحاح میں بکثرت روایتیں موجود ہیں۔ (تنسیق النظام)

9 قولہ **فقال هلا خليتم سبيله**۔ (آپ نے فرمایا کیوں تم ان کا راستہ چھوڑ نہیں دیئے) اسی لئے صاحب ہدایہ نے فرمایا۔ اقرار کرنے والا اس پر حد قائم ہونے سے پہلے یا اس کے درمیان اپنے اقرار سے رجوع کر لے تو اس کو قبول کر لیا جائے گا۔ اور اس کو چھوڑ دیا جائے گا۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور ابن ابی لیلی کا یہی قول ہے کہ اس پر حد قائم کی جائے گی کیونکہ اس کے اقرار سے حد واجب ہو چکی ہے اب اس کے رجوع کرنے اور انکار کرنے سے باطل نہیں ہوگی کہ جس طرح گواہی کے ذریعہ واجب ہو تو ساقط نہیں ہوتی

اور ایک کہنے والے نے کہا میں ان کے لئے توبہ کی امید کرتا ہوں یہ بات حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ یقیناً اس نے ایسی توبہ کی ہے 10 کہ لوگوں کی ایک بڑی جماعت یہ توبہ کرتی تو ان کی یہ توبہ قبول ہو جاتی۔

اور یہ قصاص اور حد قذف کی طرح ہے جو ساقط نہیں ہوتے لیکن ہماری دلیل یہ ہے کہ اس کا رجوع کر لینا ایک خبر ہے جس میں اقرار کی طرح سچائی کا احتمال ہے۔ اور اس کو جھٹلانے والا بھی کوئی نہیں ہے۔ اس لئے اس کے اقرار میں شبہ پیدا ہو گیا۔ برخلاف حقوق کے جیسے قصاص اور حدِ قذف کہ اس میں اس کو جھٹلانے والا موجود ہے۔ لیکن جو خالص حق الشرع ہیں ان کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔ عمدۃ الرعایہ میں ہے اگر اقرار کرنے والا حد جاری کرنے سے پہلے یا اس کے درمیان میں اپنے قول یا فعل کے ذریعہ اس سے رجوع کر لے تو اس کو چھوڑ دیا جائے گا۔ قول کے ذریعہ رجوع کرنے کی صورت یہ ہے کہ وہ یوں کہے کَذَبْتُ فِی اِقْرَارِی میں اپنے اقرار میں جھوٹ بولا ہوں۔ یا یوں کہے ما اقررت بالزنا میں زنا کا اقرار نہیں کیا ہوں۔ اور فعل کے ذریعہ رجوع کرنے کی صورت یہ ہوگی کہ رجم کے وقت وہ بھاگ جائے اسی طرح شادی شدہ ہونے کے اقرار سے رجوع کر لے تو یہ بھی درست ہے۔ (البحر، الثانیہ) نیز یہ مذکورہ حدیث شریف بھی ہماری دلیل ہے۔

10 قولہ فقال لقد تاب توبۃ الخ (یقیناً ایسی توبہ کی) تنسیق النظام میں ہے کہ حد توبہ ہونے اور گناہ کا کفارہ ہونے اور اخروی مؤاخذہ کو ختم کر دینے کے مسئلہ میں ہمارا مذہب یہ ہے کہ حدود زواجر ہے جو اس طرح کی برائی سے رک جانے اور دنیا کے نظام کو بہتر رکھنے کے لئے مقرر کئے گئے ہیں۔ اور یہ کفارات نہیں ہیں۔ اصولِ فقہ کی کتابیں اس سے بھری پڑی ہیں۔ اس مسئلہ میں شارحینِ حنفیہ اور عام شارحینِ ہدایہ سوائے ابن ہمام کے اس کے درپے نہیں ہوئے یہ اس لئے کہ نصوصِ قرآنیہ حدود کے کفارات نہ ہونے پر ناطق ہیں۔ جیسے حدود فی القذف کے بارے میں قرآن پاک کی آیت ہے۔ اولئک هم الفاسقون الا الذین تابوا۔ یہی لوگ

فاسق ہیں مگر وہ لوگ جو توبہ کریں۔ اور قطاع الطریق (ڈاکوؤں) کے متعلق آیت کریمہ ہے
اولئک لھم خزی فی الدنیا ولھم فی الآخرۃ عذاب عظیم الا الذین تابوا ۔ان
لوگوں کے لئے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں بڑا عذاب ہے مگر وہ لوگ جو توبہ کریں۔

ان کے سوا اور بہت سی آیتیں ہیں۔ اس لئے قطعی کی موافقت کے لئے ظنی کی تاویل کرنا ضروری ہے۔ جب کہ مسلم شریف میں حضرت ماعز رضی اللہ تعالی عنہ کے واقعہ کے متعلق حضرت بریدہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت موجود ہے۔ ثم جاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ھم جلوس فسلم ثم جلس الخ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے صحابہ بیٹھے ہوئے تھے آپ نے سلام کیا پھر تشریف فرما ہوئے اور ارشاد فرمائے کہ ماعز بن مالک کے لئے تم استغفار کرو۔ راوی نے کہا کہ صحابہ نے دعا کی، اللہ ماعز بن مالک کی مغفرت فرمائے۔ اور اس روایت میں یہ بھی ہے کہ فقال ویحک ارجع فاستغفر اللہ وتب الیہ آپ نے فرمایا افسوس ہے اللہ تم پر رحم کرے، واپس جاؤ اور اللہ سے مغفرت چاہو اور اس کی جناب میں توبہ کرو۔ پس اس سے قطعی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حد ایک دوسری چیز ہے۔ اور گناہ و استغفار حد کے بعد بھی رہ سکتا ہے۔ اور ابوداؤد اور دوسرے محدثین کی ایک حدیث میں صراحت ہے کہ (ایک واقعہ میں) ہاتھ کاٹا گیا اور ان کو لایا گیا تو آپ نے فرمایا اللہ سے استغفار کر اور اس کی جناب میں توبہ کر۔ تو انہوں نے کہا میں اللہ سے استغفار کرتا ہوں اور اس کی جناب میں توبہ کرتا ہوں۔ پھر آپ نے تین مرتبہ دعا فرمائی کہ اللھم تب علیہ اے اللہ تو اس کی توبہ قبول فرما۔ فاطمہ مخزومیہ جس نے چوری کی تھی اس کے واقعہ میں صحیحین وغیرہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کی سند سے روایت ہے۔ فتابت و حسنت توبتھا وہ توبہ کی اور اچھی توبہ کی۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر حد ہی توبہ ہوتی تو ازسرِ نو توبہ کی ضرورت نہ رہتی۔

ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ضروری ہے کہ حدیث شریف کو محمول کیا جائے۔ ایسی صورت پر

پس جب یہ بات لوگوں تک پہنچی تو ان کے بارے میں نیک توقع کیے اور حضور سے دریافت کئے کہ ان کے جسم کا کیا معاملہ کیا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ان کے ساتھ وہ معاملہ کرو [11] جو اپنے اموات کے ساتھ کفن، نماز اور دفن کا کرتے ہو تو راوی نے کہا تب ان کے ساتھی ان کو لے کر گئے اور ان پر نماز پڑھے۔

(مسلم، امام ابوحنیفہ نے اس کی روایت کی ہے)

جب کہ سزا کے وقت میں توبہ کرے۔ کیونکہ اپنے ضرب اور رجم کے وقت اس فعل سے جس کے سبب اس کو یہ مزہ چکنا پڑا توبہ بھی کیا ہوگا۔ تمام اَدِلّہ واحادیث کو جمع کرنے کے بعد اس کو اسی طرح سے مقید کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ بات طئے ہے کہ ظنی کو قطعی سے معارضہ کے وقت مقید کیا جاتا ہے۔ لیکن قطعی کو مقید نہیں کیا جاتا ہے۔

[11] قولہ ''قال اصنعو ابہ ماتضعون بموتاکم من الکفن والصلوۃ علیہ والدفن''۔

(ان کے ساتھ وہ معاملہ کرو جو اپنے اموات کے ساتھ کفن، نماز اور دفن کا کرتے ہو) اسی لئے صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ اس کو غسل دیا جائے گا اور کفن پہنایا جائے گا اور اس پر نماز پڑھی جائے گی۔

امام مسلم نے اسی کے ہم معنی روایت کی ہے مگر انہوں نے یہ ذکر کیا ہے کہ ماعز بن مالک اسلمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ (ﷺ) میں اپنے نفس پر ظلم کیا اور مجھ سے زنا ہوگیا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ (ﷺ) مجھے پاک کریں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں واپس لوٹا دیا جب دوسرا دن آیا تو وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کئے یا رسول اللہ مجھ سے زنا ہوگیا۔ تو آپ ﷺ نے دوسری مرتبہ بھی انہیں واپس لوٹا دیا۔

امام طحاوی نے فرمایا کہ حضرت بریدہ نے کہا کہ ہم اصحاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپس میں گفتگو کیا کرتے تھے کہ ماعز بن مالک اگر تین مرتبہ اپنے اعتراف کے بعد گھر میں بیٹھ جاتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو طلب نہیں کرتے تھے۔ اس کے سوا نہیں کہ ان کو چوتھی مرتبہ کے بعد سنگسار کیا گیا ہے۔

10/4640 ۔ امام احمد ابن ابی شیبہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا کہ ماعز بن مالک حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے میں اس وقت آپ کے پاس تھا اور ایک مرتبہ اعتراف کئے۔ 12 آپ ﷺ ان کو واپس لوٹا دئے پھر وہ اعتراف کئے تو دوسری مرتبہ بھی میں آپ ﷺ کے پاس تھا آپ ﷺ ان کو واپس لوٹا دئے تو وہ پھر آئے اور اعتراف کئے تیسری مرتبہ بھی میں آپ ﷺ کے پاس تھا آپ ان کو واپس لوٹا دئے تو میں نے ان سے کہا اگر تم چوتھی مرتبہ اعتراف کرو تو تم کو رجم کردیں گے۔

راوی نے کہا کہ انہوں نے چوتھی مرتبہ اعتراف کیا تو آپ ﷺ نے انہیں روکا اور ان کے بارے میں دریافت فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا ہم ان کے بارے میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ ان کے لئے حکم دیا گیا تو وہ سنگسار کئے گئے۔

---

12 قولہ فردہ ثم جاء (آپ ﷺ نے ان کو لوٹا دیا پھر وہ آئے) صاحب مرقات نے فرمایا اس حدیث شریف میں ان کے آنے کی تعداد کی صراحت ہے۔ اور اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس مقام سے چلے گئے ہوں اور پھر آئے ہوں اسی لئے ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ جا کر واپس آئے تو یہ ایک دوسری مجلس قرار پاتی ہے۔

11/4641 ۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ سیدنا ماعز بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ یہ کمبخت نے زنا کیا ہے۔ تو آپ نے ان سے فرمایا تیرا بھلا ہو تجھے کیا معلوم زنا کیا ہے۔ آپ نے ان کے بارے میں حکم دیا تو ان کو ہٹا کر نکال دیا گیا۔ تو پھر وہ دوسری مرتبہ آئے اور آپ سے اسی طرح عرض کئے تو آپ نے ان کے بارے میں حکم فرمایا تو ان کو ہٹا کر نکال دیا گیا۔ پھر تیسری مرتبہ حاضر ہو کر انہوں نے ایسا ہی کہا تو آپ ﷺ نے ان کے بارے میں حکم فرمایا تو ان کو ہٹا کر نکال دیا گیا۔ پھر وہ چوتھی مرتبہ حاضر ہو کر اسی طرح عرض کئے تو آپ نے فرمایا کیا تم نے ادخال 13 و اخراج کیا ہے تو انہوں نے کہا ہاں۔ تو آپ نے ان پر رجم کرنے کا حکم فرمایا۔ (صحیح ابن حبان)

اور امام طحاوی نے فرمایا کہ سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ نے شراحہ کے معاملہ میں اس پر عمل کیا۔ اور انکو چار مرتبہ واپس لوٹایا۔

12/4642 ۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے انہوں نے فرمایا جب ماعز بن مالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا شاید تم نے تو بوسہ دیا 14 یا دبایا اس کو دیکھا ہوگا انہوں نے کہا نہیں یا رسول اللہ۔

---

13 **قولہ: ادخلت و اخرجت قال نعم** : اسی لئے صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ چار مرتبہ اس کا اقرار پورا ہو جائے گا تو زنا کے بارے میں پوچھے کہ زنا کیسے ہوتا ہے اور وہ کہاں زنا کیا کس کے ساتھ کیا۔ پس جب وہ اس کی وضاحت کردے تو حد اس پر ضروری ہو جاتی ہے۔

14 **قولہ لعلک قبلت او غمزت الخ** : صاحب ہدایہ نے فرمایا امام کے لئے اقرار کرنے والے کو رجوع کرنے کے لئے تلقین کرنا مستحب ہے اور وہ اس سے اس طرح کہے شاید تو لمس کیا ہے یا بوسہ دیا ہے وغیرہ۔

تو بغیر کنایہ کے آپ ﷺ نے صریح الفاظ میں فرمایا واقعی تم نے زنا کیا؟ تو وہ عرض کئے ہاں تو اس وقت آپ ﷺ نے ان کو رجم کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ (بخاری)

12/4642 ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک آدمی حاضر ہوا آپؐ مسجد میں تشریف فرما تھے اور آواز دیا یارسول اللہ بلاشبہ مجھ سے زنا ہوگیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اعراض کئے تو وہ جس جانب سے آتا تو آپ ﷺ رخ ہٹا لیتے پھر ادھر آکر کہا میں زنا کا مرتکب ہوگیا ہوں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے پھر اعراض کئے اور جب 15 چار مرتبہ وہ گواہی دیا تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا کر فرمایا کیا تجھ کو جنون ہوگیا 16 تو انہوں نے کہا نہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا تو شادی شدہ ہے؟ تو اس نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ تو آپ نے فرمایا ان کو لے جاؤ اور رجم 17 کردو۔

---

15 قولہ: فلما شهد اربع شهادات الخ یعنی چار مرتبہ چار مجلسوں میں گواہی دیا ہو بشرطیکہ ہر مرتبہ غائب ہوکر اگر اسی چیز کی گواہی دیا ہو اور وہ دلیل سے ثابت ہوچکی ہو تو ایسی چار گواہیاں چار گواہوں کے درجے میں ہیں۔

اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے چار طرف سے آنے کی بناء پر استدلال کئے ہیں کہ چار مجلسوں میں چار مرتبہ اس کا اقرار کرنا شرط ہے۔ (مرقات)

16 قولہ: اَبِکَ جُنُوْنٌ (کیا تجھ کو جنون ہے) اس میں اشارہ ہے کہ مجنون کا اقرار باطل ہوتا ہے اور اس پر حدود جاری نہیں ہوتے۔

17 قولہ: فارجموه: اس میں دلیل ہے اس بات کی کہ رجم کرنا کافی ہے اور اس کو کوڑے نہیں لگائے جائیں گے۔ (مرقات)

ابن شہاب نے کہا مجھے ان صاحب نے بتایا جنہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرماتے ہوئے سنا کہ ہم ان کو مدینہ میں رجم کئے اور جب ان کو پتھر لگے تو وہ بھاگنا شروع کئے 18 تو ہم ان کو مقام حرہ میں پائے پھر رجم کئے۔ 19 یہاں تک کہ ان کی موت واقعہ ہوگئی۔ (متفق علیہ)

13/4643۔ بخاری شریف میں جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک اور روایت میں "قال نعم" (انہوں نے کہا ہاں) کے بعد یہ ہے۔ پس ان کے بارے میں آپ ﷺ نے حکم دیا تو عیدگاہ میں ان کو رجم 20 کیا گیا۔ اور جب ان کو پتھر لگے تو وہ بھاگے اور پکڑے گئے پھر ان پر رجم ہوا یہاں تک کہ ان کی موت واقع ہوئی۔ پس حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اچھائی سے یاد کیا اور ان کی نماز پڑھی۔

---

18 قولہ هرب: اس میں دلیل ہے اس بات کی کہ جس پر رجم کیا جائے گا اس کو باندھا نہیں جائے گا اور گڑھے میں بھی اتارا نہیں جائے گا۔ کیونکہ ایسی کوئی چیز ہوتی تو اس کے لئے بھاگنا ممکن نہ ہوتا۔ (مرقات)

19 قولہ فرجمناہ حتی مات: ابن ہمام نے فرمایا اگر وہ اقرار کیا تھا اور رجم کرتے وقت بھاگ جائے تو پیچھا نہیں کیا جائے گا۔ اور اس کو چھوڑ دیا جائے گا۔ اور اگر اس پر گواہی دی گئی تھی تو پیچھا کیا جائے گا اور رجم کیا جائے گا یہاں تک کہ موت واقع ہو جائے کیونکہ اس کا بھاگنا ظاہر ہے وہ رجوع ہے اور اس رجوع پر اقرار کی صورت عمل کیا جائیگا۔ گواہوں کی صورت میں نہیں۔ (مرقات)

20 قولہ فرجم فی المصلی: اسی لئے صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ اس کو کھلی زمین میں لے جائیں گے۔ اور عمدۃ الرعایہ میں ہے۔ فضاء سے مراد "میدان اور کشادہ مقام ہے" اور اس کی اصل حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو مصلی میں رجم کرنا ہے جیسا کہ صحیحین وغیرہ میں روایت آئی ہے اور مصلی ان دنوں کشادہ مقام میں تھا۔ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ کشادہ مقام رجم کرنے کے لئے زیادہ موزوں ہے۔ اور اس میں رجم کرنے والوں کو آپس میں پتھر

14/4644 ۔ بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ماعز بن مالک نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہ مجھے پاک کیجئے تو آپ نے ارشاد فرمایا ''ویحک'' اللہ تم پر رحم کرے۔ واپس جاؤ اور اللہ سے استغفار کرو اور اس کی جناب میں توبہ کرو اور راوی نے کہا کہ وہ کچھ دور واپس گئے 21ے پھر آئے 22ے اور عرض کیا یارسول اللہ مجھے پاک کر دیجئے تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی فرمایا۔ یہاں تک کہ جب چوتھی مرتبہ میں ان سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کس چیز سے تمہیں پاک کروں۔

لگنے کا امکان بھی نہیں ہے۔ اور امام نووی نے فرمایا ماعز رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث میں مصلی سے مراد نماز جنازہ کی جگہ ہے۔

اسی لئے دوسری روایت میں بقیع غرقد کا ذکر ہے۔ جو مدینہ طیبہ میں جنازوں کی جگہ ہے۔

اس میں اس امر کی بھی دلیل ہے کہ جنازہ کی نماز کی جگہ مسجد کے حکم میں بالکل نہیں ہے۔ کیونکہ اگر مسجد کے حکم میں ہوتی تو اس میں رجم سے اجتناب کیا جاتا۔ تاکہ وہ خون آلود نہ ہوجائے (ماخوذ از ردالمحتار اور مرقات)

فتاوی عالمگیری میں ہے۔ عیدگاہ اور نماز جنازہ کے مقام کے بارے میں اختلاف ہے اور قول راجح ہے کہ وہ مسجد کے حکم میں نہیں ہے اگرچہ کہ جواز اقتدار میں وہ مسجد کی طرح سے ہے کہ وہ ایک ہی مکان کی طرح ہے۔ (تبیین)

21ے: فرجع غیر بعید ای رجوعا غیر بعید ''یعنی کچھ دور گئے'' (مرقات)

22ے قولہ ثم جاء الخ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت ماعز اور غامدیہ خاتون ان دونوں نے توبہ پر کیوں اطمینان نہیں کیا۔ جب کہ ان سے گناہ ساقط ہوجاتے ان کا مقصد حاصل ہوجاتا۔ اور کیوں وہ دونوں اقرار پر جمے رہے یہاں تک کہ ان کو رجم کیا گیا۔

تو انہوں نے کہا زنا سے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا ان کو دیوانگی ہے بتایا گیا کہ وہ دیوانے نہیں ہیں تو آپ نے فرمایا کیا انہوں نے شراب پی ہے۔ 23؎ تو ایک صاحب نے اٹھ کر ان کو سونگھا۔ تو وہ شراب کی بو نہیں پائے۔ تو آپ نے فرمایا کیا تم نے زنا کیا ہے تو انہوں نے کہا ہاں۔ تو ان کے بارے میں آپ ﷺ نے حکم دیا تو وہ رجم کئے گئے اور لوگوں کے لئے دو یا تین دن کا وقفہ گزرا تھا کہ پھر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمائے ماعز بن مالک کے لئے تم استغفار کرو۔ 24؎ یقیناً وہ ایسی توبہ کئے ہیں ایک امت پر وہ تقسیم کی جائے تو ان کے لئے کافی ہو جائے گی۔ پھر آپ کے پاس قبیلہ ازد کے ایک غامدیہ خاتون آئی اور عرض کی یا رسول اللہ مجھے پاک کیجئے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تم پر رحم کرے تم واپس جاؤ، استغفار کرو اور اللہ کی جناب میں توبہ کرو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حد سے ان کا پاک ہو جانا یقینی ہے خاص طور جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا مشاہدہ فرمائے ہوں۔ اب رہا توبہ تو اس میں اندیشہ ہے کہ وہ توبہ توبہ نصوح نہ ہو توبہ کے شروط میں سے کوئی شرط پائی نہ جائے۔ (مرقات)

23؎ قولہ اشرب خمر افقام رجل فاستنکھہ فلم یجد ریح خمر

امام نووی نے فرمایا کہ حضرات مالکیہ اور جمہور اہل حجاز نے اس سے استدلال کیا ہے کہ جس آدمی کے منہ سے شراب کی بو آئے اس پر حد جاری کی جائے گی اگرچیکہ اس کی شراب نوشی سے متعلق کوئی ثبوت نہ ہو اور وہ اقرار بھی نہ کیا ہو۔ لیکن شافعیہ اور حنفیہ وغیرہ کہتے ہیں کہ محض شراب کی بو سے حد جاری نہیں کی جائے گی بلکہ حد جاری کرنے کے لئے گواہ کا ہونا یا اس کا اقرار کرنا ضروری ہے اور اس حدیث شریف میں مالکیہ کے استدلال کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے۔

24؎ قولہ فقال استغفروا لماعز بن مالک لقد تاب توبۃ لو قسمت بین امۃ لوسعتھم (تم ماعز کے لئے استغفار کرو بلا شبہ وہ ایسی توبہ کئے ہیں کہ اگر وہ ایک

تو انہوں نے عرض کیا، آپ مجھے بار بار واپس کر دینا چاہتے ہیں۔ جیسے ماعز کو واپس کئے تھے۔ جب کہ یہ زنا سے حمل ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ کیا تو حاملہ ہے؟ وہ کہی ہاں آپ ﷺ نے اس سے فرمایا تاوقتیکہ تیرا وضع حمل ہو جائے (انتظار کر) 25 راوی کہتے ہیں ایک انصاری صاحب نے ان کے وضع حمل ہونے تک ان کی کفالت کی پھر وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کئے غامدیہ کو وضع حمل ہوا ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تب تو ان کو ہم رجم نہیں کریں گے جب کہ ہم ان کے چھوٹے بچے کو اس حال میں چھوڑ دیں کہ اس کو کوئی دودھ پلانے والی نہ ہو تو ایک انصاری صاحب کھڑے ہوئے اور عرض کئے یا نبی اللہ (ﷺ) اس کی رضاعت میرے ذمہ ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ان کے لئے رجم کا حکم صادر فرمایا۔

15/4645 ۔اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اس سے فرمایا جاؤ یہاں تک کہ بچہ تولد ہو۔ جب بچہ تولد ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ اور اس کو دودھ پلاتے رہو یہاں تک کہ اس کا دودھ چھڑا دو۔

امت میں تقسیم کی جائے تو ان سب کے لئے کافی ہو جائے گی) اگر تم یہ سوال کرو کہ ان کی توبہ قبول ہو چکی تو استغفروا للماعز (تم ماعز کے لئے استغفار کرو) کا کیا فائدہ ہے۔ تو میں کہوں گا کہ اس کا فائدہ ایسا ہی ہے جیسا اذا جاء نصر اللہ سے واستغفرہ تک کی عبارت میں۔ اور انا فتحنا لک فتحا مبینا لیغفر لک اللہ میں۔ دوسری چیز یعنی استغفار کا حکم مزید مغفرت طلب کرنا اور مقامات قرب میں ترقی اور اس پر ثابت قدمی کو طلب کرنا ہے۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے واستغفروا ربکم ثم توبوا الیہ (تم اپنے پروردگار سے بخشش مانگو پھر اسی کی طرف متوجہ رہو)۔ (مرقات)

25 قولہ: قال لہا حتی تضعی مافی بطنک اس سے ظاہر ہے کہ حاملہ پر جب تک وضع حمل نہ ہو جائے حد جاری نہیں کی جائے گی تا کہ اس گنہگار کی وجہ سے ایک بے گناہ کو ہلاک کرنا لازم نہ آئے خواہ وہ سزا حقوق اللہ سے متعلق ہو یا حقوق العباد سے متعلق ہو۔ (مرقات، ہدایہ)

پس جب وہ اس کا دودھ چھڑا دی تو بچہ کو اس حالت میں لے کر حاضر ہوئی کہ اس کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا تھا اور عرض کی یا نبی اللہ (ﷺ) اس کا میں دودھ چھڑا دی ہوں 26ے اور یہ کھانا شروع کیا ہے۔

پس آپ ﷺ اس لڑکے کو مسلمانوں میں سے ایک صاحب کے حوالہ کئے اور اس خاتون کے بارے میں حکم فرمائے تو ان کے سینہ کے برابر گڑھا کھودا گیا 27ے پھر آپ نے لوگوں کو حکم فرمایا تو انہوں نے اس کو رجم کیا۔ خالد بن ولیدؓ ایک پتھر لے کر آگے بڑھے اور ان کو ایک پتھر مارے تو خالدؓ کے چہرہ پر خون کے چھینٹے پڑے تو خالد نے ان کو برا بھلا کہا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے خالد رک جاؤ اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے وہ ایسی توبہ کی ہے اگر ٹیکس وصول کرنے والے بھی ایسی توبہ کرے تو اس کی مغفرت ہو جائے پس آپ نے اس خاتون کے بارے میں (میت کو گڑھے سے باہر نکالنے کا) حکم فرمایا اور ان پر نماز پڑھی۔ اور ان کو دفن کیا گیا۔ (مسلم)

26ے قولھا: قد فطمتہ وقد اکل الطعام (اس کا دودھ میں چھڑا دی ہوں اور وہ کھانا شروع کیا ہے) اس میں دلیل ہے اس بات کی کہ حاملہ کے رجم کو اگر اس کے بچے کے لئے کوئی نگرانی کرنے والا نہ ملے تو اس کو اس وقت تک مؤخر کریں گے جب تک اس کے بچے کے لئے اس کی ضرورت باقی نہ رہے۔ موخر کرنے میں بچہ کو ضائع ہونے سے بچانا ہے اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک قول میں یہی فرمائے ہیں اور یہ دوسری روایت آپ کے اس قول کی تائید کرتی ہے اور حضرت امام صاحب کے ایک قول میں یہ ہے کہ جب حاملہ عورت زنا کا ارتکاب کرے تو اس کے وضع حمل تک اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی اور یہی حدیث شریف آپ کے اس قول کی تائید کرتی ہے۔ (مرقات، ہدایہ)

27ے قولہ فحفر لھا الی صدرھا (پس ان کے لئے ان کے سینے تک گڑھا کھودا گیا) میں یہ احتمال ہے کہ حضور علیہ والہ الصلاۃ والسلام کے حکم کے بغیر گڑھا کھودا گیا ہو،

16/4646 ۔ حضرت یزید بن نعیم بن ھزال سے روایت ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ حضرت ماعز بن مالک یتیم تھے۔ میرے والد کے زیر پرورش تھے انہوں نے قبیلہ کی ایک لڑکی سے زنا کا ارتکاب کیا۔ تو ان سے میرے والد نے کہا تم حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور جو حرکت تم کئے ہو اس کی آپ کو خبر دو تا کہ تمہارے لئے وہ استغفار کریں۔ وہ اس کا صرف اس امید میں ارادہ کئے کہ ان کے لئے کوئی راستہ نکل آئے۔ پس وہ آپ ﷺ کے پاس پہنچ کر عرض کئے یا رسول اللہ ﷺ میں نے زنا کا ارتکاب کیا۔ مجھ پر آپ اللہ کا فرمان جاری کیجئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے منہ پھیر لئے تو وہ پھر آئے 28 اور عرض کئے یا رسول اللہ (ﷺ) میں نے زنا کا ارتکاب کیا۔ مجھ پر آپ اللہ تعالیٰ کا فرمان جاری کیجئے۔ یہاں تک کہ اس کو چار مرتبہ کہا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے چار مرتبہ یہ جو بات کہی ہے یہ معاملہ کس کے ساتھ ہوا تو انہوں نے عرض کیا فلاں خاتون کے ساتھ تو آپ نے فرمایا کیا تم اس کے ساتھ سوئے تھے تو انہوں نے عرض کیا ہاں تو آپ نے فرمایا کیا تم اس کے ساتھ مباشرت کئے تو انہوں نے عرض کیا ہاں تو آپ نے فرمایا کیا

اسی لئے صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ گڑھا نہ کھودنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم نہیں فرمایا۔ مگر بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضور علیہ والہ والصلاۃ والسلام کے حکم سے یا آپ کی تقریر (آپ ﷺ کے سامنے ذکر ہوا آپ خاموشی اختیار فرمائے) سے ہوا ہے اسی لئے عورت کے لئے گڑھا کھودنا مستحب ہے۔ (مرقات، درمختار)

28 قولہ فعاد اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ غائب ہونے کے بعد پھر لوٹ کر آئے۔ (مرقات)

تم اس کے ساتھ مجامعت کئے تو انہوں نے عرض کیا ہاں تو راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ان پر رجم کرنے کا حکم دیا تو ان کو مقام حرہ میں لے جایا گیا جب ان پر رجم ہوا اور وہ پتھر کی تکلیف کو پائے تو گھبرا گئے اور بھاگنا شروع کئے تو عبداللہ بن انیس ان کو پالئے جب کہ ان کے ساتھی عاجز ہو چکے تھے تو انہوں نے اونٹ کی پنڈلی کی ہڈی نکال کر ان کو پھینک مارا اور قتل کر دیا پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپ ﷺ سے اس کا ذکر کیا آپ نے فرمایا تم ان کو کیوں نہیں چھوڑ دیے ہوسکتا وہ توبہ کرتے اور اللہ تعالی ان کی توبہ قبول کرتا۔ (ابوداؤد)

17/4647۔انہیں سے روایت ہے کہ حضرت ماعز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپ ﷺ کے پاس چار مرتبہ اقرار کئے تو آپ ﷺ ان پر رجم کا حکم دیے اور ہزال سے فرمائے اگر تم اپنے کپڑے سے ان کو چھپا دیتے تو یہ تمہارے لئے بہتر ہوتا۔ 29

ابن منکدر نے کہا کہ ہزال نے ماعز کو حکم دیا تھا کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر حضور کو اس کی اطلاع دیں۔ (ابوداؤد)

---

29 قولہ لو سترتہ بثوبک کان خیرا لک (اگر تم اپنے کپڑے سے ان کو چھپا دیتے تو یہ تمہارے لئے بہتر ہوتا) حضرت ابن ہمام نے کہا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مرفوعاً روایت بیان کی ہے من نفس عن مسلم کربۃ من کرب الدنیا نفس اللہ عنہ کربۃ من کرب الآخرہ ومن ستر مسلما سترہ اللہ فی الدنیا والآخرہ واللہ فی عون العبد مادام العبد فی عون اخیہ جو آدمی کسی مسلمان سے دنیا کی مصیبتوں میں سے کوئی مصیبت دور کرے گا تو اللہ تعالی اس سے آخرت کی، مصیبتوں میں سے ایک بڑی مصیبت دور کرے گا۔ اور جو آدمی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا تو اللہ تعالی اس کی دنیا و آخرت دونوں جہاں میں پردہ پوشی کریگا۔ اور اللہ بندے کی مدد میں رہتا ہے جب تک بندہ اپنے مسلمان بھائی کی مدد میں رہتا ہے۔

امام ابوداؤد اور امام نسائی نے عقبہ بن عامر سے روایت نقل کیے ہیں کہ وہ حضور علیہ والہ الصلاۃ والسلام سے بیان کیے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو آدمی کسی عیب کو دیکھ کر اس کو چھپادے تو گویا اس نے ایک زندہ درگور (لڑکی) کو حیات دی۔

جب عیب کی پردہ پوشی کرنا مستحب ہے تو اس کی گواہی دینا خلاف اولی ہے، نتیجتاً یہ مکروہ تنزیہی ہوا کیونکہ جب ستر پوشی کرنا مستحب ہے تو اس کے ستر پوشی نہ کرنا مکروہ تنزیہی ہوگا۔ اور یہ اس شخص کے حق میں ضروری ہے جو کہ زنا کا عادی نہ ہو۔ اور رسوائی سے بے پرواہ نہ ہو لیکن جب اس کی حالت ایسی ہو جائے کہ وہ اس کی اشاعت کرتا ہے اور رسوائی سے بے پرواہ ہو جائے بلکہ بعض دفعہ تو آدمی اس پر فخر کرتا ہے تو ایسی صورت میں اس کی گواہی نہ دینے سے تو گواہی دینا اولی ہے کیونکہ شارع کا مطلوب یہ ہے کہ اپنے خطابات اور مفید تعلیمات کے ذریعہ زمین کو گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پاک رکھا جائے۔ اور یہ چیز معاصی کے مرتکبین کے توبہ کرنے اور ان کو ان کاموں سے باز رکھنے سے ہی ہوسکتی ہے۔

جب زنا کاری یا شراب نوشی میں اسکی حرص اور اس میں اس کی لاپرواہی اور اس کی اشاعت ظاہر ہوا اور زمین کو ان چیزوں سے پاک رکھنے کی مطلوبہ غرض صرف توبہ سے حاصل نہ ہو تو ایسی صورت میں زمین کو پاک رکھنے کے لئے دوسرے طریقہ کو اختیار کرنا ضروری ہے اور یہ دوسرا طریقہ حدود کو قائم کرنے کا ہے برخلاف اس آدمی کے جس سے ایک مرتبہ یا متعدد مرتبہ پوشیدہ طور پر لغزش ہوگئی ہو اور وہ خوف زدہ اور اس پر نادم ہو تو ایسی صورت میں دیکھنے والے کو پردہ پوشی کرنا مستحب ہے اور حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا حضرت ہزال سے حضرت ماعز کے بارے میں ارشاد فرمانا لَوْ كُنْتَ سَتَرْتَ بِثَوْبِكَ (الحدیث) اگر تم ان کو اپنے پردہ پوشی سے چھپادیتے تو یہ تمہارے لئے بہتر ہوتا آپ کا یہ ارشاد اسی قسم کے افراد کے بارے میں ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ (مرقات)

18/4648 ۔ اور ان کی ایک روایت میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غامدیہ خاتون پر رجم کرنے کا حکم فرمایا تو ان کے لئے سینہ تک گڑا کھودا گیا۔ پھر ایک دوسری سند کا ذکر کیا جس میں اس کا اضافہ ہے۔ پھر آپ نے اس پر چنے کی برابر کنکر پھینکا 30 پھر ارشاد فرمایا تم پتھر مارو اور چہرے کو بچاؤ جب ان کی موت واقع ہوئی تو ان کو نکالنے کا حکم فرمایا اور ان پر نماز پڑھی (ابوداؤد)

---

30 قوله ثم رماها بحصاة مثل الحمصة الى قوله وصلى عليها ...... ان احادیث کی بناء پر صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ سنگساری کا آغاز گواہ کریں اور پھر امام اور اس کے بعد دوسرے لوگ کریں جیسا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور اس لئے بھی کہ کبھی گواہ شہادت دینے پر جسارت کرتا ہے پھر وہ اپنے اس عمل کو برا (ناپسند) کرتا ہے پھر اس سے لوٹ جاتا ہے تو اس گواہ سے رجم کا آغاز کرانے میں حد کو دفع کرنے کی ایک تدبیر ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کوڑے لگوانے پر قیاس کرتے ہوئے گواہ سے رجم کے آغاز کرانے کو شرط قرار نہیں دیتے ہیں۔ تو ہم یہ کہیں گے کہ ہر آدمی کوڑے صحیح طریقے سے لگا نہیں سکتا۔ بعض دفعہ کوڑا ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے اور وہ ہلاک کئے جانے کا مستحق نہیں ہے لیکن رجم کا معاملہ ایسا نہیں ہے کیونکہ رجم میں تو اس کی جان تلف کر دینا ہے۔ پس اگر گواہ ابتداء کرنے سے رک جائیں تو حد ساقط ہو جائے گی۔ اس لئے کہ اس کا رکنا رجوع کر لینے پر دلالت ہے۔ اسی طرح ظاہر روایت میں ہے اگر وہ انتقال کر جائیں یا غائب ہو جائیں تو شرط کے فوت ہونے کی بناء پر حد ساقط ہو جائے گی۔ اور اگر وہ زنا کا اقرار کرنے والا ہے تو امام آغاز کرے اس کے بعد دوسرے لوگ۔ سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ سے اسی طرح مروی ہے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پر چنے کے مثل ایک کنکر سے رجم کئے وہ زنا کا اعتراف کی تھی۔

19/4649 ۔ابن ابی شیبہ نے عبدالرحمن بن ابی لیلی سے روایت نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس جب گواہ کسی سے زنا کی گواہی دیتے تو آپ گواہوں کو حکم فرماتے کہ پہلے وہ رجم کریں پھر آپ ﷺ رجم کرتے پھر دوسرے لوگ رجم کرتے اور اگر اقرار کے ذریعہ اس کا ثبوت ہوتا تو خود آپ ﷺ رجم کرتے پھر دوسرے لوگ رجم کرتے۔ (ابن ابی شیبہ)

20/4650 ۔امام مسلم نے عمران بن حصین سے روایت بیان کئے ہیں کہ قبیلہ جہنیہ کی ایک خاتون حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور وہ زنا سے حاملہ تھیں اور کہی کہ یا نبی اللہ میں حد کے گناہ کا ارتکاب کی ہوں آپ اس حد کو مجھ پر جاری کردیجئے۔امام مسلم نے پوری حدیث روایت کی اور یہاں تک کہا۔ پھر آپ ﷺ نے اس کے بارے میں حکم فرمایا تو اس کو رجم کیا گیا۔ پھر آپ اس کی نماز جنازہ پڑھے۔ 31 تو آپ ﷺ سے حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا نبی اللہ ﷺ آپ اس پر نماز پڑھیں گے جب کہ وہ زنا کی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا یقیناً وہ ایسی توبہ کی ہے کہ اگر یہ توبہ اہل مدینہ کے ستر (70) پر تقسیم کی جائے تو ضرور ان کے لئے کافی ہوجائے گی اور کیا تم کوئی توبہ اس سے افضل پائے ہو وہ اللہ تعالی کے لئے اپنی جان دیدی۔

اور اس کو غسل اور کفن دیا جائے گا اور نماز پڑھی جائے گی۔ کیونکہ حضور علیہ والہ والصلوۃ والسلام کا ارشاد ہے حضرت ماعز رضی اللہ تعالی عنہ کے لئے انکے ساتھ ایسا ہی کرو جیسا تم اپنے اموات کے ساتھ کرتے ہو۔ کیونکہ حق میں قتل کیے گئے ہیں جیسا کہ قصاص میں قتل کیا جاتا ہے پس ان سے غسل ساقط نہیں ہوگا۔ حضرت نبی اکرم علیہ الصلوۃ والسلام غامدیہ پر رجم کئے جانے کے بعد اس کی نماز جنازہ پڑھے ہیں۔

31 قولہ ثم صلی علیھا الخ رجم کئے گئے آدمی پر نماز جنازہ سے متعلق علماء کا اختلاف ہے امام مالک اور احمد رحمہما اللہ نے امام اور بزرگ حضرات کا نماز پڑھنا مکروہ قرار

21/4651 ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا یقیناً اللہ تعالی نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور آپ ﷺ پر کتاب نازل فرمائی اللہ تعالی نے جو نازل فرمایا ان میں سے رجم کی آیت بھی ہے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور آپ کے بعد ہم بھی رجم کئے ہیں۔ اور رجم کا حکم اللہ تعالی کی کتاب میں ثابت ہے شادی شدہ مردوں اور عورتوں پر جب کہ وہ زنا کئے ہوں 32

دیا ہے البتہ دوسرے لوگ پڑھیں گے۔ اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور امام شافعی اور دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ اس پر امام اور اہل فضل بھی لوگ نماز پڑھیں گے اور انہوں نے اتفاق کیا ہے کہ فاسقین اور آپس میں لڑائی اور حدود میں قتل ہونے والے اور اولاد زنا پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ (مرقات)

32 قولہ اذا احصن یعنی زانی اور زانیہ کبھی تو وہ شادی شدہ ہوتے ہیں اور کبھی غیر شادی شدہ اور زنا کی حد شادی شدہ کے حق میں رجم ہے اور غیر شادی شدہ کے لئے سو کوڑے معتدل انداز میں ایسے کوڑے سے جس میں گرہ نہ ہو۔ اور اس میں کوڑے اور رجم کو جمع نہیں کیا جائے گا اور یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کو جمع نہیں کئے ہیں۔ چونکہ حضرت ماعز اور حضرت غامدیہ خاتون اور مزدور کی مزنیہ کے بارے میں یہ بات قطعی ہے اور حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے باسناد کثیرہ یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ ان کے شادی شدہ ہونے سے متعلق دریافت کرنے اور واپس جانے کی تلقین کرنے کے بعد رجم کے علاوہ آپ نے کوئی حکم نہیں فرمایا بلکہ فرمایا تم اس کو لے جاؤ اور رجم کرو۔ اور فرمایا اے انیس تم اس کی (مالک کی) بیوی کے پاس جاؤ اگر وہ اعتراف کرے تو اس کو رجم کردو اور یہ نہیں فرمائے کہ تم کوڑے لگاؤ اور پھر رجم کرو۔ حدیث شریف کے ماقبل حصے میں یہ ہے کہ وہ اعتراف کر لی اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں حکم فرمایا تو اس کو رجم کیا گیا۔

اسی طرح غامدیہ اور اس کے علاوہ جہنیہ کے بارے میں (جو غامدیہ کے سوا ہے) رجم کے حکم کے سوا آپ نے کوئی اضافہ نہیں فرمایا۔ اور اس طرح کا واقعہ بار بار ہوا لیکن کسی نے بھی اس پر اضافہ نہیں کیا اس لئے ہم یہ بات قطعی سمجھتے ہیں کہ رجم کے سوا کوئی اور حکم نہیں ہے۔

حضور علیہ والہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد گرامی خذوا عنی الی قولہ الثیب بالثیب جلد مائۃ و رجم او رمی بالحجارۃ اس کا منسوخ ہونا قطعی ہے اگر چیکہ اس کے ناسخ کی خصوصیت معلوم نہ ہو۔ اب رہا سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ کا شراحہ کو رجم اور کوڑے لگانا۔ یا تو اس لئے ہے کہ اس کا شادی شدہ ہونا ان کے پاس کوڑے لگانے کے بعد ہی ثابت ہوا۔ یا یہ ان کی رائے ہے جو اجماع صحابہ کے مقابل میں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو قطعی طور پر مروی ہے کہ ثم لا یجمع فی البکر بین الحدو والنفی غیر شادی شدہ کے لئے حد اور جلاوطنی دونوں کو جمع نہیں کیا جائے گا۔ اس کے مقابل میں نہیں آسکتی۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں کو جمع کرتے ہیں۔ جلاوطنی کی بحث ابھی ابھی گزر چکی ہے۔ شادی شدہ کے رجم کی سات شرطیں ہیں۔ 1۔ آزادی 2۔ عاقل ہونا 3۔ بالغ ہونا 4۔ اسلام 5۔ وطی کا تحقق 6۔ حالتِ دخول میں اس کا نکاح صحیح ہونا 7۔ دونوں کا وطی کے وقت شادی شدہ ہونا۔ ان میں ہر ایک کا احصان دوسرے کو محصن قرار دینے کے لئے شرط ہے پس اگر باندی سے نکاح کیا یا آزاد عورت غلام سے نکاح کی تو آزادی کے بعد وطی کرنے تک وہ محصن نہیں ہوگا۔ آزادی کے بعد وطی کرنے سے یہاں تک کہ کوئی ہی احصان ثابت ہوگا۔ آزادی سے پہلے احصان نہیں کہلاتا۔ یہاں تک کہ کوئی ذمی کسی مسلمان خاتون سے زنا کرے پھر وہ مسلمان ہو جائے تو اس کو رجم نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ کوڑے لگائے جائیں گے۔

اور اس پر گواہی قائم ہو جائے یا حمل ہو یا اعتراف کرلیا جائے۔ 33 (متفق علیہ)

ایک اور شرط باقی رہ گئی جس کو ابن کمال نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ دونوں کا احصان مرتد ہونے سے باطل ہوگا۔ اگر وہ دونوں مرتد ہو جائیں پھر دونوں اسلام قبول کریں تو دخول کے بغیر احصان عود نہیں کرے گا۔ اور اگر احصان باطل ہو جائے دیوانگی یا پاگل پن کی وجہ سے تو افاقہ ہونے کے بعد لوٹ کر آئے گا اور کہا گیا ہے کہ اس کے بعد وطی کرنے سے عود کریگا۔

اور یاد رکھو کہ احصان کے باقی رہنے کے لئے نکاح کا باقی رہنا ضروری نہیں ہے۔ اگر زندگی میں ایک مرتبہ ہی شادی کیا پھر طلاق دے دیا اور بغیر شادی کے رہا پھر زنا کیا تو رجم کردیا جائے گا۔ پس اگر وہ آزاد نہیں ہے یا مسلمان نہیں ہے یا عاقل و بالغ نہیں ہے یا اس سے اپنی بیوی کے ساتھ وطی نہیں ہوئی۔ یا وطی ہوئی لیکن نکاح فاسد کے ساتھ تو یہ آدمی غیر محصن ہے۔ اس کی حد کا حکم کوڑے لگانا ہے۔ یہ ہمارے پاس ہے۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس احصان کے لئے اسلام کا ہونا شرط نہیں ہے۔ اور ہماری دلیل حضور علیہ والہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد من اشرک باللہ فلیس بمحصن جو آدمی شرک کرے وہ محصن نہیں ہے۔ (ماخوذ از تفسیرات احمدیہ، شرح وقایہ، مرقات، درمختار)

33۔ قولہ اذقامت البینۃ اوکان الحبل او الاعتراف اس سے معلوم ہوتا ہے زنا گواہ و اقرار سے ثابت ہوتا ہے اقرار کی بحث ابھی گزر چکی ہے۔ اب رہا بینہ وہ یہ ہے کہ چار گواہ کسی مرد یا عورت کے بارے میں زنا کی گواہی دیں تو گواہی دینے کی صورت میں امام ان سے زنا کے بارے میں پوچھے گا کہ زنا کیا چیز ہے۔ وہ کیسے ہوا اور کہاں ہوا اور کب ہوا اور کس کے ساتھ ہوا۔ پس جب وہ اس کو بیان کریں اور کہیں کہ ہم اس کو دیکھے ہیں کہ وہ اس کی شرمگاہ میں وطی کیا جیسے سلائی سرمہ دانی میں ہوتی ہے۔ اور قاضی ان گواہوں کے بارے میں دریافت کرے گا اگر ظاہر و باطن میں ان کی پرہیزگاری معلوم ہو تو ان کی گواہی سے فیصلہ دے گا۔

22/4652۔ اور امام احمد رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماعز بن مالک پر رجم کا حکم دیئے اور اس میں کوڑے لگانے کا ذکر نہیں ہے۔

واما الحبل اب رہا تنہا حمل کی بات تو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پر بشرطیکہ اس کا کوئی شوہر اور آقا نہ ہو تو اس پر حد جاری کرتے ہیں۔ حضرت امام مالک اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ اسی کو اختیار کئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اگر وہ حاملہ ہو جائے اور اس کا کوئی شوہر یا مالک معلوم نہ ہو اور یہ بھی معلوم نہ ہو کہ اسے مجبور کیا گیا ہو تو اس پر حد لازم آئے گی سوائے اس کے کہ وہ اچانک آئی ہوئی مسافرہ ہو۔ اور دعوی کرتی ہو کہ یہ حمل اس کے شوہر یا آقا سے ہے۔ اور حمل ظاہر ہونے سے پہلے مجبور کئے جانے کے وقت وہ فریاد نہ کی ہو تو اس کے مجبور کئے جانے کے دعوی کو قبول نہیں کیا جائیگا۔

حضرت امام شافعی اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور جمہور علماء رحمہم اللہ کے پاس محض حمل سے اس پر حد نہیں ہے خواہ اس کا شوہر یا آقا ہو یا نہ ہو۔ خواہ وہ مسافرہ ہو یا اور کوئی ہو۔ خواہ مجبور کئے جانے کا دعوی کی ہو یا خاموش رہے۔ بہرحال اس پر حد نہیں ہے۔ بغیر گواہی اور بغیر اعتراف کے کیونکہ حد شبہات سے ساقط ہو جاتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ جو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے وہ ایک ایسا عظیم معاملہ جو انسانوں کی جان لیتا ہے اس جیسی چیز سے وہ ثابت نہیں ہوتا۔

(ماخوذ از ہدیہ، شرح مسلم نووی، نیل الاوطار)

حضرت امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور جمہور علماء رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ محض حمل سے حد ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس کا اعتراف کرنا یا گواہی کا قائم ہونا ضروری ہے۔ اور ان حضرات نے ان احادیث شریفہ سے استدلال کیا ہے جو شبہات کی بناء پر حدود کو دفع کرنے کے بارے میں آئی ہیں۔

23/4653۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے ایک عورت سے زنا کیا تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں حکم دیا تو حد میں اس کو کوڑے لگوائے 34 پھر آپ کو اطلاع ملی کہ وہ شادی شدہ ہے تو آپ اس بارے حکم فرمائے تو اس کو رجم کیا گیا۔ (ابوداؤد)

24/4654۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم سے جس قدر ہوسکے مسلمانوں سے تم حدود کو دفع کرو 35 اگر اس کے چھٹکارے کا کوئی راستہ ہے تو اس کا راستہ چھوڑ دو، کیونکہ امام کا معاف کرنے میں غلطی کر جانا بہتر ہے سزا میں غلطی کرنے سے امام ترمذی نے اس کی روایت کی ہے

---

34 قولہ فجلد الحد ثم اخبر انہ محصن فامر بہ فرجم کتاب رحمۃ الامہ میں ہے کہ کیا رجم سے پہلے کوڑے لگائے جائیں گے اور دونوں کو جمع کیا جائے گا یا نہیں۔ تو اس بارے میں امام اعظم، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالی فرمائے ہیں کہ وہ دونوں حدوں کو جمع نہیں کیا جائے گا اور صرف رجم کرنا واجب ہے۔ اور حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں ان میں سے جو اظہر روایت ہے اس میں یہ ہے کہ دونوں کو جمع کیا جائے گا۔ اور اس حدیث شریف میں کوڑے اور رجم دونوں کو جمع کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اس کا احصان شادی شدہ ہونا کوڑے لگانے کے بعد ثابت ہوا بلکہ اس میں یہ ہے کہ امام جب کسی حد کے جاری کرنے کا حکم کرے پھر یہ بات ظاہر ہو کہ اس پر واجب حد دوسری ہے تو جو چیز شرعا واجب ہے اس کو اختیار کرنا چاہئے۔ (ماخوذ از مرقات)

35 قولہ: ادرؤا الحدود الخ اس حدیث کے معنی سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث شریف کے معنی کے مطابق ہے جو ایک آدمی کے قصہ کے بارے میں ہے اور حضرت بریدہ رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث کے معنی کے مطابق ہے۔

اور انہوں نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے ایک روایت آئی ہے وہ مرفوع نہیں ہے مگر قابل ترجیح ہے اور یہ کوئی وجہ ضعیف نہیں کیونکہ اس بارے میں موقوف حدیث مرفوع حدیث کا حکم رکھتی ہے اور اس کو امام دارقطنی اور امام بیہقی نے حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ سے عمدہ سند کے ساتھ مرفوعاً روایت نقل کی ہے۔

جو ماعز رضی اللہ تعالی عنہ کے قصہ کے بارے میں ہے پس یہ خطاب ائمہ کے لئے ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی سے فرمایا! کیا تجھ کو جنون ہے پھر آپ ﷺ کا ارشاد: کیا تم شادی شدہ ہو اور آپ ﷺ کا ارشاد حضرت ماعز رضی اللہ تعالی عنہ کے لئے کیا ان کو جنون ہے۔ پھر آپ ﷺ کا ارشاد کیا وہ پی لئے ہیں۔ اس میں سے ہر ایک میں تنبیہ ہے کہ امام پر واجب ہے کہ وہ شبہات کی وجہ سے حدود کو دفع کرے تمام شہروں کے فقہاء کا اس بات پر اجماع کہ حدود شبہات سے دفع کردئے جاتے ہیں یہ بات کافی ہے اسی لئے بعض فقہاء نے فرمایا یہ حدیث متفق علیہ ہے اور امت نے اس کو قبول کیا ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ علیہم الرضوان کے احادیث وآثار کو تلاش کرنے میں اس کا قطعی حکم مل سکتا ہے۔ پس ہم کو وہ بات معلوم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز سے فرمایا شائد کہ تم نے بوسہ لیا ہے یا دبایا ہے یا لمس کیا ہے آپ ﷺ ان سے ان کے زنا کا اقرار کرنے کے بعد ہر مرتبہ تلقین کرے ہیں کہ وہ اس میں سے کسی بات پر ہاں کردیں اور اس کا فائدہ اس کے سوا کیا تھا اگر وہ ہاں کہہ دیں تو آپ ﷺ ان کو چھوڑ دینگے ورنہ اور کوئی فائدہ ہے نہیں۔ اور اس کے برخلاف کوئی آدمی آپ ﷺ کے پاس قرض کا اقرار کرتا تو آپ یہ نہیں فرماتے کہ شائد وہ تیرے پاس امانت تھی جو ضائع ہوگئی اور اس جیسی کوئی اور بات تلقین نہیں کرتے تھے اور اسی طرح چور سے فرمایا جب وہ آپ کی خدمت میں لایا گیا تو نے چوری کی ہے۔ (میں نہیں سمجھتا کہ اس نے چوری کی ہے) اور غامدیہ خاتون کے لئے بھی اسی طرح فرمایا اور اسی طرح سے سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ نے شراحہ سے فرمایا شائد اس نے تجھ کو مجبور

25/4655۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو اللہ کے ساتھ شرک کرے 36 تو وہ محصن (پاکدامن شادی شدہ) قرار نہیں پاتا ہے۔ امام اسحٰق بن راھویہ نے اپنی مسند میں اس کی روایت کی ہے اور امام دارقطنی نے اپنی سنن میں اس کو موقوفاً روایت کیا ہے اور حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ نے فرمایا علم حدیث میں اس کو مرفوع کے حکم میں قرار دیا جائے گا۔ یہ علم حدیث کے قاعدہ کے مطابق ہے کہ جب مرفوع اور موقوف میں تعارض ہوتا ہے تو مرفوع کا حکم لگایا جاتا ہے۔

کیا ہے شائد وہ تیری نیند کی حالت میں تجھ پر واقع ہوا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تیرا مالک اس سے تیری شادی کرادیا ہو اور تو اس کو چھپا رہی ہو۔ اور اس طرح کے واقعات کی تفصیلات موجب طوالت ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ حد کو دفع کردینے کے لئے بلاشبہ حیلہ کرنا چاہئے اور اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ یہ تمام سوالات اور تلقینات حدود کو مکمل طور پر دفع کرنے کی تدبیر کے لئے مفید ہے۔ ان کے اقرار کرنے اور اس کے ثبوت کے پائے جانے کے بعد جوان سے کئے گئے ہیں۔ یہ حدود کو دفع کرنے کی ہی تدبیر ہے۔

اور حدود کو دفع کرنا شریعت کی طرف سے قطعی الثبوت ہیں۔ پس اس میں کسی قسم کا شک ناقابل التفات اور ناقابل اعتناء۔ (مرقات)

36 قولہ: من اشرک باللہ فلیس بمحصن (جو آدمی اللہ کے ساتھ شرک کرے وہ محصن نہیں ہے) اس سے احسان کے لئے اسلام کا شرط ہونا واضح ہے۔ حضرت امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت امام محمد رحمتہ اللہ کا یہی مذہب ہے۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ اور ایک روایت میں امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ کو اسلام کے شرط ہونے کے بارے میں اختلاف ہے اور ان کی دلیل یہ روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو یہودیوں کو جو زنا کئے تھے رجم کا حکم فرمائے۔

26/4656۔ اور امام دارقطنی کی روایت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے ساتھ کسی کو بھی شریک ٹھہرانے سے وہ محصن نہیں رہتا۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ یہودیوں کا رجم ابتدائے اسلام میں توارت کے حکم کے مطابق ہوا تھا اسی لئے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توارت میں حد زنا کے بارے میں ان سے دریافت کئے تھے اور ان کی شریعت میں احصان شرط نہیں تھا اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کا حکم نازل ہونے سے پہلے توارت کے حکم کے مطابق عمل فرماتے تھے۔ جب قرآن کا حکم نازل ہوا تو یہ منسوخ ہو گیا اور رجم کے بارے میں شریعت کا حکم اسلام اور احصان کی شرط کے ساتھ نازل ہوا۔

اگرچیکہ یہ وحی غیر متلو ہے اور یہ بات حضور علیہ والہ الصلاۃ والسلام کے ارشاد من اشرک باللہ فلیس بمحصن (جو اللہ کے ساتھ شرک کرے وہ محصن نہیں) وغیرہ سے معلوم ہوتی اور اس کی تائید ابراہیم نخعیؒ کے قول سے بھی ہوتی ہے اور حنفیہ نے امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے قول کے جو جوابات دئے ہیں ان میں سب سے بہتر وہ ہے جس کی ابن ہمام نے وضاحت کی ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہودی اور یہودیہ پر رجم کی حد کو جاری کرنا احصان میں اسلام کے شرط نہ ہونے پر دلالت ہے۔

اور حدیث قولی: من اشرک باللہ فلیس بمحصن اسلام کے شرط ہونے کی دلیل ہے جب حدیث قولی اور فعلی میں تعارض ہو تو ترجیح میں قولی کو فعلی پر مقدم کیا جاتا ہے نیز اسلام کی شرط لگانے میں احتیاط بھی ہے اور حدود کے باب میں احتیاط مطلوب ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ اس قولی حدیث کو مقدم کرنا حدود کے دفع کرنے کا موجب ہے۔ اور اس فعل کو مقدم کرنا حد کے واجب کرنے میں احتیاط کا موجب ہے اور تعارض کے وقت حدود میں دفع کرنے والے امر کو ترجیح حاصل ہے۔ (ماخوذ از تعلیق مجد، ہدایہ، عمدۃ الرعایۃ، مرقات)

اور اس روایت میں جو عفیف بن سالم موصلی ہیں تو ابن قطان نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ یہ ثقہ ہیں۔ ابن معین اور ابو حاتم نے بھی یہی بات کہی ہے جب ثقہ راوی کسی روایت کو مرفوعا بیان کرے اور اس کو کوئی دوسرا موقوفاً بیان کرے تو اس کے لئے مضر نہیں۔

27/4657۔ ابن عدی نے اپنی کتاب ''الکامل'' میں کعب بن مالک سے روایت نقل کی ہے کہ وہ ایک یہودی عورت سے شادی کرنا چاہے تو ان سے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ان سے شادی مت کرو کیونکہ وہ تم کو محصن نہیں بناسکتی۔ (دار قطنی، ابن ابی شیبہ)

امام محمد نے کتاب الاصل میں بیان کیا ہے کہ مسلمان آدمی کو محصنہ عورت ہی محصن بناسکتی ہے جب کہ وہ اس کے ساتھ ہم بستری کرے پھر فرمایا کہ یہ روایت حضرت عامرؒ اور حضرت ابراہیم نخعی سے ہم کو پہونچی ہے۔

28/4658۔ حضرت مسلم بن یسار رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ صحابہ علیہم الرضوان میں سے ایک صحابی کہا کرتے تھے کہ زکوۃ 37 حدود فئی اور جمعہ یہ سب سلطان کے ذمہ ہیں۔ امام طحاوی نے اس کی روایت کی ہے اور کہا ہے کہ صحابہ کے درمیان ہم اس میں کوئی اختلاف نہیں جانتے۔

---

37 قولہ: الزکوۃ والحدود والفیئی والجمعۃ الی السلطان زکوۃ، حدود، فئی اور جمعہ سلطان کے حوالے ہیں۔ یعنی ان امور کو صرف حاکمِ وقت ہی قائم کرے گا آقا کو اپنے غلام پر حاکم کے حکم کے بغیر حد جاری کرنا جائز نہیں اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے اور یہ احادیث اس کے دلائل ہیں اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا آقا کو اپنے غلام پر حد جاری کرنے کا حق ہے۔ ان کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا یہ ارشاد ہے اذا زنت امۃ احدکم فتبین زناھا فلیحدھا الحد الی قولہ من شعر۔ (جب تم میں سے کسی کی باندی زنا کرے تو وہ (آقا) اس پر حد جاری کرے)۔

29/4659 ۔اور محدث ابن ابی شیبہ نے عبداللہ بن جریر سے روایت نقل کی ہے انہوں نے کہا جمعہ، حدود، زکوۃ اور فیئ کا معاملہ سلطان کے حوالے ہے اور عطاء خراسانی سے ایسی ہی روایت ہے۔

اور ہمارے اصحاب نے ان احادیث کے بارے میں جواب دیا ہے جیسا کہ غایۃ البیان وغیرہ میں ہے کہ اس حدیث کو اس معنی پر محمول کیا گیا ہے کہ آقا اپنے غلام پر حد قائم کرنے کا سبب ہوتا ہے اس طرح کہ وہ حاکم وقت کے پاس مرافعہ پیش کرتا ہے۔ آقا امام کی بغیر اجازت یہ کام مباشرۃً نہیں کرتا۔ چنانچہ علامہ عینی فرماتے ہیں یہ سبب پر محمول ہے کیونکہ وہ امام کے پاس مرافعہ کرکے اقامت حد کا سبب بنتا ہے۔ اور یہ بات ہم اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے ظاہری معنی بالاتفاق متروک ہیں۔ کیونکہ یہ صیغۂ امر وجوب کا متقاضی ہے اور آقا کو اپنے غلام پر حد جاری کرنا بالاتفاق واجب نہیں ہے، ہمارے مذہب کے مطابق تو یہ بات ظاہر ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق بھی ہے کیونکہ غلام پر حد جاری کرنا آقا کے لئے ان کے پاس جائز ہے۔ مگر اس پر واجب نہیں ہے۔ جب اس حدیث کے ظاہری معنی متروک ہیں اسی لئے ہم نے اس کو ہمارے مذکورہ قول پر محمول کیا ہے۔ حضرت کاکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں غلاموں کی تخصیص کا فائدہ یہ ہے کہ مالکوں کے لئے غلاموں پر حد قائم کرنے سے امتناع عائد کرکے ان کو مشقت سے بچاتا ہے۔

(ماخوذ از عمدۃ القاری، تعلیق مجد، بنایہ، شروح کنز)

30/4660۔ عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے جد عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپس میں تم حدود سے چشم پوشی 38 کیا کرو۔ پس جو حد کی بات مجھ تک پہنچ جائے تو یقیناً وہ واجب ہوگئی۔ (ابوداؤد، نسائی)

---

38 **قولہ: تعافوا الحدود فیما بینکم الخ** تم آپس میں حدود سے چشم پوشی کیا کرو۔

تعافوا۔ تعافی مصدر کا فعل امر ہے، اس میں روئے سخن عامۃ المسلمین اور اصحاب حقوق کی طرف ہے۔ حکام اور امراء کی طرف نہیں ہے۔ کیونکہ عام لوگوں کو تو یہ حکم ہے کہ وہ کامل طور پر ستر پوشی کریں صاحب ہدایہ نے فرمایا پردہ پوشی مستحب ہے۔

صاحب مجمع البحار نے اس حدیث شریف کے ضمن میں فرمایا ہے لوگوں کو چاہئے کہ وہ مجھ تک اطلاع پہنچنے سے پہلے ہی آپس میں حدود کو معاف کردیں۔ پھر جب مجھ تک اس کی اطلاع پہنچے تو حد کا نافذ کرنا میرے ذمہ ضروری ہوجاتا ہے۔ صاحب ''الاشباہ و النظائر'' نے جو فرمایا ہے کہ حدود معاف کرنا صحیح نہیں اگرچہ کہ وہ حد قذف ہی کیوں نہ ہو برخلاف قصاص کے (کہ قصاص کو معاف بھی کیا جاسکتا ہے) تو اس سے مراد یہ ہے کہ حد معاف کرنے سے ساقط نہیں ہوتی البتہ حد اگرچہ کہ معاف کرنے سے ساقط نہیں ہوتی اگر وہ معاف کرنے والا چلا جائے تو حاکم کو نافذ کرنے کا حق نہیں رہتا۔ جیسا کہ ہم نے اس کی وضاحت کردی۔

استیفاء (حد کا نافذ کرنا)۔ بوقت مطالبہ ہوتا ہے اور اس نے تو مطالبہ ترک کردیا ہے۔ البتہ اگر وہ لوٹ آئے اور پھر اس کا مطالبہ کرے تو ایسی صورت میں حاکم حد کو نافذ کرے گا اور اس کا معاف کرنا لغو قرار پائے گا اور یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے ابھی تک کوئی مخاصمت ہی نہیں کی۔ (ماخوذ از مرقات، ہدایہ، مجمع البحار، الاشباہ والنظائر، البحر الرائق) صاحب بدائع نے فرمایا ہے کہ اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ زنا، شراب نوشی، نشہ اور چوری کے حدود میں حجت کے ساتھ ثابت ہوجانے کے بعد معافی، صلح اور ابراء (مدعی علیہ کو مقررہ حق سے بری کردینے) کی کوئی گنجائش نہیں۔

کیونکہ یہ حدود خالص حقوق اللہ ہیں، اس میں بندے کا کوئی حق نہیں اسی لئے بندے کو ان کے ساقط کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔

اور حد قذف (تہمت لگانے کی حد) اگر وہ حجت کے ساتھ ثابت ہو جائے تو ہمارے نزدیک اس میں بھی معافی، صلح اور ابراء کی گنجائش نہیں ہے۔

اسی طرح مقذوف (جس پر تہمت لگائی گئی ہے) حاکم کے پاس مقدمہ پیش کئے جانے سے پہلے (تہمت لگانے والے کو) معاف کروائے یا مال لے کر صلح کرلے تو یہ باطل ہے اور بدل صلح واپس کر دیا جائے گا۔ اور مقذوف کو بعد ازاں (حد قذف کے) مطالبہ کا حق حاصل رہے گا۔ امام شافعیؒ کے پاس یہ (معاف کرنا اور مال پر مصالحت کرنا) درست ہے اور امام ابو یوسفؒ سے بھی ایک قول ایسا ہی منقول ہے۔

ان حضرات کے قول کی توجیہ یہ ہے کہ حد کے واجب ہونے کا سبب تہمت لگانا ہے اور تہمت لگانا دراصل تہمت لگائے ہوئے شخص کی عزت و ناموس پر حملہ کرنا ہے جب کہ عزت و آبرو اس کا حق ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ اس کی جان کا بدل اس کا حق ہے اور (جان کا بدل) قتل عمد میں قصاص اور قتل خطا میں دیت ہے۔

لہذا بدل اس کا حق ہے اور انسان کے کسی حق کو (ضائع کرنے پر) جو سزا مرتب ہوتی ہے وہ اس کا حق ہے جیسا کہ قصاص ہے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ درحقیقت تمام حدود خالصۃً اللہ تبارک وتعالی کے حقوق ہیں کیونکہ یہ عوام کے منافع ومصالح کے پیشِ نظر مقرر کئے گئے ہیں۔

جیسے اس فساد کو دور کرنا جس کے (برے اثرات) ان پر مرتب ہوتے ہیں اور ان کے لئے امن وتحفظ کو حاصل کرنا۔

چنانچہ حدِ زنا اس لئے مقرر ہوئی کہ لوگوں کی عزت وآبرو کو برباد ہونے سے بچایا جاسکے۔

چوری اور ڈاکہ زنی کی حد مقرر کرنے کی غرض یہ ہے کہ (لوٹ مار کا) قصد کرنے والوں سے لوگوں کے اموال اور جانوں کو محفوظ کیا جائے اور شراب نوشی کی حد اس لئے مقرر کی گئی کہ نشہ کی وجہ سے عقلوں کو زائل اور مستور ہونے سے بچا کر لوگوں کے جانوں، مالوں اور ان کی عزت و ناموس کی حفاظت کی جائے۔

ہر وہ جرم جس کے فساد کا اثر عوام پر پڑتا ہو اور اس کی سزا کا فائدہ بھی بالآخر عوام کو حاصل ہوتا ہو تو ایسے واجب الحد جرم کی سزا خالص اللہ کا حق ہے جس کا مقصد جلب منفعت اور دفع مضرت ہے تاکہ بندے کے معاف کردینے سے معاف نہ ہوجائے۔

ان حقوق کو اللہ تبارک وتعالی کی طرف منسوب کرنے کا یہی مفہوم ہے۔اور یہ مفہوم حدِ قذف میں پایا جاتا ہے کیوں کہ اس حد کے نفاذ کے ذریعہ عوام کے لئے حفاظت وصیانت اور دفع مضرت کے منافع حاصل ہوتے ہیں۔لہذا دیگر حقوق کی طرح حدِ قذف بھی اللہ ہی کا حق ہے (انتھی ملخصاً) اور صاحب مبسوط نے کہا ہے کہ قاضی جب تہمت لگانے والے پر حد قذف کا فیصلہ کردے پھر جس پر تہمت لگائی گئی وہ کسی عوض کے ساتھ یا بغیر کسی عوض کے معاف کردے تو بھی ہمارے پاس حد ساقط نہیں ہوگی۔امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ حد ساقط ہوجائے گی اور امام شافعیؒ کا یہی قول ہے۔

اور ہمارے پاس اصل مسئلہ یہ ہے کہ حدِ قذف میں اللہ کے حق کو غلبہ ہے۔اور اس میں بندہ کا حق اس کا تابع اور فرع ہے۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اس میں بندہ کا حق غالب ہے۔ اور اس اصل کی بناء پر ہم یہ کہتے ہیں کہ بندہ کے معاف کرنے سے یہ معاف نہیں ہوتا کیونکہ بندہ اپنے خالص حق کو معاف کرسکتا ہے۔اور اللہ تعالی کے حق کو معاف کرنے کا اس کو اختیار نہیں ہے۔ اگرچیکہ اس میں اس کا کچھ حق شامل ہو مثلاً عدت کیونکہ اس میں اللہ کا حق ہے اسی لئے وہ شوہر کے ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتی۔ہمارے مذہب کی روایت سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ سے آئی ہے۔(مبسوط) اس مسئلہ میں جو تفصیل چاہے وہ کتاب مبسوط کی طرف مراجعت کرے۔

31/4661۔ حضرت سیدتنا عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اصحاب مروت کے لغزشوں کو معاف کردو39 سوائے حدود کے۔ (ابوداؤد)

32/4662۔ سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت کو زنا پر مجبور کیا گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے حد کو دفع فرمادیا40 البتہ اس آدمی پر جس نے اس کا ارتکاب کیا حد جاری فرمائی۔

---

39 قولہ اقیلوا ذوی الھیئات الخ ہیئت کسی چیز کی صورت کو کہتے ہیں اور ہیئت سے انسان کے اخلاق وکردار کی حالت مراد ہے اور اصحاب مروّت اور صاحب تقوی، خطباء، ائمہ ان کے علاوہ وہ لوگ جو مختلف حقوق رکھتے ہیں، مراد ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واضح فرمایا کہ آئندہ زمانہ میں لوگ بدل جائیں گے کہ بڑے درجے والوں کے ساتھ درگزر کرنے اور پردہ پوشی کرنے میں اس حد تک تجاوز کرنے سے کام لیں گے کہ ان پر اور ان کے ساتھ رہنے والوں پر ان سے ڈر کر یا کسی طمع کی بناء پر حدود قائم کرنا بھی چھوڑ دیں گے۔

اس لئے آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ جس طرح کم درجہ کے لوگوں پر حدود جاری کرتے ہیں اسی طرح ان پر بھی حدود جاری کئے جائیں۔ معافی صرف ان لغزشوں میں ہوگی جو موجب حد نہیں ہیں۔ (لمعات، مرقات)

40 قولہ فدرأ عنھا الحد الخ (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے حد کو دفع فرمادیا) صاحب درمختار اور صاحب ردالمحتار نے کہا ہے کہ جس کو زنا پر مجبور کیا جائے تو اس پر حد نہیں ہے۔ امام صاحب نے اسی مسئلہ کی طرف رجوع کیا ہے۔ ابتداء میں امام صاحب نے فرمایا کہ اس پر حد جاری کی جائے گی کیونکہ آلہ تناسل کے انتشار کے بغیر اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اور یہ رضامندی کی نشانی ہے۔ برخلاف عورت کے (جس کو مجبور کیا گیا ہو) اس پر بالاتفاق حد جاری نہیں ہوتی۔ اور یہ قول مطلق ہے جو صاحب اقتدار کے سوا دوسروں سے اکراہ پر بھی شامل ہے۔ صاحبین کے مفتی بہ قول کے مطابق ہے کیونکہ اکراہ صاحب اقتدار کے علاوہ سے بھی ہوسکتا ہے۔ اور یہ وقت وزمانہ کے اختلاف کے ساتھ ہے۔

راوی نے اس خاتون کے لئے مہر مقرر کئے جانے کا ذکر نہیں کیا 41 (ترمذی)

33/4663 ۔امام محمد کتاب الآثار میں حضرت ابراہیم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ لوگوں میں سے آزاد ہو یا غلام اگر کسی عورت کو غصب کر لے یعنی زنا کرے تو اس پر حد ہے اور مہر نہیں ہے۔اور انہوں نے کہا جب مہر واجب ہوتا ہے تو حد جاری نہیں کی جاتی اور جب حد لگائی جاتی ہے تو مہر باطل ہو جاتا ہے۔اور امام محمد فرماتے ہیں جب عورت کو مجبور کیا جائے تو اس پر حد جاری نہیں ہوگی۔اور جو اس کو مجبور کیا ہے اس پر حد جاری ہوگی۔اور جب حد واجب ہوگی تو مہر باطل ہو جائے گا۔ایک جماع میں حد اور مہر دونوں واجب نہیں ہوتے۔اور اگر کسی شبہ کی بناء حد جاری نہ ہو تو اس پر مہر واجب ہوتا ہے امام ابوحنیفہؒ، ابراہیم نخعیؒ اور ہمارے اکثر فقہاء کا یہی قول ہے۔

34/4664 ۔امام ترمذی اور امام ابوداود کی روایت میں وائل بن حجر سے مروی ہے کہ ایک خاتون نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نماز کے ارادہ سے نکلی تو اس سے ایک آدمی ملا اور اس پر چھا گیا اور اس سے اپنی حاجت کو پوری کر لیا۔عورت نے چیخ ماری تو وہ مرد چلا گیا۔مہاجرین کی ایک جماعت گزری تو اس عورت نے کہا کہ وہ آدمی میرے ساتھ ایسا عمل کیا۔وہ اس آدمی کو پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا تو چلی جا اللہ نے بخش دیا۔اور جو آدمی زنا کیا تھا اس کے متعلق فرمایا تم اس کو رجم کر دو۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے ایسی توبہ کی ہے اگر اہل مدینہ ایسی توبہ کرتے تو ان سے توبہ قبول کر لی جاتی۔

---

41 قولہ ولم یذکر انہ جعل لھا مھرا الخ صاحب عرف الشذی نے کہا کہ حد اور مہر دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔

35/4665۔ حضرت نافع سے روایت ہے صفیہ بنت ابی عبید نے انکو بتایا کہ حاکم وقت کے غلاموں میں سے ایک غلام نے خمس میں حاصل ہونے والی باندی پر چھا کر اس کو مجبور کیا یہاں تک کہ اس نے زنا کیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو کوڑے لگوائے اور اس باندی کو کوڑے نہیں لگائے کیونکہ اس کو مجبور کیا گیا تھا۔ (بخاری)

36/4666۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہوئے سنا ہوں جس قوم میں زنا کاری پھیل جاتی ہے تو وہ قوم قحط سالی کا شکار ہو جاتی ہے۔ اور جس قوم میں رشوت پھیل جاتی ہے تو وہ قوم رعب میں گرفتار کر لی جاتی ہے۔

37/4667۔ عکرمہ رضی اللہ تعالی عنہ، سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کسی کو قوم لوط کا عمل (لواطت) کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔ 42 (ترمذی، ابن ماجہ) یہ حدیث ہمارے پاس تعزیر اور سیاسی مصلحت پر محمول ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کا حکم فرمایا ہے اور قتل کرنا حد نہیں ہے حد تو کوڑے لگانا یا رجم کرنا ہے۔

---

42 قولہ فاقتلوا الفاعل والمفعول بہ (فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو) لواطت کے حرام ہونے پر علماء کا اتفاق ہے اور یہ بڑی بے حیائی کے کاموں میں سے ہے۔ البتہ لوطی کی حد کے بارے میں اختلاف ہے۔

امام شافعی کے قول ظاہر میں اور امام یوسف، امام محمد رحمہم اللہ کے پاس فاعل (لواطت کا عمل کرنے والے) کی سزا زنا کی حد ہے۔ یعنی اگر وہ شادی شدہ ہے تو رجم (سنگسار) کر دیا جائے گا۔ اگر غیر شادی شدہ ہے تو اس کو سو (100) کوڑے لگائے جائیں گے۔ اور مفعول (جس کے ساتھ لواطت کی گئی ہے) کے بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں

سو کوڑے لگانا اور ایک سال کے لئے شہر بدر کرنا ہے خواہ مرد ہو یا عورت شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ کیونکہ دبر میں لواطت کرنے سے محصن نہیں ہوجاتا لہذا محصن کی حد نہیں لگائی جائے گی۔

امام مالک، امام احمد اور علماء کی ایک جماعت کے پاس لوطی کو خواہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ ہو رجم (سنگسار) کیا جائے گا اور امام شافعی کے ایک قول میں ہے کہ فاعل اور مفعول بہ دونوں کو ظاہر حدیث کے مطابق قتل کیا جائے گا اور قتل کرنے کی کیفیت کے بارے میں دو قول ہیں

1۔ دیوار وغیرہ گرا کر ان دونوں کو قتل کردیا جائے۔

2۔ یا ان دونوں کو کسی بلند مقام سے ڈھکیل دیا جا کر قتل کردیا جائے جیسا کہ قوم لوط کے ساتھ کیا گیا تھا۔

امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ نے فرمایا کہ یہ (لواطت) زنا کی طرح ہے ان کی اس عبارت سے ظاہر ہے کہ یہ نفس زنا نہیں ہے لیکن اس کا حکم زنا کا حکم ہے اور ان پر زنا کی حد لگائی جائے گی اگر شادی شدہ ہیں تو رجم کردیا جائے ورنہ کوڑے لگائے جائیں گے کیونکہ اس کو معناً زنا کے حکم میں شامل کیا گیا ہے اس لئے کہ لواطت نام ہے شہوت کے مقام میں حرام طریقہ سے مکمل شہوت رانی کرنے کا۔ اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اس پر حد جاری نہیں ہوگی بلکہ تعزیزی سزا دی جائے گی۔ اور صاحب دُرر نے بھی کہا کہ اس کو تعزیزی سزا دی جائے گی مثلاً آگ میں جلادینا، دیوار گرادینا، کسی اونچے مقام سے اوندھا گرا کر اس کے اوپر پتھر مارنا۔

حاوی قدسی میں ہے کہ فقہائے کرام نے اس کی مختلف تعزیز سزائیں ذکر کی ہیں کوڑے لگانا، کسی بلند مقام سے گرادینا اور نہایت بدبودار مقام میں قید کرنا اور اس میں مگر کوڑے لگانا راجح ہے۔ البتہ خصی کرنا اور آلہ تناسل کو کاٹنا درست نہیں۔ اور فتح القدیر میں ہے

38/4668 ۔ رزین کی ایک روایت میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں کو جلا دیا۔ اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں پر دیوار گرادی۔

کہ تعزیزی سزادی جائے گی اور قید کیا جائے گا یہاں تک کہ اس کی موت واقع ہو یا وہ توبہ کرلے۔ اور اگر وہ لواطت کا عادی ہے تو امام اس کو سیاسی مصلحت کی بنا قتل کرسکتا ہے۔

صاحب زیادات نے کہا ہے کہ اگر وہ لواطت کا عادی ہے تو اس کی سزا امام کی رائے کے مطابق ہے اگر چاہے تو قتل کرے اور چاہے تو مارے اور اس کو قید کرے اور اشباہ میں حشفہ کے چھپ جانے کے احکام میں مذکور ہے کہ امام اعظمؒ کے پاس اس پر حد نہیں لگے گی۔ مگر جب وہ بار بار کرے تو مفتی بہ قول کے مطابق اس کو قتل کردیا جائے گا۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم کے مابین لواطت کے حکم کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کو جلا دیا جائے اور بعض نے کہا کہ اس پر دیوار گرادی جائے۔ اور بعض کے قول کے مطابق اس کو کسی بلند مقام سے اوندھا گرا کر پتھر مارے جائیں۔ اگر یہ فعل زنا کے برابر ہوتا تو اس میں اختلاف نہیں ہوتا کیونکہ منصوص علیہ کے بارے میں ان کے مابین اختلاف کا گمان نہیں ہوسکتا لہذا اس جیسے امور میں امام اپنی رائے کے مطابق تعزیری سزا دے سکتا ہے۔

اور یہ زنا کے معنی میں نہیں ہے۔ کیونکہ نہ اس میں اولاد کا ضیاع ہے اور نہ نسب میں اشتباہ کا سبب ہے اور نہ عورت کے محل کو خراب کرنا ہے۔ اور اس لئے بھی کہ یہ صورت کم واقع ہوتی ہے کیونکہ اس میں طرفین میں سے ایک میں سبب نہیں ہوتا جب کہ زنا میں طرفین میں سبب پایا جاتا ہے اور اس کی سزا سے متعلق جو روایتیں آئی ہیں وہ سیاسی مصلحت پر محمول ہیں یا اس آدمی کے لئے ہے جو اس کو حلال سمجھتا ہے۔ (رحمۃ الامۃ، مرقات، فتح القدیر، درمختار، ردالمختار، شروح کنز)

39/4669۔ سیدنا ابن عباس اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہم سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ملعون ہے وہ آدمی جو قوم لوط کا عمل کرے۔ (رزین)

شیخ ابن ہمام نے فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں قتل کا ذکر نہیں فرمایا۔

40/4670۔ سیدنا جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت پر سب سے زیادہ خوف کی چیز جس کا میں اندیشہ کرتا ہوں وہ قوم لوط کا عمل ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

41/4671۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ بزرگ و برتر رحمت کی نظر نہیں کرتا اس مرد پر جو کسی مرد سے بدفعلی کرتا ہے اور اس مرد پر جو عورت سے اس کے دبر میں لواطت کرتا ہے (ترمذی) اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب فرمایا ہے۔

42/4672۔ انہیں سے روایت ہے انہوں نے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آدمی کسی جانور سے بدفعلی کرے 43 تو تم اس کو قتل کردو اور اس کے ساتھ اس جانور کو بھی قتل کردو۔ حضرت ابن عباس سے کہا گیا کہ جانور کا کیا معاملہ ہے کہ اس کو قتل کیا جائے تو انہوں نے کہا اس مسئلہ میں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نہیں سنا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے اس کا گوشت کھانے یا اس سے فائدہ اٹھانے کو ناپسند فرمایا ہے جب کہ اس کے ساتھ یہ فعل کیا گیا ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

---

43 قولہ من أتی بهیمة فاقتلوه واقتلوها معه اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی جانور کے ساتھ بدفعلی کرے تو حد نہیں لگائی جائے گی کیونکہ وہ زنا کے معنی میں نہیں ہے۔ اس میں جنایت اور اس کا سبب نہیں ہے کیونکہ طبع سلیم اس سے نفرت کرتی ہے۔ اس پر آمادہ کرنے

والی چیز انتہائی بے وقوفی اور حد سے زیادہ شہوت ہے۔ اسی لئے جانور کی شرمگاہ کو ڈھانکنا ضروری نہیں ہے۔ مگر امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے پاس اس کو تعزیزی سزا دی جائے گی اور جانور کو ذبح کر کے جلا دیا جائے گا اور اس جانور سے خواہ زندہ ہو یا مر جائے فائدہ اٹھانا مکروہ ہے۔

اور امام مالک رحمہ اللہ کی ایک روایت یہ ہے کہ اس (لوطی) پر حد لائی جائے گی اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس کے متعلق تین (3) اقوال ہیں۔

1۔ اس پر حد جاری کرنا واجب ہے البتہ شادی شدہ یا غیر شادی شدہ ہونے کی بناء پر اس کی حد مختلف رہے گی۔

2۔ اس کو ہر حالت میں قتل کیا جائے گا۔

3۔ اس کو تعزیزی سزا دی جائے گی اور یہی قول مفتیٰ بہ ہے۔

اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔ اور ان کے اصحاب کی ایک جماعت نے تعزیز کرنے کو اختیار کیا ہے۔

البتہ جس جانور کے ساتھ بدفعلی کی گئی ہے اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کسی بھی حالت میں اس کو ذبح نہیں کیا جائے گا۔ اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اگر وہ جانور لواطت کرنے والے ہی کا ہے تو ذبح کر دیا جائے گا ورنہ ذبح نہیں کیا جائے گا۔ اور اصحاب شافعیہ کے اس بارے میں تین اقوال ہیں۔ ان میں سے ایک جو قابل ترجیح ہے یہ کہ اگر وہ حلال جانور ہے تو ذبح کیا جائے گا ورنہ نہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کو ہر حالت میں ذبح کر دیا جائے گا اور تیسرے قول میں ہے اس کو کسی صورت میں بھی ذبح نہیں کیا جائے گا۔

43/4673 ۔انہیں سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو کوئی کسی جانور سے بدفعلی کرے تو اس پر حد نہیں ہے (ترمذی، ابوداؤد)

امام ترمذی نے سفیان ثوری سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا پہلی حدیث کہ جو آدمی کسی چوپایہ سے بدفعلی کرے گا تو تم اس کو قتل کردو اس کی بہ نسبت سے یہ دوسری حدیث قابل ترجیح ہے اور اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔

اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس کو ہر حالت میں ذبح کیا جائے گا خواہ وہ اسی کا ہو یا کسی دوسرے کا ہو، حلال ہو یا حلال نہ ہو۔

اور اس جانور کی قیمت مالک کو ادا کرنا لواطت کرنے والے کے ذمہ ہے۔

اب رہا یہ کہ لوطی اس جانور کا گوشت کھا سکتا ہے یا نہیں کھا سکتا تو امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ لوطی اس کا گوشت نہیں کھا سکتا البتہ کوئی دوسرا کھا سکتا ہے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لوطی اور غیر لوطی دونوں کھا سکتے ہیں اور امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا لوطی اور غیر لوطی دونوں میں سے کوئی بھی نہیں کھا سکتا۔

اور اصحاب شافعیہ کے پاس دو صورتیں ہیں۔ ان میں سے راجح یہ ہے کہ مطلقاً (لوطی، غیر لوطی) سب کھا سکتے ہیں کیونکہ یہاں حرمت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ پھر اس کو جلانا ہمارے پاس واجب نہیں ہے۔ اور یہ (جلانا) صرف اس لئے ہے کہ اگر وہ زندہ رہے گا تو اس کی جو بات چیت چلتی رہے گی۔ اس کو ختم کر دیا جائے۔ اور سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے اس جانور کو ذبح کر دینے اور اس کے بعد اس کو جلا دینے کا حکم فرمایا۔ (ہدایہ، رحمۃ الامۃ، درمختار، شروح کنز)

اور صاحب ردالمحتار نے فرمایا اگر کوئی عورت کسی بندر سے اپنے اوپر وطی کرائے تو اس کا حکم جانوروں سے وطی کرانے کی طرح ہے۔ (جوہرہ) یعنی اس پر حد نہیں بلکہ تعزیر ہوگی اور بندر کو بھی ذبح کر دیا جائے گا۔ تا کہ اس کو زندہ رکھنے کی صورت میں اس کی گفتگو چلتی رہے گی۔ وہ ختم کردی جائے گی۔

(1/169)باب قطع السرقة

چوروں کے ہاتھ کاٹنے کا بیان

اور اللہ بزرگ برتر کا ارشاد ہے:۔والسارق والسارقة فاقطعو ایدیهما ٥ الایۃ اور تم چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھوں کو کاٹ دو بدلے میں اس عمل کے جو ان دونوں نے کیا ہے اور عبرت ناک سزا ہے اللہ تعالی کی طرف سے اور اللہ غالب ہے حکمت والا ہے۔ پس وہ جو توبہ کرے اپنے ظلم کرنے کے بعد 1 اور اصلاح کرلے تو بلا شبہ اللہ تعالی اس کی توبہ قبول کرے گا۔ یقیناً اللہ تعالی بہت مغفرت کرنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

44/4674۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا مگر دس درہم میں 2۔

(امام طبرانی۔اوسط میں روایت کی ہے)

---

1 کشاف میں ہے توبہ کرنے سے آخرت میں عذاب کا نہ ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن حد ساقط نہیں ہوگی۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب رحمھم اللہ کے پاس توبہ کی وجہ سے قطع ید ساقط نہیں ہوگا۔ اور اماشافعی رحمہ اللہ کے پاس ان کے ایک قول کے مطابق توبہ سے قطع ید ساقط ہو جائے گا۔ اور ایک قول میں حربی توبہ کرلے تو قطع ید ساقط ہو جائے گا تا کہ یہ اس کے اسلام کا سبب بن جائے مسلمان سے قطع ید ساقط نہیں ہوگا کیونکہ قطع ید کے قانون میں مسلمانوں کے لئے صلاح ہے۔

2 لا قطع الا فی عشرة دراهم جانو اس بات کو کہ سرقہ (چوری) لغت میں دوسرے کے مال کو خواہ وہ کونسی بھی چیز ہو پوشیدہ طور پر لینے کا نام ہے۔ شریعت میں سرقہ کی تعریف پر اس لغوی معنی میں چند اور امور زیادہ کئے گئے ہیں منجملہ ان کے

1۔ چور کا عاقل و بالغ ہونا کیونکہ اللہ تعالی نے ہاتھ کاٹنے کو نکال یعنی عبرت ناک سزا سے موسوم کیا ہے اور یہ عقوبت ہے اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چوری جنایت ہے۔ اور بغیر عقل و بلوغ کے جنایت نہیں ہوتی۔

2۔ اور یہ کہ مسروق (چوری کی ہوئی چیز) قیمت والی محفوظ مملوکہ مال ہو جس میں کوئی شبہ نہ ہو پس اگر وہ علانیہ کھلے طور پر لیا ایسی چیز چوری کیا جو مال نہیں ہے یا غیر محفوظ مال ہو جیسے اپنے کسی محرم یعنی قریبی رشتہ دار کے گھر سے یا بیوی کے گھر سے سسرال سے اور میزبان کے گھر سے چوری کرے یا تھیلی کو باہر سے کاٹ کر اس میں سے مال لے لیا ایسا مال محفوظ جو کسی کی قطعی ملکیت نہیں ہے جیسے وقف کا مال یا دس درہم سے کم والا مال چوری کیا ان تمام صورتوں میں ہاتھ کاٹنا واجب نہیں ہے لیکن اگر وہ مال موجود ہے تو اس کو واپس کرنا ضروری ہے اور اگر وہ ہلاک ہوگیا ہے تو اس کی قیمت کا ضمان (تاوان) دینا واجب ہے۔

اس کا حکم ہاتھ کاٹنا ہے اور یہ زجر یعنی باز رکھنے کے لئے ہے اور زجر کی ضرورت ایسے مال کے لئے ہوتی ہے جو لوگوں کے پاس اہمیت کا ہے اور اہمیت کا مفہوم غیر معروف ہے اور اہمیت کے متعلق سب لوگ عموماً برابر نہیں ہیں اس لئے شریعت کی طرف سے اس کی تعریف کی ضرورت لاحق ہوئی۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے لا تقطع السارق الا فی ثمن المجن چور کا (ہاتھ) کاٹا نہیں جائے گا مگر ڈھال کی قیمت میں اور ڈھال کی قیمت کے تعین میں اختلاف ہے ہمارے (حنفیہ) کے پاس دس درہم ہیں اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے پاس ربع (1/4) دینار ہے اور امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کے پاس تین درہم ہیں۔ علماء کرام ڈھال کی قیمت میں اختلاف کرنے کے باوجود سب اس امر پر متفق ہیں کہ قطع ید کا نصاب شریعت کی طرف سے مقرر ہے۔ اور ہم اس کی زیادہ سے زیادہ جو قیمت ہے اس کو اختیار کئے ہیں کیونکہ وہ قطعی ہے۔ اور دس درہم میں ہاتھ کے نہ کاٹے جانے کی بات کسی نے بھی نہیں کہی ہے۔ البتہ دس درہم سے کم میں قطع کے بارے میں اختلاف ہے اور شک و شبہ کی بناء پر قطع ید نہیں ہوگا۔

بلکہ شبہات کی وجہ سے حدود کو دفع کر دیا جاتا ہے۔ نیز دس درہم کی روایت فقیہ راوی کی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ دس درہم میں قطع ید واجب ہونے پر اجماع ہے اور دس درہم سے کم میں احادیث شریفہ علی صاحبہا والہ الصلاۃ والسلام میں اختلاف کی وجہ سے علماء کا اختلاف ہوا اور اس میں احتمال پیدا ہو گیا اور احتمال کی وجہ سے قطع ید واجب نہیں ہوتا۔

جب احادیث شریفہ اور صحابہ کے آثار میں اختلاف ہوا اور اس میں مقدم و مؤخر کونسا قول ہے معلوم نہیں جس سے ناسخ و منسوخ کا پتہ چل سکے تو ہم قابل اعتماد احتیاط کا پہلو جس میں سے کوئی شک نہ ہو اختیار کئے ہیں اور دس درہم میں کیونکہ شبہات سے حدود دفع ہو جاتے ہیں اور صرف اسی وقت جاری کئے جاتے ہیں۔ جب کہ اس میں کوئی شبہ نہ رہے۔

اور شیخ ابن ہمام نے فرمایا ہے کہ قطع ید سے متعلق مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کیا مال کی کوئی بھی مقدار ہو اس میں قطع ید ہوگا یا اس کے لئے کوئی ایسی مقدار مقرر ہے کہ اس سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ پہلا قول حضرت حسن بصری، امام داؤد خوارج اور امام شافعی کے نواسہ ہیں۔

کیونکہ آیت قرآنی مطلق ہے اور حدیث شریف میں ہے لعن اللہ السارق الخ اللہ تعالی لعنت کرے سارق پر کہ وہ انڈا چوری کرتا ہے۔ ہاتھ کاٹا جاتا ہے رسی چوری کرتا ہے ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور حضرات کے علاوہ دیگر علماء کرام کے پاس قطع ید کے لئے مقررہ مقدار دس درہم متعین ہے۔ اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ربع دینار ہے اور امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کے پاس ربع دینار یا تین درہم ہیں۔ اور اس پر (یعنی تعین مقدار پر) صحابہ علیہم الرضوان کا جماع منقول ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ آیت مطلق نہیں بلکہ وہ مقید ہے۔ اور عقلی طور پر اگر دیکھا جائے تو حقیر چیز میں رغبت کم ہوتی ہے اور اس کو منع بھی نہیں کیا جاتا جیسے گیہوں کا دانہ ہے حالانکہ یہ بھی آیت کے اطلاق میں شامل ہے اور اس (حقیر چیز) کا لینا پوشیدہ بھی نہیں رہتا۔ اس لئے اس کو لینے سے چوری کا رکن (پوشیدہ طور پر لینا) یہاں پایا نہیں جاتا۔ پس یہ تخصص عقلی

45/4675۔ امام ترمذی نے اپنی کتاب جامع میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت نقل کی ہے انہوں نے کہا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا مگر ایک دینار یا دس درہم میں۔ اور یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ اس کو قاسم بن عبدالرحمٰن نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور قاسم بن عبدالرحمٰن کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سماع حاصل نہیں ہے

46/4676۔ حضرت ملا علی قاری نے فرمایا یہ بات صحیح ہے لیکن امام حصفکی کی جمع کردہ مسند امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ میں ہے کہ ابن مقاتل نے حضرت ابو حنیفہ (امام اعظم) سے روایت کی ہے اور آپ قاسم بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود سے اور وہ اپنے والد سے اور وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہاتھ دس درہم میں کاٹا جاتا تھا۔

47/4677۔ اور ایک روایت میں ہے کہ یقیناً ہاتھ کاٹنا دس درہم میں تھا۔ پس روایت موصول اور مرفوع ہے اگر یہ روایت موقوف ہو تب بھی وہ مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ شریعت کے مقررہ حدود میں عقل کا دخل نہیں ہے۔

ہے جب کہ پہلے سے اس آیت میں مال غیر محفوظ کی بالاجماع تخصیص ہو چکی ہے۔ اس لئے اس حدیث میں جس میں رسی اور بیضہ کی چوری کا ذکر ہے اس میں تاویل کرنا ضروری ہوا کہ رسی سے مراد وہ رسی ہے جو دس درہم کی قیمت کی ہو۔ بیضہ سے مراد لوہے کا خود (لوہے کی ٹوپی (ہلمٹ)) ہے۔ یا ہوسکتا ہے کہ آپ یہ اس وقت فرمائے ہوں جب یہ آیت نازل ہوئی تھی جو مجمل ہے ابھی اس کا بیان نہیں آیا تھا۔ اس کے بعد اس کا نصاب بیان کر دیا گیا یا یہ کہ منسوخ ہو گیا ہو یعنی ابتداء اسلام میں قطع ید کا کوئی نصاب نہیں تھا پھر یہ منسوخ ہو گیا۔

(عقود الجواہر، تفسیرات احمدیہ، کوکب دری، بذل المجہود، تعلیق ممجد، مرقات، شروح کنز)

اس لئے اس باب میں موقوف حدیث بھی مرفوع کے حکم میں ہے۔

48/4678۔ اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کتاب الآ ثار میں عن ابی حنیفۃ عن القاسم بن عبدالرحمن عن ابیہ عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ روایت کئے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا دس درہم سے کم کی چوری میں چور کا ہاتھ کاٹا نہیں جائے گا۔

اور امام احمد نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے اسی طرح مرفوعا روایت کی ہے۔

49/4679۔ ابن ابی شیبہ نے قاسم سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس ایک آدمی لایا گیا جو چوری کیا تھا تو آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ سے فرمایا اس کی قیمت کا اندازہ کرو۔ انہوں نے اس کی قیمت کا اندازہ آٹھ درہم بتایا تو آپ نے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا۔

50/4680۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنھما سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈھال جس کی قیمت ایک دینار یا دس درہم تھی چوری کرنے پر ایک آدمی کا ہاتھ کاٹا۔ (ابوداؤد)

51/4681۔ امام نسائی، امام بیہقی اور امام طحاوی نے ان (حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھما) سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ڈھال کی قیمت دس درہم لگائی جاتی تھی۔ امام حاکم نے مستدرک میں ابن اسحاق سے روایت کی ہے اور فرمایا یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے مگر ان دونوں نے اس کی تخریج نہیں کی ہے۔

52/4682۔ نسائی کی روایت عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ میں ہے انہوں نے کہا کہ مجن یعنی ڈھال کی قیمت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دس درہم تھی۔

53/4683۔ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے آپ نے ارشاد فرمایا پھل میں اور کثر (کھجور کا گابھا اور ردی چیز) میں ہاتھ کاٹا نہیں جائے گا۔3 (امام مالک، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی، ابن ماجہ)

3قولہ **لا قطع فی ثمرٍ وَلَا کَثَر** شرح السنہ میں ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ظاہر حدیث کے مطابق تازہ میووں میں خواہ وہ محفوظ ہوں یا غیر محفوظ قطع ید نہیں ہے گوشت، دودھ اور شربت وغیرہ کو اسی پر قیاس کیا ہے۔ اور دوسروں نے ایسی تمام چیزوں میں بشرطیکہ وہ محفوظ ہوں قطع ید کا حکم دیا ہے۔ حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی رحمہما اللہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ (مرقات)

ہدایہ میں ہے کہ ایسی چیزیں جو جلد خراب ہوجاتی ہیں ان میں قطع ید نہیں ہے۔ جیسے دودھ گوشت تر میوے وغیرہ۔ کیونکہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے" **لا قطع فی ثمر ولا کثر** "اور کثر جمار (کھجور کا گابھ) اور ردی چیز کو بھی کثر کہا گیا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد **لا قطع فی الطعام** سے مراد ایسی چیزیں ہیں جو جلد خراب ہوجاتی ہیں۔ (واللہ اعلم) جیسے پکا ہوا کھانا اور اسی مفہوم کی دوسری چیزیں جیسے گوشت اور پھل وغیرہ یہ اس لئے کہ بالاتفاق گیہوں اور شکر میں ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ان تمام میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ثمر میں اور جمار میں قطع نہیں البتہ اگر وہ کھلیان میں آجائیں یعنی وہ خشک ہوجائیں تو قطع ید ہے ہم احناف یہی کہتے ہیں اور عام طور پر جرین (کھلیان) خشک ہونے پر آجاتا ہے اور اس وقت اس میں قطع ید ہوگا۔ جو کھلیان میں رکھے ہوئے تازہ پھل اور اس جیسی چیزوں کے متعلق حدود کی بابت احادیث متعارض ہیں ایسی صورت میں حدود کو دفع کرنے کا حکم مقدم ہوگا۔ اور لمعات میں ہے اس بات کو جانو کہ پھل جب تک درخت پر ہیں اور کھیت ابھی کاٹے نہیں گئے ہیں اس میں چونکہ وہ ابھی محفوظ نہیں ہیں۔ اس لئے اس میں قطع ید نہیں۔ لیکن پھل جب وہ

54/4684 ۔ امام ابوداؤد نے مراسیل میں حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں (پکائے ہوئے) کھانے میں ہاتھ نہیں کاٹتا۔

اور حضرت عبدالحق (محدث دہلوی) نے اس حدیث کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ اس میں ارسال کے سوا اور کوئی علت نہیں ہے اور تم کو یہ بات معلوم ہے کہ ارسال بھی ہمارے پاس علت نہیں ہے۔ پس اس کے مطابق عمل کرنا ہمارے پاس واجب ہے۔

55/4685 ۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خیانت کرنے والے، لُوٹنے والے اور چھین لینے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ 4 (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

درخت سے اتار لئے گئے ہیں اور محفوظ کر لئے گئے ہوں تو اس میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس قطع ید ہے اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ان کی ایک روایت میں ہے کہ پھل کسی ایسے باغ میں جو محفوظ ہے یا وہ درخت کسی محفوظ گھر میں ہے اور نصاب کے مطابق چوری ہو جائے تو اس میں قطع ید ہے لیکن ہم احناف کے پاس ایسی چیزوں میں جلد فساد اور خرابی آتی ہے جیسے دودھ گوشت، تازہ میوے وغیرہ اس میں قطع ید نہیں ہے۔ کیونکہ حضور علیہ والہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد ہے لاقطع فی ثمر ولا کثر اور حضور علیہ والہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا لاقطع فی طعام کھانے میں قطع نہیں ہے۔ اس سے مراد تیار کھانا جس میں جلدی خرابی آجاتی ہے اور وہ سب چیزیں ہیں جو اسی مفہوم میں ہیں جیسے گوشت اور پھل۔

4 قولہ لیس علی خائن ولا منتهب ولا مختلس قطع۔ ہدایہ میں ہے خائن اور خائنہ کا ہاتھ اس لئے نہیں کاٹا جائے گا کہ وہ مال محفوظ نہیں ہے اور منتهب اور مختلس یعنی لوٹنے اور اُچک لینے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اس لئے کہ وہ علانیہ یہ حرکت کر رہا ہے۔ اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام ارشاد فرمائے "لاقطع فی مختلس ولا منتهب ولا خائن"۔

56/4686۔ اور انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوٹنے والے کا ہاتھ کاٹا نہیں ہے اور جو شخص کھلے بندوں ڈاکہ ڈالے وہ ہم میں سے نہیں۔ (ابوداؤد)

شیخ ابن ہمام نے فرمایا صفوان کی حدیث میں اضطراب ہے۔ اور اضطراب حدیث کے ضعیف ہونے کا باعث ہوتا ہے 5

شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا کہ کسی حدیث مشہور میں یہ مروی نہیں کہ صفوان، اپنا مال سارق کو ہبہ کرنے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سارق کا ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا ہے۔

---

5 **قولہ: فی حدیث صفوان اضطراب الخ** اس بات کو جانو! جس آدمی کا مال چوری ہوا ہے اگر سارق کو وہ مال ہبہ کردے یا اس کو اس کے ہاتھ بیچ ڈالے جب کہ یہ عمل قضاء قاضی سے پہلے ہوا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹا نہیں جائے گا کیونکہ اس کا جھگڑا ختم ہوگیا ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اور اگر قضاء قاضی کے بعد اس کو نافذ کرنے سے پہلے ہوا ہے تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس قطع ید ساقط ہو جائے گا اور امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کے پاس قطع ید ساقط نہیں ہوگا اور ان دونوں حضرات کی دلیل حضرت صفوان رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث ہے کہ وہ ایک مرتبہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں اپنی چادر کو تکیہ بنا کر سو رہے تھے کہ کوئی ان کی چادر چوری کرلیا تو انہوں نے اس کا پیچھا کر کے پکڑ لیا اور اس کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا تو حضور علیہ والہ الصلاۃ والسلام نے قطع ید کا حکم فرمایا تو حضرت صفوان عرض کئے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری چادر کی وجہ سے آپ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا ہے تو میں اپنی چادر اس کو ہبہ کردیتا ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا تم میرے پاس آنے سے پہلے کیوں ہبہ نہیں کردئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قضاء قاضی کے بعد قطع ید ساقط نہیں ہوتا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حدود کے باب میں بالفعل حد کو جاری کرنے کا حکم قاضی کے قول فیصل کا تتمہ ہے۔ حد جاری کرنے کے حکم سے پہلے کی صورت حال فیصلہ سے پہلے کی صورت حال کی طرح ہے اور اگر قبل القضاء اس کو مالک بنادیا تو اس کا ہاتھ کاٹا نہیں جائے گا۔ (ملخص از مبسوط، بذل المجہود، فتح القدیر، عنایہ)

اور جو مزید تفصیل چاہتا ہے مذکورہ کتب کی طرف مراجعت کرے۔ اور فتح القدیر میں ہے کہ صفوان رضی اللہ تعالی عنہ کی مذکورہ حدیث مشکوۃ کی روایت کے مطابق ہے اور مستدرک للحاکم کی روایت میں انا ابیعه و انسئه ثمنه وسکت علیه ہے (میں اس کو فروخت کردیتا ہوں اور اس کی قیمت ادھار رکھتا ہوں) آپ اس پر سکوت اختیار کئے اور کسی ایک روایات میں اس کا ذکر نہیں ہے بلکہ ماکنت اریدھذا (میں یہ نہیں چاہتا تھا) اور ایقطع رجل من العرب فی ثلاثین درھما (کیا عرب کے کسی آدمی کا ہاتھ تیس درہم میں کاٹا جائے گا) ہے۔

واقعہ ایک ہی ہے اور اس میں جو زیادتی ہے اس میں اضطراب ہے اور حدیث اضطراب کی وجہ سے ضعیف قرار پاتی ہے۔ اور ھو صدقة علیه (وہ اس پر صدقہ ہے) کے قول میں احتمال ہے کہ اس کو واپس کردینے کے بعد قبضہ کیا ہو۔ اور قبضہ سے قبل ملک ثابت نہیں ہوتی۔

کتاب مبسوط میں ہے صفوان رضی اللہ تعالی عنہ کی جو حدیث ہے بعض روایات میں ''عفوت عنہ'' (میں ان کو معاف کردیا) آیا ہے اور حدیث شریف میں حکایت حال ہے اس میں عموم نہیں ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ''یہ کام میرے پاس لانے سے پہلے کیوں نہیں کیے تاکہ اس کی پردہ دری نہ ہوتی''۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ یہ جو روایت آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہوگیا۔ تو حضرت صفوان رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا۔ یارسول اللہ (ﷺ) گویا کہ یہ بات آپ پر شاق گزری۔ فرمایا مجھ پر کیوں شاق نہیں گزرے گی تم لوگ اپنے عمل سے اپنے مسلمان بھائی کے خلاف شیطان کے مددگار بن گئے ہو۔ اس سے یہ معلوم

57/4687 ۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اللہ کی راہ میں لوگوں سے قریب ہو یا دور، جہاد کرو۔ اور اللہ تعالی کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ مت کرو اور حضر و سفر میں اللہ تعالی کے حدود کو قائم کرو۔ 6 (مسند احمد)

ہوا کہ حضور علیہ والہ الصلاۃ والسلام کو ان کے عیب کی پردہ دری ناپسند ہوئی، کسی مشہور روایت میں اس ہبہ کے بعد ان کا ہاتھ کاٹنا مروی نہیں ہے اور کسی اور روایت میں ہاتھ کاٹنے کا ذکر ہے تو اس میں احتمال ہے کہ سارق اس ہبہ کو قبول نہ کیا ہو اور جب اس کی پردہ دری ہو چکی تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پاک کرنے کی غرض سے حد جاری کرنے کو مناسب سمجھا اس لئے اس کے ہبہ کو قبول نہیں فرمایا اور ہمارے پاس مسئلہ یہ ہے کہ سارق ہبہ کو قبول نہ کرے تو ہاتھ کاٹنا ساقط نہیں ہوگا۔

بذل المجہود میں ہے حضرت صفوان رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت میں اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ ان کی روایت میں وھو علیہ صدقۃ کے الفاظ ہیں یعنی وہ ان پر صدقہ ہے۔ اس میں احتمالات ہیں۔ ہوسکتا ہے مال مسروقہ ہبہ کردیا ہو یا اس کی مراد قطع ید کو ہبہ کرنا (معاف کرنا) ہو۔ قطع ید کو ہبہ کرنے (معاف کرنے) سے حد ساقط نہیں ہوتی یہ اس لئے بھی کہ بعض روایات میں وھبۃ القطع ہے اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ مال مسروقہ کو صدقہ یعنی ہبہ کردیا ہو لیکن وہ اس پر قبضہ نہ کیا ہو۔ اور قطع ید کے ساقط ہونے کے لئے ہبہ قبضہ کے ساتھ ہونا چاہئے۔

6 واقیموا حدود اللہ فی السفر والحضر ۔ اس بات کو جانو اس حدیث شریف میں سفر عام ہے۔ کیونکہ مسافر کبھی غازی ہوتا ہے اور کبھی غازی نہیں ہوتا ہے۔ اس حدیث شریف سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حالت جنگ میں بھی حدود جاری کئے جاسکتے ہیں۔ اسی لئے ہمارے فقہاء کرام نے فوجی چھاونی میں بھی حد جاری کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ اب رہا بسر بن ارطاۃ رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت کہ **لاتقطع الایدی فی الغزو**

58/4688 ۔ سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا جب چور چوری کرے تو اس کا سیدھا ہاتھ کاٹا جائے گا 7 پھر دوبارہ کرے تو اس کا بایاں پاؤں کاٹا جائے گا پھر اس کے بعد کرے تو اس کو قید کیا جائے گا یہاں تک کہ اچھی صورت رونما ہو۔ مجھے اللہ تعالی سے حیاء آتی ہے کہ اس کو اس طرح کردوں کہ اس کا کوئی ہاتھ نہ ہو جس سے وہ کھا سکے اور استنجاء کر سکے۔ اور اس کا کوئی پاؤں نہ ہو جس سے وہ چل سکے۔

(کتاب الآثار امام محمد، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، بیہقی، دارقطنی)

59/4689 ۔ مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ نجدۃ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کے پاس چور کے بارے میں لکھ کر مسئلہ دریافت کیا تھا تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی طرح ان کی طرف جواب لکھ کر روانہ کیا۔

جنگ میں ہاتھ کاٹے نہیں جائیں گے۔ اس کے بارے میں بعض نے کہا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے اور اس کو امام اوزاعی اختیار کئے ہیں۔ ہمارے فقہاء کرام نے اس کو اختیار نہیں کیا ہے۔ اور دیگر بہت سے فقہاء نے بھی اس کو اختیار نہیں کیا۔ کیونکہ ان حضرات نے جنگ کی زمین اور غیر جنگ کی زمین میں کوئی فرق نہیں کیا ہے۔ ان کی یہ رائے ہے کہ جنگ کی زمین میں جس طرح فرائض وعبادات ان پر واجب ہیں اسی طرح حدود بھی وہاں جاری کئے جاسکتے ہیں۔ اس حدیث شریف کے بارے میں بعض نے یہ کہا ہے کہ حدیث میں لفظ ''غزو'' سے مراد مال غنیمت ہے۔ مال غنیمت کے تقسیم سے پہلے کوئی چوری کیا تو ہاتھ کاٹا نہیں جائے گا۔ کیونکہ اس میں اس کا بھی حق ہے۔ (ماخوذ از حاشیہ کوکب الدری، نیل الاوطار، سندھی، مرقات)

7 **قولہ اذا سرق السارق قطعت یدہ الیمنی الخ** (جب چور چوری کرے تو اس کا سیدھا ہاتھ کاٹا جائے گا) سب کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اگر چور پہلی مرتبہ چوری کیا ہے تو

اس کا سیدھا ہاتھ کاٹا جائے گا اور دوسری مرتبہ چوری کرے تو بایاں پیر کاٹا جائے گا اور ہاتھ پاؤں کاٹے جانے کے بعد تیسری مرتبہ چوری کرے تو اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت امام شافعی اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ کے پاس اس کا بایاں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ پھر چوتھی مرتبہ چوری کرے تو سیدھا پاؤں کاٹا جائے گا۔ پھر چوری کرے تو تعزیری سزا دی جائے گی اور حضرت ابو سلمہ اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کے مطابق اس کو قید بھی کیا جائے گا۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے اصحاب کے پاس تیسری مرتبہ چوری کرے تو قید کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ تائب ہو جائے تیسری مرتبہ چوری کرنے کی صورت میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ لیکن تعزیری سزا کے طور پر اس کو قید کرنے کے ساتھ مار بھی سکتے ہیں کیونکہ (تیسری مرتبہ میں) ہاتھ کاٹنا نہیں ہے۔ تو اب صرف ضرب وحبس کے ذریعہ اس کو زجر و تادیب کی جائے گی۔ اور ہماری دلیل اجماع صحابہ علیہم الرضوان ہے۔ جب کہ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کے سامنے یہ حجت پیش کی کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے حیاء آتی ہے کہ میں اس چور کا کوئی ہاتھ یا پاؤں نہ چھوڑوں جس سے وہ نہ پکڑ سکتا ہو اور نہ چل سکتا ہو۔

اور اس مسئلہ میں کسی نے بھی مرفوع حدیث سے استدلال نہیں کیا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہے کہ اس باب میں کوئی مرفوع حدیث نہیں ہے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں تمام آثار تلاش کئے گئے اس میں اس کے لئے کوئی دلیل نہیں ملی۔ اسی لئے پانچویں مرتبہ چوری کرے تو قتل نہیں کیا جائے گا۔

اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے پانچویں مرتبہ قتل کئے جانے کی روایت اگر صحیح ہے تو سیاسی سزا پر محمول کی جائے گی۔ یا وہ منسوخ ہے۔ سیاسی سزا پر محمول کرنے کی دلیل یہ ہے کہ حضور علیہ والہ الصلاۃ والسلام نے پانچویں مرتبہ میں فرمایا اگر وہ چوری کا پھر اعادہ کرے تو تم اس کو قتل کر دو۔ اس کو بالاتفاق سیاسی سزا پر محمول کیا گیا ہے۔ (ماخوذ از مرقات، شروح کنز، ہدایہ، عنایہ)

60/4690 ۔سعید بن منصور، سعید بن ابوسعید مقبری سے روایت کرتے ہیں وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس حاضر ہوا آپ کے پاس ایک ہاتھ پیر کٹا ہوا آدمی لایا گیا جو پھر چوری کیا تھا۔ تو آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔ تو انہوں نے کہا امیر المومنین آپ اس کا پھر ہاتھ کاٹ دیجئے۔ تو آپ نے فرمایا یہ بات تو ایسی ہے کہ میں اس کو گویا قتل کردیا۔ حالانکہ اس پر قتل نہیں ہے۔ وہ کس چیز سے کھانا کھائے گا۔ کس چیز سے نماز کے لئے وضو کرے گا۔ کس چیز سے جنابت کا غسل کرے گا۔ کس چیز سے وہ اپنی ضرورت پوری کرے گا۔ آپ نے اس کو چند دنوں کے لئے قید خانہ بھیج دیا پھر آپ اس کو باہر لائے اور اپنے اصحاب سے اس بارے میں مشورہ فرمایا تو انہوں نے پہلے کی طرح مشورہ دیا تو آپ نے ان کو پہلی مرتبہ جو فرمایا تھا وہی فرمایا اور اس کو سخت کوڑے لگائے پھر چھوڑ دیا۔

اور شیخ ابن ہمام نے فرمایا تیسری یا چوتھی مرتبہ قطع کی روایت اگر درجہ صحت میں ہے 8 تو اس کو سیاسی سزا پر محمول کیا جائے گا یا وہ منسوخ ہے۔

---

8 قولہ ان صح حمل علی السیاسة او نسخ ۔(اگر یہ روایت درجہ صحت میں ہے تو اس کو سیاسی سزا پر محمول کیا جائے گا وہ منسوخ ہے) اس میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی طرف اشارہ ہے کہ''ہم نے آثار کو تلاش کیا لیکن ان میں سے کسی کے لئے بھی کوئی اصل ہم کو نہیں مل سکی'' صاحب فتح القدیر نے کہا مبسوط میں ہے کہ یہ حدیث درجہ صحت میں نہیں ہے اور اگر اس کی صحت کو تسلیم بھی کرلیا جائے تو یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ ابتداء میں حدود میں سختی تھی۔ جیسا کہ عرینیین کے ہاتھ پیر کاٹے گئے اور ان کے آنکھوں پر گرم سلائی پھیری گئی۔ پھر فتح القدیر میں اس کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ہمارے اس مذہب کے مطابق سیدنا علی اور سیدنا ابن عباس اور سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنھم سے روایت منقول ہے اور

61/4691۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چور لایا گیا جو چادر چوری کیا تھا۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ میں نہیں سمجھتا کہ وہ چوری کیا ہے۔ چور نے کہا کیوں نہیں یارسول اللہ ﷺ (یعنی میں چوری کیا ہوں) آپ نے فرمایا اس کو لے جاؤ اور ہاتھ کاٹ دو 9 داغ دو اور پھر اس کو میرے پاس لاؤ۔

یہ امر ایسا ثابت شدہ ہے کہ اس کے خلاف کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور یہ بات بعید از فہم ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سارق کے چار مرتبہ قطع کا حکم فرمائے ہوں پھر اس کو قتل بھی کردئے ہوں اور سیدنا علی اور سیدنا عباس اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہم جیسے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی خدمت اقدس میں ہمیشہ رہنے والے صحابہ کو اس بات کا علم نہ ہو۔ اور اگر یہ حضرات غیر موجود بھی رہے ہوں تو بہر حال یہ بات ان کے علم میں ضرور آتی تھی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اس عمل سے رکنا یا تو اس امر گزشتہ کے ضعیف ہونے کی بناء پر یا اس کے واقفیت کی بناء پر ہے کہ یہ حد دائمی نہیں ہے بلکہ امام کی سیاسی رائے کی بناء پر ہے اگر امام دیکھ رہا ہے کہ وہ زمین میں فساد پھیلانے کے لئے کوشاں ہے اور اس کی طبیعت باز آنے سے بعید ہے تو ایسے وقت امام کے لئے سیاسی مصلحت کی بناء پر اس کو قتل کردینے کا اختیار ہے۔ تو وہ معنوی قتل بھی کرسکتا ہے۔ معنوی قتل سے مراد اس کے چاروں اعضاء کو کاٹ دینا ہے۔ سیاسی مصلحت کی بناء پر اس کو قتل کرنا جب اس کے لئے درست ہے تو معنوی قتل بھی اس کے لئے درست ہے۔ اور اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف جو ہم بیان کئے ہیں کہ تیسری مرتبہ سیاسی مصلحت سے قتل کرنے کا اس کو اختیار حاصل ہے۔ (ردالمحتار)

9 قولہ فاقطعوہ ثم احسموہ الخ (ہاتھ کاٹ دو اور داغ دو) داغ دینا امام شافعی رحمتہ اللہ کے پاس مستحب ہے اور ہمارے پاس واجب ہے۔ کیونکہ حدیث میں صیغہ امر ہونے کی بناء پر اس امر کا واجب ہونا ظاہر ہے۔ جب کہ حقیقی معنی کے لئے کوئی مانع نہیں ہے

اور پھر اس کو میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ اس کا ہاتھ کاٹا گیا اور داغ پھر آپ کی خدمت میں لایا گیا۔ تو آپ نے فرمایا اللہ تعالی کی جناب میں توبہ کر: تو اس نے کہا میں نے اللہ تعالی کی جناب میں توبہ کی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالی نے تیری توبہ قبول کی۔ (مستدرک، علی شرط مسلم)

62/4692۔ امام بغوی نے شرح السنۃ میں سارق کے ہاتھ کاٹنے کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹو پھر اس کو داغ دو۔

(دارقطنی اور اور عبدالرزاق اور دیگر محدثین نے اس کے ہم معنی روایت کی ہے)

63/4693۔ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چور لاگیا تو اس کا ہاتھ کاٹا گیا پھر آپ ﷺ نے اس کے بارے میں حکم فرمایا تو اس کی گردن میں اس کو لٹکا دیا گیا۔ 10 (ترمذی، ابوداود، نسائی، ابن ماجہ)۔

خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ ہاتھ کاٹ دینے کے بعد ویسے ہی چھوڑ دیا جائے تو یہ تلف ہوجانے کا موجب بنے گا۔ حدود باز رکھنے کے لئے ہوتے ہیں تلف کرنے کے لئے نہیں ہوتے۔ اور اس دوسری جہت سے بھی یہ واجب قرار پاتا ہے۔

چنانچہ اس کا ہاتھ کاٹا گیا اور داغ دیا گیا پھر آپ کی خدمت میں لایا گیا۔ تو آپ نے فرمایا اللہ تعالی کی جناب میں توبہ کر: تو اس نے کہا میں نے اللہ تعالی کی جناب میں توبہ کی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالی نے تیری قبول کی۔ (مستدرک، علی شرط مسلم)

10 قولہ: فعلقت فی عنقہ شیخ ابن ہمام نے فرمایا کہ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ سے منقول ہے کہ چور کے ہاتھ کو اس کی گردن میں لٹکانا مسنون ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا حکم فرمایا ہے اور ہمارے پاس یہ حکم امام کے لئے اگر اس کی رائے ہو تو مطلق ہے کیونکہ ہر ہاتھ کاٹنے کے وقت اس طرح کا عمل حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے ثابت نہیں ہے کہ وہ سنت ہوجائے۔ (درمختار، نیل الاوطار، ہدایہ)

اور امام نسائی نے کہا کہ اس کی سند میں راوی حجاج بن ارطاۃ ضعیف ہیں۔ ان کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ اور شیخ ابن ہمام نے کہا ہے کہ ہمارے پاس یہ حکم امام کے لئے مطلق ہے اگر وہ مصلحت سمجھتا ہے تو کر سکتا ہے۔ اور حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے اس شخص کے لئے جس کا ہاتھ کاٹا جائے اس طرح کا عمل ثابت نہیں ہے کہ وہ سنت ہو جائے۔

64/4694۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے جب غلام چوری کرے [11] تو تم اس کو اگرچیکہ آدھی قیمت میں ہو فروخت کردو۔ (ابوداؤد نسائی، ابن ماجہ)

65/4695۔ حضرت نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا غلام بھاگ گیا اور اس حالت میں چوری کیا۔ اس کو عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس لایا گیا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اس سے کہا کہ تیرا بھاگنا ہرگز تجھ کو اللہ تعالی کی کسی حد سے نہیں بچائے گا۔ راوی نے کہا کہ آپ نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا [12] (سنن بیہقی) اور اسی معنی میں امام مالک سے روایت ہے۔

---

[11] **قولہ اذا سرق المملوک فبعه ولو بنش** (جب غلام چوری کرے تو تم اس کو اگرچیکہ آدھی قیمت میں ہو فروخت کردو) بذل المجہود میں ہے کہ مولانا محمد یحیٰ مرحوم نے اپنی تقریر میں لکھا ہے کہ اس حدیث کو اس باب میں لانے کا مقصد اس امر پر تنبیہ کرنا ہے کہ امام کو اگر وہ مناسب سمجھتا ہے تو حد پر اضافہ کرنے کا حق حاصل ہے۔ اور یہ تعزیر کہلاتا ہے۔ مزید برآں نصف قیمت یا اس کے سوا ایسی چیز سے بیچنا جو اس کی قیمت کی برابر نہیں ہے تو اس کو عیب دار اور ذلیل کرنا ہے۔ اور یہ اس کی گردن میں ہاتھ لٹکانے کی طرح سے ہے۔

[12] **قولہ فقطعه** (انہوں نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا) بحرالرائق، مرقات اور ہدایہ میں ہے جو غلام اپنے آقا اور اپنی مالکن کے شوہر کے سوا، کسی اور کے پاس چوری کرے اس کا خواہ بھگوڑا ہو یا نہ ہو اس حدیث کی بناء پر اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور اس لئے بھی کہ نص قرآنی

66/4696۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی حضرت عمر کے پاس اپنے غلام کو لایا اور کہا اس کا ہاتھ کاٹ دیجئے کیونکہ اس نے میری بیوی کا آئینہ چرایا۔ تو حضرت عمر نے فرمایا اس پر قطع کی سزا نہیں ہے۔ 13 کیونکہ یہ تمہارا خادم ہے اور تمہارا مال لیا ہے۔ امام مالک نے اس کی روایت کی ہے اور امام محمد نے اپنی روایت میں یہ اضافہ کیا ہے کہ میری بیوی کا آئینہ جس کی قیمت ساٹھ درہم ہے اس نے چوری کیا ہے۔

67/4697۔ حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چور لایا گیا تو آپ اس کا ہاتھ کاٹ دیئے تو صحابہ عرض کیے ہم نہیں سمجھتے تھے۔ کہ آپ ﷺ اس کے ساتھ ایسا کرنے کا حکم فرمائیں گے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر فاطمہ بھی ہوتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔ (نسائی)

68/4698۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ کفن چور پر 14 ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے۔ (ابن ابی شیبہ)

"السارق والسارقة فاقطعوا ایدیھما (الآیاۃ) نے غلام اور آزاد کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا ہے۔ کیونکہ غلام کے لئے آزاد کی حد کا آدھا کرنا مشکل ہے۔ پس لوگوں کے مال کی حفاظت کے لئے اس پر کامل حد جاری کی جائے گی۔ امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک امام شافعی رحمہم اللہ کا یہی قول ہے

13 قولہ: لاقطع علیہ اس پر امام ہمام نے کہا ہے کہ جب زوجین میں سے کوئی ایک دوسرے کا مال چوری کرے یا غلام اپنے آقا کا یا مالکن کے شوہر کا مال چوری کرے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کیونکہ عام طور پر اس کو آنے جانے کی اجازت ہے اس لئے مال غیر محفوظ ہے۔ (مرقات)

14 قولہ لیس علی النَّبَّاشِ قطع : (کفن چور کا ہاتھ کاٹنا نہیں ہے) نون کے زبر کے ساتھ ہے۔ میت کو دفن کرنے کے بعد اس کا کفن چوری کرنے میں ہاتھ کا نہ

69/4699۔امام زہری سے ابن ابی شیبہ کی ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانے میں ایک کفن چور پکڑا گیا۔مروان مدینہ کا گورنر تھا۔اس نے صحابہ اور فقہاء سے جو موجود تھے دریافت کیا،تو سب کی رائے کا اس بات پر اتفاق ہوا کہ اس کو پیٹا جائے اور گھمایا جائے۔

اور محدث عبدالرزاق نے اس کے ہم معنی روایت کی ہے۔

ملا علی قاری نے کہا ہے کہ گھر کا قبر پر حقیقتاً یا حکماً اطلاق کئے جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ قبر محفوظ جگہ ہو۔کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسے گھر سے کوئی چیز لے لے جس کو بند دروازہ نہ ہو اور نہ پہریدار ہو تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

کاٹا امام اعظم ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہا اللہ تعالی کا مذہب ہے۔خواہ وہ قبر کسی مقفل گھر میں ہو یا جنگل میں،خواہ قبر سے لیجانے والی چیز میت کا کفن ہو یا اس کے سوا کوئی اور چیز۔حفاظت نہ پائے جانے کی وجہ سے کفن کی چوری،چوری نہیں کہلاتی۔کیونکہ میت اپنے نفس کی حفاظت نہیں کرسکتی اور نہ قبر حفاظت کی جگہ ہے۔اور کفن کی ملکیت میں بھی شبہ آ گیا ہے اس لئے کہ میت کی درحقیق کوئی ملکیت نہیں ہوتی اور نہ وارث کی ملکیت ہے کیونکہ میت کی ضرورتیں مثلاً تجہیز وتکفین ورثہ کے حقوق پر مقدم ہیں (حواشی ہدایہ)

اور ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کے قول سے جس کو ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے کہ کفن چور پر قطع ید نہیں ہے،اس کی تائید ہوتی ہے نیز ابن ابی شیبہ نے امام زہری کی روایت نقل کی ہے کہ مروان کے پاس کچھ لوگ لائے گئے جو کفن چور تھے تو اس نے ان کو پیٹا اور شہر بدر کردیا۔اس وقت صحابہ بکثرت موجود تھے۔عبدالرزاق نے اس کی تخریج کی ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ ان کو گشت کرایا گیا۔امام زہری سے ابن ابی شیبہ کی ایک روایت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانہ میں ایک کفن چور پکڑا گیا۔اور مراوان مدینہ کا گورنر تھا۔

اس نے صحابہ اور فقہاء سے جو موجود تھے دریافت کیا۔ تو سب کی رائے کا اس بات پر اتفاق ہوا کہ اس کو ضرب لگائی جائے اور (شہر میں) گھمایا جائے۔ امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہما کے پاس کفن چور کے ہاتھ کو کاٹنا ضروری ہے اور اس مسئلہ میں۔ ابن زبیر رضی اللہ تعالی عنہ ان سے مقدم ہیں کہ انہوں نے کفن چور کا ہاتھ کاٹا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب التاریخ میں اس کی تخریج کی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے بھی اس جیسی روایت ثابت ہے جس کی تخریج محدث عبدالرزاق نے کی ہے۔

اور یہ حدیث بھی ان دونوں کے موافق ہے۔ من نبش قطعناہ (جو کفن چوری کرے گا ہم اس کا ہاتھ کاٹ دیں گے۔ اما بیہقی نے مرفوعاً اس کی تخریج کی ہے۔ صاحب ہدایہ کا اس حدیث کی مرفوع ہونے سے انکار کرنا صحیح نہیں ہے۔ نیز حدیث لاقطع علی المختفی (کفن چور پر قطع ید نہیں ہے) کے الفاظ کے ساتھ اس کو صاحب ہدایہ کا مرفوع کہنا قابل التفات نہیں ہے۔

حضرت اما اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی طرف سے اس کے جواب میں یہ کہا گیا ہے کہ من نبش قطعناہ کی حدیث شریف کی سند میں مجہول راوی ہے اس لئے اس کا اعتبار نہیں ہے دوسری بات یہ ہے کہ اس کو سیاسی مصلحت پر محمول کیا گیا ہے نیز اس کی تائید ان بعض روایات سے ہوتی ہے۔ جس میں اس کے بعد و من غرق غرقناہ (جو کسی کو ڈبائے تو ہم اس کو ڈبوئیں گے) کا اضافہ ہے۔ یعنی اگر سیاسی مصلحت ہو تو قطع کیا جا سکتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس باب میں ایسی کوئی مرفوع حدیث جو سند کے اعتبار سے قابل حجت ہو نہیں ہے۔ جس میں کفن چور کے ہاتھ کاٹنے یا نہ کاٹنے پر دلالت ہو۔

اس مسئلہ میں صحابہ علیہم الرضوان کے اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ کفن چوری دراصل چوری کی تعریف میں ہے یا نہیں؟ جس نے یہ سمجھا کہ وہ چوری ہے تو ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا اور جس نے یہ سمجھا کہ یہ چوری نہیں ہے کیونکہ اس میں مال کی حفاظت نہیں اور ملکیت بھی ثابت نہیں تو انھوں نے ہاتھ نہ کاٹنے کا فتوی دیا سوائے اس کے کہ وہاں کوئی سیاسی مصلحت ہو۔

جب تک صاحب شریعت (علیہ السلام) کی طرف سے کسی مضبوط سند سے کوئی حدیث ثابت نہ ہو جس سے اس کے خلاف استدلال کیا جاسکے حق بات اسی کے اطراف گھومتی رہے گی۔ یہاں ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ طر (جیب کتر لینا) یعنی کسی بیدار آدمی کے مال کو جب کہ وہ اس کی حفاظت کا قصد کیا ہوا ہے۔ تھوڑی سی غفلت میں اڑالینا یہ بھی چوری میں نہیں ہے جیسا کہ کفن چوری، چوری کی تعریف میں نہیں ہے۔ اس کے باوجود فقہا نے جیب کترے کے ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا ہے۔ برخلاف کفن چور کے کہ اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم نہیں دیا ہے۔ اس کا جواب علامہ ابن مالک نے شرح منار میں اور دوسرے علماء اصول نے تفصیل کے ساتھ دیا ہے کہ سرقہ کی آیت جس میں قطع ید کا حکم ہے سارق کے مفہوم میں تو واضح ہے۔ جیب کترا اور کفن چور کے بارے میں اس میں خفاء ہے اور جب ہم نے غور کیا کہ ان دونوں میں خفاء کی وجہ سے آیا کسی معنی کی زیادتی ہے یا کوئی نقصان وکمی ہے تو یہ بات ظاہر ہوئی کہ جیب کترے کے بارے میں خفاء زیادتی کی وجہ سے ہے کیونکہ اس کے معنی اگرچہ کہ چوری کے نہیں ہے مگر چوری سے بڑھ کر اس کا مفہوم ہے۔ کیونکہ چور چھپ کر چوری کرتا ہے اس کے برخلاف جیب کترا اعلانیہ تھوڑی سی غفلت میں اڑالیتا ہے۔ اور کفن چور کے بارے میں خفار، کمی اور نقصان کی وجہ سے ہے کیونکہ کفن چوری کرنا سرقہ سے کم درجہ ہے۔ اسی لئے ہم جیب کترنے پر ہاتھ کاٹنے کو واجب قرار دیئے ہیں۔ برخلاف کفن چور کے کہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ ادنی کے لئے ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے تو اعلی کے لئے بدرجہ اولی ہوگا۔ اس کا عکس نہیں ہوگا۔ (عمدۃ الرعایہ)

(2/170)باب الشفاعة فی الحدود

حدود میں سفارش کرنے کا بیان

اللہ بزرگ و برتر کا ارشاد ہے

جزاء بما کسبا 1 (یہ ان دونوں کے عمل کی سزا ہے)(5 سورۃ مائدہ/38)

70/4700۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے کہ قریش کو ایک مخزومیہ خاتون کا معاملہ جو چوری کی تھی فکر مند کردیا تو وہ کہنے لگے کہ اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کون گفتگو کرے گا۔ پھر وہ کہنے لگے کہ اسامہ بن زید کے

---

1 قولہ جزاء بما کسبا (یہ ان دونوں کے عمل کی سزا ہے) اس میں صراحت ہے کہ ہاتھ کاٹنا اس کی ساری حرکتوں کی سزا ہے۔ ہم یہ واضح کرچکے ہیں کہ لفظ جزاء میں کمال سزا کا ارشارہ ہے اگر ہم اس کے ساتھ ضمان واجب کریں گے تو ہاتھ کاٹنا اس کی ساری حرکتوں کی سزا نہیں رہے گی۔ اور نص سے ثابت شدہ حکم منسوخ ہوجائے گا۔ اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا چور پر اس کا ہاتھ کاٹے جانے کے بعد تاوان نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قطع ید ایک ایسی سزا ہے جو شبہات سے دفع ہوجاتی ہے۔ اور ضمان ایک جرمانہ ہے جو شبہات سے ثابت ہوتا ہے۔ کسی ایک کام کی وجہ سے دونوں کو جمع نہیں کیا جاسکتا۔ جیسے قصاص اور دیت ہے کہ دونوں جمع نہیں کیے جاسکتے۔ (مبسوط)

سوا جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہیں کون اس کی جرأت کر سکتا ہے۔ چنانچہ اسامہ نے آپ ﷺ سے گفتگو کی۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اللہ کی حد میں سفارش کرتے ہو۔ 2ے پھر آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا اس کے سوا نہیں کہ تم سے پہلے کے لوگوں کو جس چیز نے ہلاک کیا وہ یہ تھی کہ ان میں جب کوئی شریف (معزز آدمی) چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے۔ اور جب کوئی ضعیف (کمزور آدمی) چوری کرتا تو اس پر حد کو جاری کر دیتے تھے۔ اللہ کی قسم اگر بفرض محال فاطمہ بنت محمد (ﷺ) بھی چوری کرتیں تو میں ضرور ہاتھ کاٹ دیتا۔ (متفق علیہ)

2ے اَتَشْفَعُ فِی حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰہِ الخ (کیا تم اللہ کی حد میں سفارش کرتے ہو) اس لئے حاکم کے پاس جب مقدمہ پیش ہو جائے تو کسی حد کے بارے میں سفارش جائز نہیں۔ اور لیکن مقدمہ حاکم کے پاس پیش ہونے اور اس کے پاس ثابت ہو جانے سے پہلے اس کو چھڑانے کے لئے مقدمہ پیش کرنے والے کے پاس سفارش کر سکتے ہیں اس لئے کہ ابھی تک حد کا وجوب ثابت نہیں ہوا ہے۔ اور حد کا وجوب محض کسی فعل کی وجہ سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ حدِ امام ثابت ہونے سے واجب ہوتی ہے (فتح القدیر) اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ مقدمہ امام کے پاس پیش ہو کر ثابت ہونے سے پہلے تک سفارش جائز ہے۔ اور حموی سے اس کی صراحت آئی ہے۔ (درمختار، ردالمختار)

صاحب مرقات نے فرمایا اس حدیث کی بناء پر علماء کا اجماع ہے کہ حدود میں جب کہ مقدمہ حاکم کے پاس پہنچ جائے سفارش کرنا حرام ہے۔ اسی طرح سفارش قبول کرنا بھی حرام ہے اب رہا مقدمہ حاکم کے پاس پہنچنے سے پہلے اکثر علماء نے اس کی اجازت دی ہے بشرطیکہ جس کے بارے میں سفارش کی جا رہی ہے وہ لوگوں کے لئے باعث شر اور ایذاء رساں نہ ہو۔ اب رہا وہ جرائم جس میں تعزیر واجب ہوتی ہے تو اس میں سفارش کرنا اور سفارش قبول کرنا مقدمہ خواہ حاکم کے پاس پیش ہوا ہو یا نہ ہو ہر حالت میں جائز ہے۔ کیونکہ یہ جرائم ہلکے ہیں۔ بلکہ جس کے بارے میں سفارش کی جا رہی ہے اگر وہ ایذاء رساں نہیں ہے تو سفارش کرنا مستحب ہے۔ (نووی)

71/4701۔ مسلم کی ایک روایت میں ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مخزومیہ 3خاتون لوگوں سے عاریتاً ساز وسامان لیتی پھر اس کا انکار کردیتی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمائے تو اس کے گھر والے حضرت اسامہ کے پاس آئے اور ان سے گفتگو کیئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں گفتگو کی۔ اس کے بعد سابقہ حدیث کا مضمون ہے۔

3قولہ کانت امراۃ مخزومیۃ تستعیر المتاع وتجحدہ فامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بقطع یدھا الخ (ایک مخزومیہ خاتون لوگوں سے عاریتاً ساز وسامان لیتی پھر اس کا انکار کردیتی تھی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا)

مراد یہ ہے کہ اس کا ہاتھ چوری میں کاٹا گیا۔ اور ''عاریتاً'' کا ذکر اس عورت کی شناخت وپہچان کے لئے ہے وہ اس کے ہاتھ کے کاٹے جانے کا سبب نہیں ہے۔

اس کا ہاتھ کاٹا جانا تو چوری کی وجہ سے ہے، اور عاریت کے ساز وسامان کا انکار بھی اس کی پہچان کے لئے ہے۔ اور امام مسلم نے اس حدیث کی جو تمام سندیں بیان کی ہیں اس میں صراحت ہے کہ اس نے چوری کی تھی۔ اور چوری کے سبب اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔ تو اس روایت کو بھی اسی معنی پر محمول کیا جائے گا۔ تاکہ تمام روایتوں میں تطبیق ہو۔ اور اس لئے بھی کہ یہ ایک ہی واقعہ ہے ونیز ائمہ کی ایک جماعت نے اس روایت کو شاذ بتایا ہے۔ کیونکہ یہ روایت جمہور راویوں کے مخالف ہے۔ اور شاذ روایت پر عمل نہیں کیا جاتا۔ علماء نے کہا ہے کہ اس روایت میں چوری کا ذکر نہیں کیا گیا ہے کیونکہ راوی کے پاس اس سے مقصود حدود میں سفارش کے روکنے کا ذکر کرنا ہے۔ چوری کے متعلق خبر دینا نہیں ہے۔

جمہور علماء اور فقہاء امصار نے کہا ہے کہ عاریت کے انکار کرنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اور انہوں نے اس حدیث کی ایسی ہی تاویل کی ہے جیسا کہ میں ذکر کیا ہوں۔

امام احمد اور امام اسحاق فرماتے ہیں کہ اس میں ہاتھ کاٹنا ضروری ہے۔ (امام طیبی اور امام نووی نے اس کا ذکر کیا ہے)

72/4702۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہوں کہ اللہ تعالی کے حدود میں سے کسی حد کے مقابل کسی کی سفارش حائل ہو جائے تو یقیناً اس نے اللہ تعالی کی مخالفت کی۔ اور کسی باطل معاملہ میں جانتے ہوئے بھی جھگڑا کرے گا تو وہ ہمیشہ اللہ تعالی کی ناراضگی میں رہتا ہے۔ تا آنکہ وہ اس سے کنارہ کش ہو جائے۔ اور جو آدمی کسی مسلمان کے بارے میں ایسی بات کہے جو اس میں نہیں ہے تو اللہ تعالی اس کو پیپ وخون کے دلدل میں رکھے گا۔ تا آنکہ وہ اپنی کہی ہوئی بات کو ترک کر دے۔ (امام احمد، ابوداؤد)

73/4703۔ امام بیہقی کی شعب الایمان میں روایت ہے کہ جو کوئی کسی ایسے مقدمہ میں مدد کرے جس کے حق یا باطل ہونے کو نہیں جانتا تو وہ اللہ تعالی کی ناراضگی میں ہے تا آنکہ وہ اس سے باز آجائے۔

74/4704۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چور لایا گیا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نے چوری کی ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں نہیں سمجھتا کہ اس نے چوری کی ہے۔ چور نے عرض کیا کیوں نہیں [4] یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (میں تو چوری کیا ہوں) تو آپ نے فرمایا اس کو لے جاؤ اور ہاتھ کاٹ کر داغ دو پھر اس کو میرے پاس لاؤ۔ اس کو لے جا کر ہاتھ کاٹا گیا اور داغ دے کر لایا گیا۔ تو آپ نے فرمایا اللہ بزرگ و برتر کی جناب میں توبہ کر تو اس نے عرض کیا میں اللہ تعالی کی جناب میں توبہ کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالی نے تیری توبہ قبول کیا۔ (طحاوی)

---

[4] فقال السارق بلى يا رسول الله صلى الله عليه وسلم الخ (جن صاحب نے چوری کی تھی انہوں نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (میں چوری کیا ہوں)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمائے ان کو لے جاکر ہاتھ کاٹ دو یعنی چور کا ہاتھ کاٹنا ضروری ہے۔ جب کہ وہ ایک مرتبہ اس کا اقرار کیا ہو اور اس میں وہ تمام قیود پائے جائیں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ یہ امام ابوحنیفہ امام محمد امام مالک، امام شافعی اور اکثر علماء امت رحمۃ اللہ علیہم کا مسلک ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک مرتبہ اقرار سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ یہ قول امام احمد اور ابن ابی لیلیٰ، امام زفر اور ابن شبرمہ کا ہے۔ اور یہ ابوامیہ مخزومی کی حدیث کی بناء پر ہے۔ جس میں ایک سے زائد مرتبہ اقرار کے بعد کاٹا گیا۔

اور امام ابوحنیفہ اور دیگر ائمہ کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو امام طحاوی نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے سند متصل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ میں یہ ہے کہ اس کے ایک مرتبہ اقرار سے اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔

ان دونوں حدیثوں میں جو تعارض واقع ہوا اس کے لئے تصحیح اور ترجیح کی ضرورت ہے بہتر بات یہ ہے کہ پہلی حدیث کو اس بات پر محمول کیا جائے کہ پہلے اس نے صحابہ کے سامنے اعتراف کیا۔ صحابہ اس کے اعتراف کی وجہ سے عرض کئے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نے چوری کی ہے۔ یہ خبر کے طور پر ہے یہ گواہی کے طور پر نہیں۔ اس سے دونوں حدیثوں کے درمیان مطابقت پیدا ہو جاتی ہے۔ پس دونوں کا ماحصل ایک ہی ہے کہ ہاتھ کاٹنے کے لئے ایک سے زائد اقرار کی ضرورت نہیں ہے۔

(فتح القدیر، مرقات، شروح کنز)

75/4705۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمائے جب چور پر حد جاری کی جائے تو وہ تاوان 5 نہیں دے گا۔ (نسائی)

76/4706۔ دارقطنی کی ایک روایت میں ہے کہ چور کا دایاں ہاتھ کاٹنے کے بعد اس پر کوئی تاوان نہیں ہے۔

---

5 قوله لا یُغرم صاحب السرقة اذا اقیم علیه الحد (جب چور پر حد جاری کی جائے وہ تاوان نہیں دے گا) یعنی جب چور کا ہاتھ کاٹا جائے اور چوری کی ہوئی چیز اس کے پاس موجود ہے تو وہ چیز مالک کو واپس کردی جائے گی۔ اگرچیکہ اس کو بیچ دیا یا کسی کو ہبہ کردیا ہو کیونکہ اس کے مالک کی ملکیت باقی ہے اور وہ شئی ہلاک ہو جائے یا اس کو اس نے ہلاک کردیا ہو دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں، اس کا ضمان نہیں لیا جائے گا۔ جیسا کہ روایت سے ظاہر ہے اور یہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ اور یہ مشہور ہے۔ اور حسن بن زیاد کی روایت میں ہے کہ امام صاحب نے ہلاک کرنے کی صورت میں اس پر ضمان عائد کیا ہے البتہ وہ شئی خود ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان عائد نہیں کیا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دونوں صورتوں میں ضمان دے گا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ چوری کی سزا میں ہاتھ کاٹنا ضروری ہے۔ اب رہا مسروقہ سامان اگر وہ موجود ہے تو مالک کو واپس کردیا جائے گا۔ اور اگر موجود نہیں ہے خواہ وہ ہلاک ہو جائے یا ہلاک کردیا گیا ہو ہمارے پاس اس کا ضمان نہیں ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے۔ ہمارے پاس اس کے ضمان کا نہ ہونا اس لئے ہے کہ قطع ید اور ضمان (تاوان) دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ البتہ قطع ید اور مال کا واپس کرنا دونوں جمع ہو سکتے ہیں جب کہ مال موجود ہو کیونکہ وہ مال بندے کے حق کی حیثیت سے محفوظ تھا۔ جب اس کو چوری کیا جائے تو شارع نے اس پر حد کو واجب کیا ہے اور یہ شریعت کا حق ہے اور جنایت حق

شرع میں ہوئی ہے پس اس کو چوری کرنے کی صورت میں یہ مال شریعت کے حق کی حیثیت سے محفوظ ہو گیا اس بندے کا حق باقی نہیں رہا۔ اس لئے ضمان واجب نہیں ہوگا اور اس کی مکمل سزا ہاتھ کاٹنا مقرر کیا گیا تو ہاتھ کاٹنے کے ساتھ ضمان جمع نہیں ہو سکتا اگر اس تقریر کو درست مان لیا جائے تو اس پر یہ اعتراض کہ اگر مال مسروقہ بعینہ موجود ہو تو بھی واپس نہیں کیا جانا چاہئے حالانکہ ایسا نہیں ہے تو اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ یہ مال صورتاً مشابہت کی وجہ سے واپس دلایا جائے گا نیز اس لئے کہ اس میں مال کی ملکیت باقی ہے اگرچہ کہ اس کی عصمت اللہ کی طرف منتقل ہو چکی ہے مزید تفصیلات کے لئے اصول فقہ کی کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے۔

اس پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اعتراض فرمایا ہے کہ اللہ تعالی کے ارشاد ''فاقطعوا'' میں صرف ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے کیونکہ لفظ قطع ایک خاص معنی کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ اس میں مال کا حق اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالی کی طرف منتقل ہونے میں کوئی دلالت نہیں ہے۔ پس تم لوگوں نے خاص پر عمل کرنا چھوڑ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ''لاغرم علی السارق بعد ما قطعت یمینہ'' پر اضافہ کیا ہے۔ حنفیہ کی طرف سے کتب اصول میں اس کا جواب دیا گیا ہے کہ مال مسروقہ کی عصمت بندے سے ختم ہو کر اللہ تعالی کی طرف اس کا منتقل ہو جانا ''فاقطعوا'' سے نہیں ہے بلکہ ''جزاء بما کسبا'' سے اس کو ثابت کئے ہیں، اس لئے کہ لفظ جزا کا جب عقوبات میں استعمال ہوتا ہے تو اس سے بندے کے فعل کے مقابل میں اللہ تعالی کا حق مراد ہوتا ہے۔ کیونکہ لفظ جزا جزی یجزی کا مصدر ھے کفی و قضی کے معنی میں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قطع ید چوری کی کامل سزا ہے۔ اور کامل سزا کامل جنایت کی ہوتی ہے۔ اور جنایت کامل اس وقت ہوتی ہے جب کہ وہ حقوق اللہ میں کی گئی ہو اور حقوق اللہ میں کی جانے والی جنایت ہر اعتبار سے مکمل ہوتی ہے اور حقوق العباد میں جنایت، ایک جہت سے جنایت ہوتی ہے اور ایک جہت سے نہیں، اسی لئے اس کی عصمت کا اللہ تعالی کی طرف

منتقل ہونا ضروری ہوگیا تا کہ وہ فی نفسہ حرام ہو جائے اور اگر مال کی عصمت بندے کی جہت سے باقی رہے تو وہ حرام بذاتہ نہیں ہوگا اور یہ سب ہم نے اللہ تعالی کے ارشاد میں لفظ جزا سے ثابت کیا ہے، تم جیسا سمجھتے ہو لفظ فاقطعوا سے یہ نہیں ہے۔ نیز ضمان واجب نہ ہونے پر کئی وجہ سے استدلال کیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ چوری کرنے والے پر حد جاری کی جائے تو اس پر ضمان ادا کرنا نہیں ہے۔ اور ضمان نہ ہونے کی روایت ابن سیرین، نخعی، شعبی عطا، حسن اور قتادہ رحمہم اللہ سے مروی ہے۔

صاحب بنایہ نے کہا ہے کہ یہی بات درست ہے اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے فاقطعوا ایدیھما جزاء بما کسبا۔ تم ان دونوں کے ہاتھ کاٹ دو یہ ان کے کئے کا بدلہ ہے اس آیت میں تاوان کا حکم نہیں دیا گیا ہے اگر تاوان دینا لازم ہوتا تو اس کا ذکر آتا تھا۔

اگر تم اعتراض کرو کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ امام دارقطنی نے فرمایا ہے کہ اس کی سند میں سعید بن ابراہیم راوی مجہول ہیں اور اس کی دیگر سندیں ان کی صحت سے ثابت نہیں ہیں۔ اگر اس کو صحیح تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس میں احتمالات ہیں۔

1۔ تاوان کی نفی سے عذاب آخرت کی نفی مراد ہو۔

2۔ حد لگانے والے کی اجرت مراد ہو۔

3۔ ضمان کی نفی جیسا کہ ابتداء اسلام میں تھا۔ ان تمام احتمالات کے ساتھ تاوان کی نفی کے لئے اس سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

اس کے جواب میں، میں کہتا ہوں کہ امام دارقطنی اپنے قول میں منفرد ہونے کی وجہ سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ اس حدیث شریف میں جو کچھ کلام کیا گیا ہے وہ سند پر ہے کہ مسور نے عبدالرحمٰن سے جو روایت کی ہے اس میں مسور کی عبدالرحمٰن بن عوف سے ملاقات ثابت نہیں۔ اگر یہ بات ثابت ہو جائے تو یہ حدیث مرسل ہو جائے گی اور حدیث مرسل حجت ہے۔

77/4707 ۔ بزار اور طبرانی کی روایت میں ہے کہ چور پر حد جاری کرنے کے بعد اس کی چوری کا ضمان نہیں ہے۔

78/4708 ۔ ابن جریر طبری نے تہذیب الآثار میں قابلِ استدلال سندِ متصل کے ساتھ اس کی روایت انہی سے (عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالی عنہ) کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب چور پر حد جاری کی جائے اس پر تاوان نہیں ہے۔

علاوہ ازیں علامہ عینی نے بنایہ میں ذکر کیا ہے کہ ابن جریر طبری نے تہذیب الآثار میں قابل استدلال سند متصل کے ساتھ اس کی تخریج کی ہے اور حضرت مسور اور ان کے والد دونوں امام بخاری کی شرط کے مطابق ہیں ثقات میں سے ابن حبان نے ان کے والد کو ثقات تابعین میں ذکر کیا ہے۔

عبدالباقی نے نقل کیا ہے کہ امام زہری نے اس حدیث شریف کو سعید بن ابراہیم سے روایت کیا ہے اور فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے اور کہا کہ یہ مدینہ منورہ کے قاضی اور ثقہ وثبت ہیں۔

ہاتھ کاٹنے والے کی اجرت طاوان کا اطلاق کرنا خلاف ظاہر ہے نیز یہ کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روایت میں لفظ غرم کو نکرہ ذکر فرمایا ہے۔ جو موضع نفی میں ہے اور نکرہ موضع نفی میں عام ہوتا ہے اس لئے یہ اپنے تمام اقسام کو شامل ہونا چاہئے۔

علامہ فقیہ ابواللیث نے امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے۔ اس میں ضمان قضاءً نہیں ہے۔ لیکن دیانت واجب ہے اور یہ بات زیادہ مناسب ہے۔ اور اسی پر فتوی ہے کیونکہ فتح القدیر اور مبسوط میں ہے ہشام نے محمد سے روایت کیا ہے کہ سارق سے ضمان قضاء ساقط ہو جائے گا کیونکہ دونوں میں مماثلت مشکل ہے لیکن دیانت ضمان کا دیا جائے گا۔ اس لئے کہ چور کی طرف سے مالک کو نقصان پہنچا ہے۔

(ہدایہ، درمختار، ردالمحتار، شرح وقایہ، عمدۃ الرعایۃ، بنایہ، شروح کنز، تفسیرات احمدیہ، مرقات)

(3/171) باب حد الخمر

شراب کی حد کا بیان

79/4709۔ ثور بن زید دیلی سے روایت ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ 1 نے شراب کے بارے میں مشورہ کیا جب کہ کوئی آدمی اس کو پیتا ہے تو سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ نے آپ سے فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ آپ اس کو اسی (80) کوڑے لگائیں کیونکہ جب وہ شراب پیتا ہے تو نشہ میں ہوتا ہے اور نشہ میں ہوتا ہے تو بے ہودہ بکواس کرتا ہے۔ اور جھوٹی تہمت لگاتا ہے یا اسی کے مثل فرمایا۔ راوی نے کہا کہ سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ اس کو شراب کے بارے میں اسی (80) کوڑے لگائے۔ (امام مالک نے اس کی روایت کی ہے۔ دار قطنی، نسائی اور حاکم نے سند متصل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ نیز حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام عبدالرزاق نے ایک دوسری سند متصل کے ساتھ بیان کیا ہے)

---

1 **قولہ ان عمر بن الخطاب استشار الخ** (حضرت عمرؓ نے مشورہ کیا) تمام ائمہ کا شراب کی حرمت اور اس کی نجاست پر اجماع ہے اور یقیناً شراب کا کم یا زیادہ پینا ہر حالت میں سزا کا موجب ہے اور جو شخص اس کو حلال سمجھے اس کے کافر ہونے کا حکم لگایا گیا ہے۔ اور اس کی حد بالاتفاق چالیس سے کم نہیں ہوتی۔

اختلاف صرف چالیس پر زیادتی میں ہے پس امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا کہ (اس کی حد) تہمت کی حد کی طرح، اسی کوڑے ہے۔ تہمت کی حد قرآن سے ثابت ہے اور شراب کی حد اصل احادیث مرفوعہ سے ہے اور اس حد کی مقدار صحابہ کرام کے اتفاق سے ثابت ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کی حد چالیس ہے اور جو چالیس سے زیادہ ہے وہ بطور تعزیر ہے۔

اور امام کو سزا میں اضافہ کرنے کا اختیار ہے جب کہ ان کا اجتہاد اس بات کا مقتضی ہو۔ میں کہتا ہوں کہ خرقی نے اسی کو راجح قرار دیا اور ابن عبدالبر نے کہا کہ

جمہور علماء سلف وخلف کے پاس شراب نوشی کی حد اسی کوڑے ہیں۔ اور یہ قول سفیان ثوری امام اوزاعی، امام اسحاق اور امام احمد رحمہم اللہ کا ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک قول ایسا ہی ہے ونیز حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانہ میں تمام صحابہ کا اس پر اجماع ہوگیا۔ اور ان کی کوئی مخالفت نہیں کیا۔ تابعین کی جماعت کا اتفاق بھی اسی پر ہے۔

اور اس مسئلہ میں اختلاف ایسے شاذ کی طرح سے ہے جو جمہور کے مقابل میں مغلوب ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہما نے فرمایا ہے مسلمان جسے اچھا سمجھے وہ اللہ تعالی کے پاس بھی اچھا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم اپنے اوپر میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کو لازم کرلو۔ حد آزاد آدمی سے متعلق ہے اب رہا غلام پس بالاتفاق اس پر اس کا نصف ہے اور علماء اس پر متفق ہیں کہ شُرب خمر کی حد کوڑے سے لگائی جائے گی۔ سوائے اس روایت کہ جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے کہ اس کی حد ہاتھوں سے چپلوں سے اور کپڑوں کے کناروں سے لگائی جائے گی۔ میں کہتا ہوں کہ حق جمہور کے ساتھ ہے کیونکہ کوڑے سے حد لگانے پر صحابہ علیہم الرضوان کا اتفاق ہے۔

(ماخوذ از رحمۃ الامۃ، نیل الاوطار، عمدۃ الرعایۃ، مرقات، تعلیق مجد)

80/4710 ۔ مسلم کی ایک روایت میں سیدنا انس رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ایسے شخص کو لایا گیا جس نے شراب پی تھی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دو ٹہنیوں سے تقریباً چالیس مار مارے۔ راوی نے کہا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ نے شرابی کے ساتھ ایسا ہی کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا دور آیا تو آپ نے لوگوں سے مشورہ کیا تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ تمام حدود میں سب سے ہلکی حد اسی کوڑے ہیں۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کا حکم فرمایا۔ (مسلم)

81/4711 ۔ امام احمد نے سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں شراب کی (حد) میں دو چپلوں سے چالیس مار مارے گئے لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا دور آیا تو انہوں نے ہر چپل کی عوض ایک کوڑا مقرر کیا۔ امام ترمذی نے اس کے ہم معنی روایت کی ہے اور اس حدیث کو حسن قرار دیا۔

82/4712 ۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ان کے پاس ایک آدمی اپنے بھتیجے[2] کو لایا جو نشہ میں تھا اور اس کی عقل چلی گئی تھی۔

---

[2] قولہ اتاہ رجل بابن اخ لہ نشوان الخ جان لو کہ اس حدیث شریف میں کئی فائدے ہیں

منجملہ ان کے

1۔ حد صرف حالت ہوش میں ہی قائم کی جائے گی۔ اور نشہ والے کو افاقہ ہونے تک قید کیا جائے گا۔

2۔ نشہ موجب حد نہیں ہے مگر جب اس کی عقل بالکلیہ طور پر چلی جائے اس طور پر کہ وہ

آسمان وزمین میں فرق نہ کرے اس قدر نشہ کا اعتبار حد جاری کرنے میں ہے۔ وضوء کو توڑنے میں نہیں خمر کے سوادیگر نشہ آور شرابوں کی حرمت اوران کے حدود کو جاری کرنے کے بارے میں بے ہودہ گوئی کرنے کا اعتبار ہے۔ کیونکہ حدود کو دفع کرنے کے بارے میں حدیث شریف وارد ہے۔ اس لئے حدود جاری کرنے میں احتیاط لازم ہے۔

یہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اور صاحبین کے قول میں حرمت اور وجوب حد دونوں کے بارے میں صرف بے ہودہ گوئی کا اعتبار ہے اور صاحبین کا قول ہی مختار اوراسی پر فتویٰ ہے۔ اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کہ اس کی چال ڈھال، حرکات وسکنات اور ہاتھ پیر وغیرہ میں اس کا اثر ظاہر ہونے کا اعتبار ہے۔

3۔ اس حدیث شریف میں منجملہ فوائد کے یہ ہے کہ حد صرف درہ یا ایسے کوڑے سے لگائی جائے گی جس کے سرے کی گرہ کاٹ دی گئی ہے۔ اوراس کو اس قدر کوٹ دیا جائے کہ وہ درہ بن جائے۔ ٹہنیوں اور چپلوں سے مارا نہیں جائے گا جیسا کہ شراب کی حرمت کی ابتدائی زمانہ میں تھا پھر یہ منسوخ ہوگیا اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کے دورِ خلافت میں (40) کی تعداد اجماع سے منسوخ ہوکر (80) کوڑوں کی تعداد مقرر فرمائی۔

4۔ منجملہ فوائد کہ یہ ہے کہ کھلی چمڑی پر حد لگائی جائے گی کپڑوں کے اوپر سے نہیں۔

5۔ کوڑے لگانے میں جلاد اپنا ہاتھ اٹھائے گا۔

6۔ اس قدر نہیں اٹھائے گا کہ اس کے بازو اور بغل دکھائی دے۔

7۔ شراب کی حد اسی کوڑے ہے چالیس نہیں۔

8۔ سرپرست پر واجب ہے کہ چھوٹوں کو ادب سکھائے اوران کے عادات واطوار کو درست کرے تاکہ وہ فسق وفجور میں مبتلا نہ ہو۔

9۔ مسلمان کی پردہ پوشی کرنا مناسب ہے۔

83/4713۔ سیدنا جابر رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص شراب پیئے تو تم اس کو کوڑے مارو اور اگر وہ چوتھی مرتبہ پیئے تو تم اس کو قتل کردو پھر اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک آدمی کو لایا گیا جو چوتھی مرتبہ 3 شراب پیا تھا تو آپ نے اس کو مارا لیکن قتل نہیں کیا (ترمذی اور ابوداؤد بروایت قبیصہ بن ذویب) اس سے ثابت ہوا کہ چوتھی دفع شراب پینے کی پاداش میں قتل کرنا منسوخ ہوگیا۔اور یہ کہا گیا ہے کہ یہ حکم بطور سیاست اب بھی باقی ہے اور یہ قول قابل ترجیح ہے۔

---

3 قولہ قد شرب فی الرابعۃ فضربہ ولم یقتلہ یقیناً مسلمانوں نے شراب پینے کی حرمت پر اجماع کیا ہے اور شراب پینے والے پر خواہ تھوڑا پیئے یا زیادہ ہر حالت میں حد کے واجب ہونے پر بھی اجماع کیا۔

اس طرح انہوں نے اس بات پر بھی اجماع کیا کہ شراب پینے کی وجہ سے اس کو قتل نہیں کیا جائے گا اگر یہ عمل اس سے متعدد مرتبہ ہو۔

اس طرح امام ترمذی نے اس کے بارے میں ہوئے اجماع کو نقل کیا ہے۔

اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہی قول امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا ہے۔اور قاضی نے ایک جماعت شاذہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے مذکورہ حدیث کی بناء پر کہا کہ اس کو چار مرتبہ کوڑے مارنے کے بعد قتل کردیا جائے گا۔لیکن یہ قول باطل ہے اور صحابہ ان کے بعد والوں کی اس بات پر اجماع کے منافی ہے کہ اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ اگر چیکہ اس سے یہ عمل چار مرتبہ سے زائد ہو چوتھی مرتبہ قتل کرنے کا حکم ابتداء اسلام میں تھا پھر منسوخ ہوگیا۔علماء کی ایک جماعت نے کہا کہ اس کے منسوخ ہونے پر اجماع دلالت کررہا ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس کا منسوخ ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے ہے ''کسی مسلمان کا خون حلال نہیں سوائے تین طریقوں میں کسی ایک طریقہ سے۔

84/4714۔ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو زجر و توبیخ کرو 4 اور اس سے لوگ یہ کہتے ہوئے متوجہ ہوئے تو اللہ تعالی سے کیوں نہیں ڈرا اور اللہ سے کیوں نہیں خوف کھایا تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حیاء نہ کی۔اس کے بعد کسی نے اخزاک اللہ کہا یعنی اللہ تعالی تجھ کو رسوا کرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ایسا مت کہو تم اس پر شیطان کی مدد مت کرو بلکہ یہ کہو کہ اللھم اغفرلہ، اللھم ارحمہ اے پروردگار تو اس کو بخش دے، اے پروردگار تو اس پر رحم فرما۔

85/4715۔سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی شراب پی کر مدہوش ہو کر گیا راستے میں لڑکھڑاتے ہوئے ملا تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جایا گیا اور حضرت عباس کے گھر کے مقابل پہنچا تو چھوٹ گیا اور حضرت عباس کے پاس جا کر ان سے چمٹ گیا تو انہوں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دئے

1۔نفس کو نفس کے بدلے 2۔شادی شدہ زانی

3۔دین اسلام کو چھوڑنے اور جماعت سے الگ ہونے والا (مرتد) اور اس سلسلے میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ قتل کی سزا اگر سیاسی مصلحت ہو تو باقی ہے۔اور یہی بات زیادہ قابل ترجیح ہے۔(نووی، طحاوی)

4 قولہ ثم قال بکتوہ الخ پھر آپ نے فرمایا یعنی شراب کی حد کو نافذ کرنے کا حکم دینے کے بعد ''بکتوہ'' فرمایا یعنی اس کو زجر و توبیخ کرو۔یہ لفظ تبکیت سے مشتق ہے اس کے معنی زجر و توبیخ کرنا اور زبان سے اس کو عار دلانا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ حکم استحبابی ہے برخلاف حکم اول (اسی کوڑے) کے کہ وہ واجب ہے۔(مرقات)

اور فرمائے کیا اس نے ایسا کیا اس کے بارے 5 میں کسی چیز کا حکم نہیں فرمایا۔ (ابوداؤد)

86/4716۔ عبید بن عمیر نے روایت کیا ہے کہ حضرت علی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جو آدمی حد یا قصاص میں انتقال کر جائے تو اس کے لئے اس کے قتل کی کوئی دیت نہیں ہے 6۔ اسی کے ہم معنی ابن منذر نے ابوبکر سے روایت کی ہے۔

---

5 قولہ ولم یامرہ بشئی اس کے بارے میں کسی چیز کا حکم نہیں فرمایا۔ صاحب مرقات نے فرمایا کہ اس کے لئے کوئی حکم نہیں فرمائے ہو سکتا ہے۔

1۔ اس بنا پر ہو کہ اس پر حد ثابت نہیں ہوئی نہ اس کے اقرار سے اور نہ کسی عادل گواہوں سے اور اس سے راستہ میں لڑکھڑاتے ہوئے ملاقات ہوئی تو اس پر نشہ کا گمان کر لیا گیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بات ظاہر نہیں ہوئی تو آپ اس کو چھوڑ دیے۔

2۔ اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ آپ نے اس کے بارے میں اس لئے بھی کوئی حکم نہیں فرمایا کہ وہ راستہ میں لڑکھڑا رہا تھا یعنی اس کی چال اور اس کے حرکات اور اس کے ہاتھ پر نشہ کا اثر ظاہر ہو رہا تھا لیکن اس سے حد واجب نہیں ہوتی۔ اور اگر اس کی کیفیت یہ ہوتی کہ اس کو کسی چیز کی شناخت نہیں ہوتی یہاں تک کہ زمین و آسمان کو نہ پہچانتا ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسی صورت میں اس کو نہیں چھوڑتے تھے بلکہ اس پر حد جاری کرتے تھے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا یہی مذہب ہے۔

6 قولہ فلادیۃ لہ الخ یعنی کوئی آدمی حد یا تعزیر میں انتقال کر جائے یعنی جس پر امام حد جاری کرے یا تعزیری سزا دے اور وہ اس میں انتقال کر جائے تو اس کے خون کا کوئی تاوان نہیں۔

اور اس کی وجہ سے کوئی چیز واجب نہیں ہوتی نہ امام پر نہ جلاد پر نہ امام کے حکم سے تعزیری سزا دینے والے پر اور اس معاملہ میں شراب اور غیر شراب کی حد میں کوئی فرق نہیں۔ اور یہ ہمارا، امام مالک اور امام احمد کا مذہب ہے برخلاف امام شافعی کے کیونکہ امام حد جاری کرنے اور تعزیر قائم کرنے پر مامور ہے۔ اور مامور کے عمل کو سلامتی کی شرط کے ساتھ مقید نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اور اس کی مکمل بحث فتح القدیر اور تبیین میں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس حکم کی علت کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ بات امام کے ساتھ خاص نہ ہو۔ کیونکہ ہر مسلمان کے لئے ارتکاب گناہ کی حالت میں تعزیر قائم کرنے کا حکم ہے اور وہ منکر کو مٹانے پر مامور ہے۔ مگر اس میں صرف اتنا فرق کیا جاسکتا ہے کہ یہ امام کے پاس اس مقدمہ کو پیش کرسکتا ہے ایسی صورت میں اس پر حد قائم کرنا متعین نہیں ہے۔ برخلاف امام کے۔ اس کو اچھی طرح سمجھو نیز یہ احادیث شریفہ بھی ہماری دلیل ہے۔ (شرح وقایہ، عمدۃ الرعایہ، نیل الاوطار، ردالمختار)

(4/172)باب مالا یدعی علی المحدود

محدود پر

بددعا نہ کرنے کا بیان

87/4717۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی جن کا نام عبداللہ اور لقب حمار تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسایا کرتے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر شراب نوشی کی (سزا میں) کوڑے لگوائے تھے۔ پھر ایک دن ان کو لایا گیا پھر آپ ﷺ نے کوڑے لگانے کا حکم فرمایا اور ان کو کوڑے لگائے گئے تو قوم میں سے ایک آدمی نے کہا اے اللہ تو اس پر لعنت کر ان کو کس قدر زیادہ لایا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر تم لعنت مت کرو۔ خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔ (بخاری)

88/4718۔ اور امام بخاری کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ وہ آدمی جب واپس پلٹا تو قوم میں سے کسی نے کہا اللہ تجھے رسوا کرے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس طرح مت کہو، اس پر شیطان کی مدد مت کرو۔

89/4719۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے۔ اسلمی

صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور اپنے اوپر چار مرتبہ گواہی دے کہ ایک خاتون سے فعل حرام کئے ہیں۔ ہر مرتبہ آپ ان سے منہ پھیر لئے تو پانچویں مرتبہ آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو دخول کیا ہے۔ تو انہوں نے کہا ہاں۔ پھر آپ فرمائے کیا اس قدر ہوا کہ تیرا (عضو) اس کے عضو میں چھپ گیا تو ان نے کہا، ہاں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا جیسا کہ سلائی سرمہ دانی میں اور رسی کنویں میں چھپ جاتی ہے۔ تو انہوں نے کہا: ہاں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو زنا کو جانتا ہے۔ تو انہوں نے کہا: ہاں میں نے اس کے ساتھ وہی فعل کیا ہے جو کوئی آدمی حلال طریقہ پر اپنی بیوی کے ساتھ کرتا ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اس بات سے کیا چاہتا ہے۔ تو اس نے کہا میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے پاک کریں۔ اس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا اور اس کو رجم کردیا گیا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کو سنا ان میں سے ایک اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا اللہ نے اس کے عیب کو چھپایا تھا لیکن وہ اپنے کو چھوڑا نہیں یہاں تک کہ کتے کی طرح رجم کردیا گیا۔ پھر آپ ﷺ کچھ دیر چلے اور ایک مردار گدھے کے پاس سے گزرے جو اپنا پیر اوپر اٹھایا ہوا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فلاں اصحاب کہاں ہیں تو ان دونوں نے کہا ہم ہیں یا رسول اللہ ﷺ۔ آپ نے فرمایا تم دونوں اترو اور اس مردار گدھے کو کھاؤ۔ ان دونوں نے عرض کیا یا نبی اللہ ﷺ اس کو کون کھاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم دونوں نے اپنے بھائی کے بارے میں ابھی جو کچھ کہا وہ اس کو کھانے سے زیادہ سخت ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے بلاشبہ اس وقت وہ جنت کی نہروں میں غوطہ لگا رہا ہے۔ (ابوداؤد)

90/4720۔ ان ہی سے روایت ہے انہوں نے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں نہیں جانتا 1 کہ حدود اہل کے لئے کفارہ ہیں یا نہیں (سنن بیہقی، حاکم) اور بزار نے اپنی سند میں اس کے ہم معنی روایت کی ہے۔ حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے، حافظ نے کہا ہے کہ اس کی سند قوی ہے اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ حضرت عبادہ سے متاخر ہیں اس لئے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث کا اعتبار کیا جائے گا۔

---

1 قولہ ما ادری الحدود کفارات لا هلها ام لا (میں نہیں جانتا کہ حدود، اہل حدود کے لئے کفارہ ہیں یا نہیں) حد جاری کرنے کے بعد بغیر توبہ کے گناہوں سے پاک ہو جانے کے بارے میں علماء کے مابین اختلاف ہے بکثرت علماء کا مذہب یہی ہے۔ جن میں علماء شافعیہ بھی ہیں اور ہمارے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ حد جاری کرنے کے سبب گناہ سے پاک ہونا حد کے احکام میں سے نہیں ہے۔ حد جاری ہو جائے اور توبہ نہ کرے تو اس جرم کا گناہ ساقط نہیں ہوتا اور بغیر توبہ کے وہ اس گناہ سے پاک نہیں ہوگا۔ یعنی ہمارے پاس حد گناہ سے پاک کرنے والی نہیں ہے بلکہ توبہ گناہوں سے پاک کرنے والی ہے۔ اس پر استدلال انہیں احادیث سے ہے۔ اور ڈاکوؤں کی سزا سے متعلق آیت پر عمل کرتے ہوئے یہ حکم دیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے ذلک لهم خزی فی الدنیا ولهم فی الاخرة عذاب عظیم، الا الذین تابوا

یہ ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں عذاب عظیم ہے سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کی ہے۔

اس آیت میں اسم اشارہ کا مشار الیہ ان کو قتل کرنا سولی پر چڑھانا یا ان کا زور توڑنا ہے۔ اللہ تبارک وتعالی ان کے لئے دنیا وآخرت کا عذاب تیار کیا ہے اور آخرت کے عذاب کو

توبہ کے ذریعہ ساقط فرمایا ہے۔ اور الا الذین تابوا سے استثناء بالاتفاق عذاب آخرت سے ہے کیونکہ توبہ سے دنیا میں حد ساقط نہیں ہوتی۔

لیکن وہ حدیث جس کو امام بخاری وغیرہ نے مرفوعاً روایت کیا ہے ان من اصاب من هذه المعاصي شيئا فعوقب في الدنيا فهو كفارة له الخ جو کوئی ان معاصی میں سے کسی کا ارتکاب کرے اور اس کو دنیا میں اس کی سزا دی گئی ہو تو وہ اس کے لئے کفارہ ہے۔ اور کوئی ان میں سے کسی کا ارتکاب کرے اور اللہ اس کو چھپا دے پردہ ڈال دے تو اللہ کے حوالے ہے اگر وہ چاہے تو اس معاف کردے اور چاہے تو اس کو سزا دے۔ اس حدیث شریف کو توبہ کرنے کی صورت پر محمول کرنا ضروری ہے اور یہ ایک واضح بات ہے کہ اس کو مارنے یا سنگسار کرنے کے وقت وہ اپنے عمل کے بد کے سبب کا مزہ چکھنے کی وجہ سے توبہ کرتا ہی ہے۔ اس لئے اس حدیث کو توبہ کے ساتھ مقید کیا جائے گا تاکہ تمام دلائل میں تطبیق اور جمع ہو جائے۔

ظنی کا قطعی کے ساتھ تعارض ہو تو اس کو مقید کرنا متعین ہے برخلاف اس کے عکس کے فتح القدیر میں اسی طرح ہے اور امام زیلعی نے حد کے غیر مطہر ہونے یعنی حد کو جاری کرنا اس کو گناہ سے پاک نہیں کرتا اس پر امام زیلعی نے کافر پر حد لگانے سے استدلال کیا ہے کہ کافر پر بھی حد لگائی جاتی ہے لیکن اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ وہ اس کو پاک نہیں کرتی۔ کتاب نہر میں ہماری واضح دلیل موجود ہے۔

(بحر رائق، عمدۃ الرعایہ، درمختار، ردالمحتار، عرف شذی)

91/4721۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چور لایا گیا تو انہوں نے (صحابہ نے) کہا یا رسول اللہ اس نے چوری کی ہے تو آپ نے فرمایا میں نہیں سمجھتا کہ وہ چوری کیا ہے تو چور نے کہا کیوں نہیں یا رسول اللہ (میں نے چوری کی ہے) تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس کو لے جا کر ہاتھ کاٹ دو اور اس کو داغ دو پھر اس کو میرے پاس لے کر آؤ۔ انہوں (راوی) نے کہا کہ پس اس کو لے جا کر ہاتھ کاٹا گیا پھر داغ دیا گیا پھر اس کو لایا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو اللہ بزرگ و برتر کی جناب میں توبہ کر۔ تو اس نے کہا میں نے اللہ کی جناب میں توبہ کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ نے تیری توبہ قبول کی۔ (طحاوی)

92/4722۔ ایک روایت میں ہے آپ ﷺ نے ان کے بارے میں حکم فرمایا تو ان کا ہاتھ کاٹا گیا اور ان کو لایا گیا تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سے مغفرت طلب کر اور اس کی جناب میں توبہ کر تو انہوں نے کہا میں اللہ کی جناب میں استغفار کرتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (دعاء کرتے ہوئے) تین مرتبہ فرمایا اے اللہ تو ان کی توبہ قبول فرما۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ گناہوں کا کفارہ حد نہیں ہے بلکہ اس کا کفارہ توبہ ہے۔